بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

(حیاتِ طیّبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم)

حصّہ اوّل

(مکّی دور)

سیّد حماد رضا بُخاری

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

(حیاتِ طیّبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم)

حصّہ اوّل

(مکّی دور)

سیّد حماد رضا بُخاری

نام کتاب	بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
مؤلف	سیّد حماد رضا بُخاری
ناشر	بُخاری پبلی کیشنز، فیصل آباد
کمپوزنگ	سیّد حماد رضا بُخاری
طبع اوّل	جنوری ۲۰۱۴ء
تعداد	۱۰۰۰
ای میل مؤلف	hrbukhari@hotmail.com
فون نمبر	03009655650

تقریظ

حجۃ الاسلام علامہ اظہر حسین بہشتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

دُنیا میں کچھ ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جو تاریخ کا رُخ موڑ دیتی ہیں، اِنہیں میں سب سے اعلیٰ وارفع ہستی جس نے مختصر سے عرصے میں دُنیا میں انقلاب برپا کر دیا، پرچمِ اسلام کو بلند کیا اور اقدارِ انسانی کو اپنی معراج تک پہنچا دیا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ قرآنِ کریم نے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں یوں قصیدہ کہا، ''وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (ترجمہ: اور بیشک تمہاری خُو بُو (خُلق) بڑی شان کی ہے۔ سورۃ القلم) اور آپ ﷺ کی نرم خوئی کے بارے میں کچھ اس طرح بیان فرمایا، ''وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (ترجمہ: اے محبوب! تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہوجاتے۔ سورۃ آلِ عمران) اور آپ ﷺ کے شرحِ صدر یعنی وسعتِ قلبی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، ''أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ ترجمہ: کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ سورۃ الشرح) آپ ﷺ کا اخلاق، آپ ﷺ کی نرم خوئی اور آپ ﷺ کا شرحِ صدر ہی تھا جس کی بدولت آپ ﷺ کی تحریکِ اسلام اور یہ انقلاب کامیاب ہوگیا۔ اسلام کی نشر واشاعت آپ کے کردار کی بلندی کی وجہ سے تھی نہ کہ تلوار کے ذریعے۔ بعض اوقات بعض دشمنانِ اسلام کی طرف سے یہ اعتراض کر دیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا تھا اور اس کی طرف داری بعض نام نہاد مسلمانوں نے بھی کر ڈالی جب کہ

حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام رسولِ اکرم ﷺ کے کردار کا پرتو ہے، اگر اسلام میں جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ ساری جنگیں دفاعی جنگوں کی حیثیت رکھتی تھیں اور پھر اگر قرآن کو حکم مان کر اس سے فیصلہ لیا جائے تو قرآنِ مجید واضع طور پر اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ اسلام رسولِ اکرم ﷺ کے اعلیٰ کردار کے ذریعے دنیا میں پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے بل بوتے پر جیسا کہ مندرجہ بالا آیات آپ کی نظر سے گزریں۔ قرآنِ مجید نے رسولِ اکرم ﷺ کی تمام زندگی کو انسانیت کے لئے اُسوۃ قرار دیا اور فرمایا، ''لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (ترجمہ: بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے، سورۃ اُحزاب)۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو تلوار کے زور پر اسلام پھیلائے اُس کی زندگی کو تمام انسانیت کے لئے اسوۃ اور نمونہ قرار دے دیا جائے؟ لہٰذا اِس مقام پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ یہ نظریہ کن لوگوں کا ہے؟ آیا حامیانِ اسلام کا ہے یا دشمنانِ اسلام کا؟

قارئینِ محترم! آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب برادرِ عزیز سیّد حماد رضا بخاری صاحب کی ایک بہترین کاوش ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنی گزشتہ کاوش، '' صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً '' کی طرح اہلِ اسلام کے مختلف مکاتبِ فکر کی روایات کو یکجا کیا ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کے خلاف جو توہین آمیز روایات نقل کی جاتی ہیں اُن کا بہترین اسلوب میں جواب بھی دیا ہے۔ بخاری صاحب ایک سچے عاشقِ رسول ہیں، اِس کا اندازہ آپ کو کتاب کے مطالعے کے دوران خود بخود ہو جائے گا۔ خداوندِ متعال اِن کی اِس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اِن کے زورِ قلم میں مزید اضافہ فرمائے۔

والسّلام و علیکم

اظہر حسین بہشتی

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۳۵ ہجری

فہرس

ہدیہ	11
انتساب	12
مقدمہ	13
نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق	16
نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصلابِ طیّبہ سے ارحامِ مطہرہ کی طرف انتقال	22
نسبِ گرامی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	27
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد	28
حضرت ابراہیم علیہ السلام	28
حضرت اسماعیل علیہ السلام	35
حضرت فہر قریش	39
حضرت قُصی	40
حضرت عبد مناف	40
حضرت ہاشم	41
حضرت عبدُ المُطلب شَیْبَۃُ الْحَمد	43
حارث (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	48
حضرت امیر حمزہؓ (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	48
حضرت عباسؓ (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	48
زبیر بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	49

حضرت ابُوطالب علیہ السلام (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	50
حضرت علی علیہ السلام (برادرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	53
عمّاتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	56
حضرت عبداللہ علیہ السلام (والد گرامی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	57
طلوعِ سحر (ولادتِ باسعادت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	60
سطیح کاہن کی خبر	66
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کی خبر یوسف یہودی کی زبانی	67
شام سے ابنِ حواش المقبل کی خبر	68
اَسمائے گرامی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	71
سوائے حضرت علی علیہ السلام کے دوسروں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور کنیت جمع کرنے کی ممانعت	73
رضاعتِ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	74
روایتِ شقُ الصدر	76
روایتِ شقُ الصدر کا تنقیدی جائزہ	77
وفاتِ حضرت سیّدہ آمنہؓ	84
کم سِنی میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی رِحلت کا فلسفہ	84
کفالتِ جناب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	85
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کے لیے حضرت ابوطالبؑ کی نامزدگی	86
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ سفرِ شام	87
سفرِ شام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زبانی	88
عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ اور ہبل، لات وعزیٰ وغیرہ	97

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرک و بُت پرستی اور فسق و فجور سے نفرت	98
حَربِ فُجّار	99
حربِ فُجّار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوطالبؑ شریک نہیں تھے	100
حلفُ الفضول	101
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیڑ بکریاں چرانا	102
خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تدبُّر اور انصاف	104
مکّہ مکرّمہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش	105
حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام	106
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کا مالِ تجارت لے کر شام جانا	108
بزرگ راہب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خالد بن اسید اور طلیق کی گفتگو	111
ابوالمویہب راہب کی خبر	113
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام سے عقد	115
حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کوئی شادی نہیں کی تھی	117
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرتِ ازواج سے متعلق ایک منفی خیال اور اُس کی تردید	119
ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	124
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پسند کے مطابق ازواج کو رکھنے اور چھوڑنے کا اختیار	130
اولادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	133
علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت	136
غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت گذاری	140
پہلی وحی اور آغازِ بعثت	142

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب اُمّی کی وضاحت	146
ہواتف، جمادات، نباتات اور حیوانات وغیرہ کی گواہی	149
دعوتِ ذوالعشیرہ	158
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قریش کا ظلم وستم	163
ہجرتِ حبشہ	165
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارالارقم میں	171
معاشرتی مقاطعہ	172
ایرانیوں کے ہاتھوں رومیوں کی شکست سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی	178
معجزۂ شق القمر	179
معجزۂ شق القمر اور ہندو مہاراجہ	182
حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات	185
حضرت ابوطالبؑ کے بعد قریش کی دست درازیاں	190
اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات	191
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف میں	192
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جنّات کی حاضری	197
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ سے عقد	200
قبیلہ خزرج کے ایک گروہ کا قبولِ اسلام	200
معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ سُنّت کی نظر میں	201
معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ تشیّع کی نظر میں	210
معراجِ جسمانی یا معراجِ روحانی؟	214

بُراق	216
واقعہء معراج پر اہلِ مکّہ کا ردِّ عمل	217
معراج کا سفرنامہ	220
شجرۂ طوبیٰ	228
سِدرۃُ المنتہیٰ	231
شبِ معراج نمازوں میں تخفیف کی درخواست	232
مقصدِ معراج	234
کیا حضرت علی علیہ السلام شریکِ معراج تھے؟	242
امکانِ معراج	245
قرآن کی گواہی	247
واقعہء معراج پر چند اور دلائل	249
معراج اور صلواۃُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	252
ولادتِ حضرت سیدۃُ النساء فاطمۃُ الزہرا علیہا السلام	256
بیعتِ عقبہ اولیٰ سنہ ۱۲ بعثت	258
بیعتِ عقبہ ثانیہ سنہ ۱۳ بعثت	260
ہجرتِ مدینہ	262
حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر	262
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ ثور میں	266
خیمہ اُمِ معبد عاتکہ میں روشنی	268
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیہ مبارک	270

ہدیہ

میں اس کتاب کو

نہایت عجز و انکساری اور عقیدت و احترام کے ساتھ

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ رحمت میں

ہدیہ کرتا ہوں۔

انتساب

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم المرتبت

اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام

مُقَدِّمَۃ

درود وسلام اور فضائلِ درود پر لکھی گئی اپنی پہلی تالیف ''صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً'' کی تکمیل کے بعد میری شدید خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ پر لکھنے کی سعادت بھی حاصل کروں۔ میری خوش بختی ہے کہ آج سے یہ سعادت میری زندگی کا حصّہ بننے جارہی ہے۔ سیرۃُ النبی ﷺ پر لکھی گئی کئی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ پہلے بھی، زندگی کے مختلف ادوار میں، اور خصوصاً کتابِ ہذا کی تالیف کے دوران بھی۔ سیرتِ نبی ﷺ ایک موضوعِ بیکراں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃُ والسّلام کی حیاتِ طیّبہ کے ہزار ہا پہلو ہیں۔ ہر پہلو دوسرے سے الگ اور اپنی جگہ حُسن وکمال کا ایک مکمل پیکر ہے۔ شاید یہی وجہ رہی ہو کہ کچھ اصحاب نے محبت وعقیدت میں سرشار ہو کر لکھتے ہوئے اپنی کتب کو ایسا رنگ دے دیا کہ اُن کی کتابیں سیرۃُ النبی ﷺ کی کتب کی بجائے کوئی ادبی شاہکار معلوم ہوتی ہیں جن میں جا بجا رنگین الفاظ، تشبیہات اور استعارے نظر آتے ہیں۔ اور بعض کتابیں تو یوں لگتی ہیں جیسے محض مجموعہِ احادیث ہوں۔ میں نے اِن دونوں طریقہ ہائے اظہار سے گریز کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ سیدھے سادھے اور سادہ پیرائے میں حضور ﷺ کی حیاتِ طیّبہ بیان ہو۔

سیرۃُ النبی ﷺ پر لکھی گئی اکثر کتب میں بعض ایسی مشہور ومعروف روایات بھی پائی جاتی ہیں جو حضور ﷺ کی شان وعظمت کے منافی ہیں۔ ممکن ہے اِن روایات کو اپنی کتابوں میں شامل کرنے والوں نے اِن میں کوئی نہ کوئی پہلو ایسا تلاش کر لیا ہو جو اُن کے حساب سے حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کے زُمرے میں آتا ہو لیکن میرے نقطۂ نظر سے اِن روایات کا مجموعی تاثر عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے منافی جاتا ہے، اس لیے میں نے اِن کو کتابِ ہذا میں شامل ہی نہیں کیا اور اگر کسی کو شامل کیا ہے تو اُس پر اپنا استدلال پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

علاوہ ازیں ایسی کتب کی تعداد بھی کم نہیں جن میں تاریخ کو مسخ کر کے خود ساختہ روایات شامل کی گئیں ہیں جو سراسر توہینِ رسالت کے زُمرے میں آتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ توہینِ رسالت پر مبنی کتابیں اور فلمیں تیار کرنے والے ملعونوں نے ایسی ہی کتب سے مواد حاصل کر کے یکجا کیا ہے۔ ایسی ناپاک سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تاریخ کو دُرست کیا جائے اور نبی گرامی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے حقیقی پہلو دُنیا کے سامنے لائے جائیں۔ اِس کے لیے علماء کرام کو چاہیے کہ مِل بیٹھ کر ایسی کتب سے تمام غیر حقیقی اور خود ساختہ مواد خارج کریں اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ، تاریخِ اسلام اور احادیثِ مبارکہ کی ایسی کتب ترتیب دیں جو حقائق پر مبنی ہوں اور ہر سُقم سے پاک ہوں۔ ''بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ'' مجھ جیسے طالب علم کی طرف سے ایسی ہی ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔

سیرتُ النبی ﷺ کے بیان میں ضروری ہے کہ لفظ ''سیرت'' کی وضاحت ہو جائے کیونکہ اِس کے بغیر ''سیرتِ نبی ﷺ'' کی توضیح نہیں کی جا سکتی۔ لفظ ''سِیرۃ'' عربی لغت میں ''سَیْر'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ ''سَیْر'' یعنی حرکت کرنا اور چلنا وغیرہ اور ''سِیرۃ'' یعنی حرکت کرنے اور چلنے کا انداز۔ ''سِیرۃ'' وزن پر ہے ''فِعْلَۃ'' کے اور عربی زبان میں ''فِعْلَۃ'' دلالت کرتا ہے نوعیت پر۔ مثلاً ''جِلْسَہ'' یعنی بیٹھنا اور ''جِلْسَہ'' یعنی بیٹھنے کا انداز، اسی طرح ''سَیْر'' کا مفہوم ہے چلنا اور ''سِیرۃ'' کا مطلب ہے چلنے کا انداز پس سِیرۃُ النبی ﷺ سے مراد نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل ہے نہ کہ عمل اور جن لوگوں نے سیرت کے عنوان سے کتابیں لکھی ہیں اُن میں سے اکثر نے پیغمبر ﷺ کے عمل کو تحریر کیا ہے نہ کہ عمل کے انداز کو، لہٰذا وہ کتابیں ''سَیْر'' کے زمرے میں آئیں گی نہ کہ ''سیرت'' کے۔ یہ ایک گہرا نکتہ ہے۔ میں نے زیرِ نظر کتاب ''بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ'' میں رسول اللہ ﷺ کی ''سَیْر'' اور ''سیرت'' دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

جب ایسی عظیم ہستی کا ذِکر ہو تو ظاہر ہے کہ تاریخ اور احادیث کی مستند کتب ہی سے روایات و واقعات لیے جاتے ہیں، آپ زیادہ سے زیادہ اِن روایات کو سلیس زبان میں بیان کر سکتے ہیں یا بعض اوقات موضوع کے اعتبار سے مختصر کر سکتے ہیں۔ میں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے لیکن کچھ مقامات پر محض اِس وجہ سے

کہ کہیں روایت میں تحریف کا گمان نہ گزرے، میں نے حوالہ کی کتاب سے پورے کا پورا واقعہ بعینہٖ درج کیا ہے۔ بعض واقعات ایک ہی باب میں دو یا دو سے زیادہ بار بیان ہوئے ہیں، اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ مختلف روایات میں اُن کا ذکر بھی الگ انداز میں آیا ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ قاری کو ہر روایت سے آگہی حاصل ہو جائے تا کہ کسی نتیجے پر پہنچنا مشکل نہ رہے۔

کتابِ ہذا میں چند روایات ایسی ہیں جو عیسائی یا یہودی راہبوں اور کفّار وغیرہ کے بیانات پر مبنی ہیں۔ اُنہوں نے اپنی گفتگو میں حضور ﷺ کے لیے ''تم، تمہارا، اُس، اُسکا، اُسے'' وغیرہ جیسے الفاظ یعنی صیغۂ واحد استعمال کیا تھا، روایات میں عموماً الفاظ وفقرات بعینہٖ لکھے جاتے ہیں لیکن میں نے یہاں ایسے تمام الفاظ کو احتراماً ''آپ، آپکا، اُنہیں، اُنکا'' جیسے الفاظ یعنی جمع کے صیغے سے تبدیل کر دیا ہے اور بریکٹ میں ''ﷺ'' کے الفاظ شامل کیے ہیں جو کہ اُن لوگوں کی زبان سے فطری معلوم نہیں ہوتے لیکن ہمارے اہلِ علم ودانش قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری زبان اور قلم سے حضور ﷺ کے لیے واحد کا صیغہ استعمال ہونا اور اسمِ گرامی بغیر صلوات کے ادا ہونا، ہماری فطرت کے خلاف ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ''دینِ واحد'' کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ مختلف مسالک اور فرقے اور پھر اِن فرقوں کے اندر مزید گروہ بن گئے ہیں۔ میں ہمیشہ سے اتحادِ بینُ المسلمین کا خواہاں رہا ہوں اِس لیے میں نے اپنی اِس تالیف میں کسی ایک مسلک کی کتب وروایات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہلِ اسلام کے معروف مسالک کی کتب سے روایات کو یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔

میں علامہ اظہر حسین بہشتی صاحب کا بے حد ممنون ہوں جن کی رہنمائی کتابِ ہذا کی تالیف کے دوران میرا حوصلہ بڑھاتی رہی اور میرے رخشِ قلم کو مہمیز کرتی رہی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور اُن کی صحت وزندگی میں برکت فرمائے۔ آمین۔

سیّد حماد رضا بُخاری
فیصل آباد۔ پاکستان
۰۸ جنوری ۲۰۱۴ء
ای میل: hrbukhari@hotmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ آلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ ○

نُورِ مُحَمَّدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق

اللہ کے حبیب، نبی آخرُالزمان جناب مُحَمَّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عظیم ترین شخصیت ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کو کسی بھی حوالے سے کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ اور بُلند تر ہیں۔ ''اُصولِ کافی'' میں ہے کہ امیرُ المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے کسی چیز کو حضرت مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر پیدا نہیں کیا۔ راوی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردارِ اولادِ آدم تھے؟'' آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تمام مخلوق کے سردار ہیں اور خدا نے حضرت مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر کوئی مخلوق پیدا ہی نہیں کی۔ (اُصولِ شافی ج ۳ ص ۷ ترجمہ اُصولِ کافی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کسی کی مثل ہیں اور نہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل ہوسکتا ہے۔ خالقِ کائنات، خالقِ اکبر اور سب سے عظیم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے محبوب ہیں لہٰذا اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے معیارِ عظمت کے مطابق تخلیق فرمایا ہے۔ ایک عام سی بات ہے کہ جو جیسا ہوگا اُس کا معیار بھی ویسا ہی ہوگا۔ پروردگارِ عالم کیونکہ خود اعلیٰ و اَرفع ہے اس لیے اُس کا معیار بھی اُسی کی طرح اعلیٰ و اَرفع اور ہر خامی سے پاک ہے جس کا عکس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال و کردار میں یوں نظر آتا ہے کہ زباں بے ساختہ پکار اُٹھتی ہے:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ ○ کَشَفَ الدُّجٰا بِجَمَالِہٖ ○
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ ○ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ ○

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کمال سے بامِ عروج پر پہنچے۔ اپنے حُسن و جمال سے اندھیروں کا دامن چاک کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ خوبصورت ترین خصائل کا مجموعہ ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آلِ پاک علیہم السلام پر درود و سلام ہو۔)

کوئی اپنے محبوب کے بغیر کب تک رہ سکتا ہے؟ اگر بس میں ہو تو شاید ایک پل بھی نہیں۔ تو کیا وہ رَبِّ لَمْ یَزَل جو ازل سے ہے اور خالقِ عالم ہے، ساری کائنات کو بنا لینے کے باوجود اپنے محبوب کا انتظار ربیع الاوّل سنہ ایک عامُ الفیل، ۵۷۰ عیسوی تک کرتا رہا؟ نہیں! عقلِ سلیم یہ نہیں مانتی اور نہ ہی یہ حقیقت ہے کیونکہ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو تخلیقِ کائنات سے بھی پہلے خَلق فرمایا تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے نُور سے کائنات کو بنایا۔ توریت سفر اوّل، عجائبُ القصص، سراجُ القلوب اور عرائس ثعلبی وغیرہ میں ہے، ''خداوندِ عالم نے نورِ اقدس محمّدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک جوہرِ سبز کو پیدا کیا پھر اُس پر نگاہِ ہیبت ڈال کر اُسے پانی کر دیا، پھر اُس پانی سے عرش و کرسی، لوح و قلم، زمین و آسمان، شمس و قمر، جنّت و دوزخ، رات و دِن، جملہ ملائکہ اور جنّات نیز

بہت سی چیزیں پیدا کیں''۔ یعنی پہلے اپنے محبوب ﷺ کا نُور خَلق فرمایا اور پھر اُس نُور سے دوسری مخلوق کو پیدا کیا۔ آپ ﷺ کے نُورِ وجود کی تخلیق بروایتے، حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کی تخلیق سے ۹ لاکھ سال پہلے اور بروایتے ۴ یا ۵ لاکھ سال قبل ہوئی تھی۔ (چودہ تارے/ علامہ نجم الحسن کراروی)

آپ ﷺ کا نُورِ اقدس، اصلابِ طاہرہ اور ارحامِ مطہرہ میں قیام کرتا ہُوا جناب عبداللہؓ بن عبدُ المطلبؓ کے صُلب تک پہنچا تو حضرت آمنہؓ بنتِ وَہب کے بطن سے آپ ﷺ کا ظہور و شہود بشکلِ انسانی ہُوا۔ علامہ نجم الحسن کراروی صاحب ''تاریخِ اسلام'' میں بیان کرتے ہیں کہ خالقِ کائنات نے اپنی مخلوقِ اوّل میں اپنے کمال و جمال کو سمو کر ''نُورِ مُحمّدی ﷺ'' کو اپنی پہلی مخلوق کی صورت میں ظاہر فرمایا جو لاجواب اور بے مثل و بے نظیر ہے۔ وہ کمال و جمال میں مظہرِ ذاتِ باری ہے۔ اُس کو مثل و مثال سے پاک رکھا اور دُوئی اور مماثلت سے بچانے کے لیے اُس کے جسم کے قریب سایہ تک کو نہیں آنے دیا۔ اِسی بارے میں خود رسولِ کریم حضرت مُحمّد مصطفیٰ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ'' خدا نے سب سے پہلے میرے نُور کو پیدا کیا۔ یہ نُور چونکہ کمالِ ذاتی کا مظہر تھا اس لیے ٹھیک اُسی طرح جس طرح آفتاب سے شُعاع نکلتی ہے (احادیث میں یہ تعبیر سمجھانے کے لیے کی گئی ہے) اپنے نُورِ ذاتی کی شُعاع سے اُسے خَلق فرمایا، پھر حکم دیا کہ سجدہ میں چلا جا۔ چنانچہ یہ نُور سو سال تک سجدے میں پڑا رہا۔ اِسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا، ''فَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِیْنَ'' یعنی میں سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں۔

علامہ مجلسی ''حیاتُ القلوب'' میں روایت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ کائنات کی تخلیق سے چار لاکھ چوبیس ہزار سال پہلے کا ہے جب کہ علامہ عبدالواحد حنفی ''عجائبُ القصص'' میں بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ تخلیقِ عالم سے نو لاکھ برس قبل کا ہے۔ یہ نُورِ مقدس ہزاروں سال حجابِ قدرت میں رکھا

گیا جہاں یہ خداوندِ ذوالجلال کی تسبیح کرتا رہا۔ ''عرائس المجالس ثعلبی'' اور ''حیاتُ القلوب'' میں علامہ مجلسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ خلاقِ عالم نے نُورِ مُحمَّدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ساری کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اِس نُورِ اَقدس کو زیرِ عرشِ اعظم منتقل کر دیا۔ یہ نُور اس جگہ تہتر ہزار سال عبادتِ خدا کرتا رہا پھر وہاں سے بہشت میں منتقل کیا۔ وہاں ستر ہزار سال محوِ عبادت رہا پھر سدرۃُ المنتہیٰ میں منتقل کر دیا۔ اس جگہ ستر ہزار سال عبادت کرتا رہا پھر آسمانِ ہفتم میں منتقل کیا، وہاں سے آسمانِ ششم پر پہنچایا اور اِسی طرح آسمانِ اوّل پر پہنچا دیا۔ یہ نُورِ مُقدس وہاں اپنے خالق کی عبادت کرتا رہا یہاں تک کہ مَشیّتِ ایزدی حضرت آدم علیہ السلام کی مقتضی ہُوئی اور جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق عمل میں آئی۔ (کشف الانوار، ترجمہ فارسی بحار جلد ۹ ص ۲۲۹)

علماء کا بیان ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے تو اِس مُقدس نُور کو اُن کے صُلب میں رکھا گیا۔ روایت ہے کہ حضرت معاذؓ نے جناب رَسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) خِلقتِ آدم علیہ السلام سے پہلے کہاں مُقیم تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہم سب عرش کے سامنے خدا کی تسبیح و تقدیس اور تحمید و تمجید کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت معاذؓ نے دریافت کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اُس وقت آپ حضرات کی ہیئت کیا اور کیسی تھی؟ فرمایا کہ ہم پہلے اَشْباح کی طرح تھے۔ جب خدا نے ہمیں صورت عطا کرنا چاہی تو ایک نُور کی شکل میں صُلبِ آدم علیہ السلام میں رکھا اور پھر صُلبِ پدر سے رِحمِ مادر میں منتقل کرتا رہا، اس انتقالِ مکانی کے عہد میں ہم تک کسی قسم کی کوئی نجاست نہیں پہنچی۔ (تاریخِ اسلام، چودہ ستارے/ علامہ نجم الحسن کراروی)

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تخلیق میں افضل و اوّل ہیں اِسی طرح مرتبہ نبوّت میں بھی اوّل ہیں۔ پس حدیثِ پاک میں ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) اپنے خمیر میں تھے۔ میسرۃُ الفخر سے مَروی ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب سے مقامِ نبوّت پر فائز ہیں؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں اُس وقت سے صفتِ نبوّت سے موصوف ہوں جبکہ آدم علیہ السلام رُوح وجسم کے درمیان تھے یعنی ابھی اُن کی رُوحِ اقدس کا جسدِ اطہر سے تعلُّق قائم نہیں ہُوا تھا۔

(سیرتِ سید الانبیاء/مصنف امام عبدالرحمن ابن جوزی، مدارج النبوۃ/شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مرقاۃ ج ۱۱ ص ۵۸)

میسرہ سے ہی منقول ہے کہ میں نے بارگاہِ نبوّت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کب سے بنے ہوئے ہیں؟ تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ ربُّ العزت نے زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کا ارادہ فرمایا اور اُن کو سات طبقات کی صورت میں تخلیق کیا اور عرش کو (ان سے قبل) ایجاد فرمایا تو عرش کے پائے پر ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ الْاَنْبِیَآءِ'' (مُحمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں) لکھا اور جنّت کو پیدا فرمایا تو میرا نام جنّت کے دروازوں پر، اُس کے درختوں کے پتّوں اور اہلِ جنّت کے خیموں اور قُبّوں (گنبد، بُرج) پر لکھا، حالانکہ ابھی آدم علیہ السلام کی روح اور جسم کا باہم تعلُّق قائم نہیں ہُوا تھا۔ پس جب اُن کی روح کو جسم میں داخل فرمایا اور زندگی عطا فرمائی تب اُنہوں نے عرشِ معظم کی طرف نگاہ اُٹھائی تو میرے نام کو عرش پر لکھا ہُوا دیکھا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بتایا کہ مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہاری اولاد کے سردار ہیں۔ جب اُن کو شیطان نے دھوکہ دیا تو اُنہوں نے بارگاہِ الٰہی میں توبہ کی اور میرے نام سے ہی شفاعت طلب کی یعنی میرے نام کو وسیلہ بنایا۔ یہی مضمون حضرت ابوہریرہ سے ''ترمذی'' میں اور حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ''طبرانی کبیر'' میں منقول ہے اور بقول ابنِ ربیع اِس کو اہلِ سُنّت کے آئمہ، بُخاری نے ''تاریخ'' میں اور احمد نے ''مُسند'' میں نقل کیا اور حاکم نے اِس کی تصحیح کی ہے۔ نیز ابونعیم نے اِس کو ''دلائل النبوّۃ'' میں حضرت ابوہریرہ سے اِن الفاظ کے ساتھ روایت کیا، ''کُنْتُ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَ

آخِرَھُمْ فِی الْبَعْثِ" یعنی "میں تخلیق میں سب انبیاء سے مُقدّم ہوں اور بِعثت میں سب سے آخری ہوں"۔ قابلِ غور اَمر یہ ہے کہ اِن صحابہؓ کرام نے اپنا سوال اور جناب سرورِ عالم ﷺ کا جواب نقل کیا ہے۔ اگر اُن کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا وجود عالمِ عَناصِر کے ظُہور سے قبل نہیں تھا تو صحابۂ کرام کا سوال عبث اور آنحضرت ﷺ کا جواب غلط (نعوذ باللہ من ذالک) تو لامُحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ صحابۂ کرامؓ نے یہ جان لیا تھا کہ جس ذاتِ اقدس نے عالمِ عَناصِر میں نُمودفرما ہونے کے چالیس سال بعد اعلانِ نبوّت فرمایا، نہ وہ اب نبی بنے ہیں اور نہ ہی چالیس سال قبل وجود میں آئے بلکہ وہ موجود بھی پہلے سے ہیں اور شرفِ نبوّت سے مشرف بھی پہلے سے ہی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے اُن کی تائید وتصدیق فرما کر اپنے اصلی مقام وشان کو واضح فرمایا کہ میں اُس وقت سے موجود ہوں جب ابوالبشر (عَلَیْہِ السَّلَام) کا وجود نہیں تھا اور میں صرف موجود نہیں تھا بلکہ تاجِ نبوّت اور خلعتِ رسالت بھی زیب تن کیے ہوئے تھا۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اگر مُحَمَّد (ﷺ) موجود نہ ہوتے تو میں آدم (عَلَیْہِ السَّلَام) کو پیدا نہ کرتا۔ تحقیق جب میں نے عرش کو پیدا کیا تو وہ میری ہیبت وجلالت سے لرزنے لگ گیا۔ جب میں نے اُس پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا تو اُس کو سکون وقرار آ گیا۔

(سیرتِ سید الانبیاء/مصنف امام عبدالرحمن ابن جوزی، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ / علامہ محمد اشرف سیالوی)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

نُورِ مُحمّدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا اصلابِ طیّبہ سے ارحامِ مطہرہ کی طرف انتقال

نُورِ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت آدم علیہ السلام کی پُشت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ حضرت حوّا کے بطن میں جناب شیث علیہ السلام آئے تو وہ نُور حضرت حوّا کی پیشانی میں جلوہ گر ہُوا اور جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ نُور اُن کی پیشانی سے ظاہر ہونے لگا۔ زرارہ، بحوالہ حضرت امام مُحمّد باقر علیہ السلام کہتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے پنجشنبہ (جمعرات) کے دن وقتِ عصر کے بعد آسمان سے ایک حُور یہ کو بصورتِ انسان بھیجا جس کا نام ''نَزلہ'' (بعض روایات کے مطابق ''محاولہء بیضا'') تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ شیث کا نکاح اِس کے ساتھ کر دو، چنانچہ اُنہوں نے اُس حور یہ کا نکاح شیث علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔ دوسرے دن وقتِ عصر کے بعد ایک اور حُور یہ کو بصورتِ انسان نازل فرمایا جس کا نام 'مُنزّلہ'' تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہُوا کہ اپنے دوسرے صاحبزادے یافث کی شادی اِس کے ساتھ کر دو۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں میں باہمی مناکحت کر دی۔ اِن شادیوں کے بعد حضرت شیث علیہ السلام کے ہاں لڑکا پیدا ہُوا اور یافث کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اِس طرح چچازاد اولادوں کے باہمی رشتہء ازواج سے توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اِسی پاک اور جائز طریقہ سے انبیاء اور مُرسلین بھی پیدا ہوئے۔ (تاریخ اسلام/ علامہ نجم الحسن کراروی)

حضرت شِیث علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت انُوش (آنوش، کتاب رحمۃً لّلعالمین میں یہ نام اس طرح آیا ہے، اِس باب میں بریکٹ میں دیئے گئے باقی نام بھی اِسی کتاب سے لیے گئے ہیں۔ مؤلف) کی ولادت ہوئی تو نُورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جناب انُوش علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا پھر یہ نُورِ مبارک حضرت انُوش سے اُن کے فرزند قینان کی جانب، اُن سے مَہلائیل (محلل ایل/

ملہل ایل) کی طرف، اُن سے بازو (یارو) کی جانب، اُن سے اُخنوخ (حنوک) کی طرف جنہیں ادریس علیہ السلام بھی کہتے ہیں، اُن سے متوشلخ (متوسلح / متوشائح) کے پاس، اُن سے ملک (لامک/ لمک) کی جانب اور اُن سے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف منتقل ہُوا۔ نوح علیہ السلام سے سام (سم)، سام سے اُن کے فرزند اَرفخشد (ارفکشاد/ ارفکسد)، اُن سے اُن کے بیٹے عابر (عیر)، اُن سے قالع (فائج/ فلج)، اُن سے اَرغو (رعو)، اُن سے شارِغ (سروج)، اُن سے تاحور (ناحور/نحور)، اُن سے تارُخ کی طرف اور پھر اُن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب منتقل ہُوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام، اُن سے قیدار، اُن سے ہمیسَع، اُن سے بنت، اُن سے سَحب، اُن سے اَود، اُن سے.... عدنان، اُن سے مَعد، اُن سے نزار، اُن سے مغیر (مضر)، اُن سے الیاس علیہ السلام، اُن سے مُدرِکہ، اُن سے خزیمہ، اُن سے کنانہ، اُن سے قُصَی، اُن سے لُوی، اُن سے غالب، اُن سے فَہر، اُن سے عبدمُناف اور اُن سے جناب ہاشم کی جانب منتقل ہُوا جن کو عَمرُ والعُلا بھی کہا جاتا تھا۔ (کتاب رحمۃً لِّلعالمین کے مؤلف قاضی محمد سلیمان، کنانہ سے حضرت ہاشم تک سلسلہء نسب یوں بیان کرتے ہیں: کنانہ سے نضر، اُن سے مالک، اُن سے فہر، اُن سے غالب، اُن سے لوی، اُن سے کعب، اُن سے مرہ، اُن سے کلاب، اُن سے قصی، اُن سے عبدمناف اور اُن سے ہاشم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نُور حضرت ہاشم سے اِس حد تک ساطع تھا کہ جب وہ مسجد الحرام میں داخل ہوتے تھے تو کعبہ اُن کے نُور سے روشن ہو جاتا تھا۔ آپ کے چہرۂ اقدس سے ہمیشہ ایک روشنی آسمان کی جانب بُلند ہوتی تھی۔ پھر وہ نُورِ محمدیؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کے فرزند حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی طرف پھر حضرت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد بزرگوار جناب عبداللہ علیہ السلام کی طرف، یعنی یکے بعد دیگرے پاک پشتوں اور پاک رِحموں میں منتقل ہوتا رہا تا آنکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔

(تاریخ اسلام/ نجم الحسن کراروی، حیات القلوب جلد ۲، رحمۃً لِّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ حبیبِ کبریا ﷺ میں عرض کیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنّت میں تھے تو حضور والا ﷺ اُس وقت کہاں تھے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اُن کی پشت میں تھا اور جب اُن کو زمین پر اُتارا گیا تو اُس وقت بھی میں اُن کی پشت میں تھا اور جب نوح علیہ السلام طوفان کے ایام میں کشتی پر سوار تھے تو اُس وقت میں اُن کی پشت میں تھا اور کشتی میں سوار تھا۔ جب میرے جدِّ امجد حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ (علیہ السلام) کو آگ میں پھینکا گیا تو میں بھی اُن کی پشت میں ہونے کی وجہ سے آگ میں پھینکا گیا۔ میرے آباؤ اجداد اور اُمہات وجدّات کبھی بھی بُرائی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اللہ ربُ العزت مجھے ہمیشہ پاکیزہ رکھتے ہوئے پاک پشتوں سے پاک رِحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا۔ جب بھی میرا قبیلہ دو شاخوں میں تقسیم ہُوا، میں اُن میں سے بہترین شاخ میں منتقل ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے روزِ میثاق میری ہی نبوّت کا انبیاء کرام سے عہد لیا۔ تورات موسیٰ (علیہ السلام) میں میری بشارت دی اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی انجیل میں میرے نام کی تشہیر فرمائی۔ فرشِ زمین میرے جمالِ رُخِ انور سے روشن رہے گا اور سقفِ آسمان میرے دیدار سے تاباں۔

(سیرتِ سید الانبیاء/مصنف امام عبدالرحمن ابن جوزی، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ / علامہ محمد اشرف سیالوی، کذا فی الشفا للقاضی عیاض وشرح القاری ونسیم الریاض ودلائل ابی نعیم ومسند ابن عمرو العدنی نسیم الریاض جلد ثانی ص ۲۰۲، امالی الشیخ الصدوقؒ)

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں پیدا فرمایا اور جب ان کو مختلف جماعتوں میں بانٹا تو مجھے سب سے بہتر جماعت میں منتقل فرمایا۔ جب ان کو متفرق قبائل وشعوب میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ اور شعبہ میں پیدا فرمایا۔ اور جب قبائل کو مختلف بیوت میں تبدیل کیا تو مجھے سب سے بہتر بیت میں منتقل فرمایا۔ پس میں تمام قریش سے گھرانہ اور ذاتی خصوصیات و کمالات کے لحاظ سے افضل ہوں۔

بلا شُبہ نُورِ نبی اللہ ﷺ کی تخلیق سے لے کر آپ ﷺ کے ظہورِ پُرنُور تک خالقِ کائنات نے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص اہتمام فرمایا۔ ہمیشہ قبیلوں میں سب سے اعلیٰ قبیلے اور اس قبیلے کے افراد میں سے سب سے ارفع اور متقی افراد کے اصلاب و ارحام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نُور کو مقیم فرمایا۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے نقل فرمایا کہ میں نے تمام زمین کے اطراف واکناف اور گوشہ گوشہ کو چھان مارا مگر مجھے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسی کوئی ہستی نظر نہ آسکی اور میں نے سب روئے زمین کو غور سے دیکھا مگر کسی شخص کی اولاد بنی ہاشم جیسی نظر نہ آئی۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نکاح کے ساتھ متولد ہُوا نہ کہ غیر شرعی طریقہ پر اور میرا یہ نسبتی تقدس حضرت آدم (علیہ السلام) سے شروع ہو کر حضرت عبداللہ (علیہ السلام) اور حضرت آمنہ (علیہا السلام) تک برقرار رہا اور میرے نسب میں زمانۂ جاہلیت کی بدکرداریوں اور آوارگیوں کی ذرا بھر ملاوٹ نہیں۔

(مدارج النبوّت/شیخ عبدالحق محدث دہلوی، سیرتِ سیدالانبیاء/مصنف امام عبدالرحمن ابن جوزی، ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اللہ ربُّ العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کو طیّب وطاہر رکھا اور زمانوں اور رواجوں کی ہر طرح کی منفی آمیزش و کثافت ونجاست اور سفاہِ جاہلیت کے رسوم ورواج سے پاک صاف رکھا۔ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ بعض نادان لوگ اپنی بیویوں کو شرفاء کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ اُن کے ذریعہ اولاد پیدا کریں۔ ایسا بھی ہوتا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ عرصہ دراز تک بغیر نکاح کے رہتی اور پھر اُس سے شادی کر لیتی۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں زمانۂ جاہلیت کی کسی برائی سے متولّد نہیں ہُوا بلکہ ہمیشہ اسلامی نکاح سے ہی پیدا ہُوا (یعنی میرے تمام آباؤ اجداد نے ہمیشہ اسلامی نکاح کے ذریعے ہی رشتہء ازدواج قائم کیا)۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد نے کبھی کوئی غیر شرعی کام نہیں کیا اور ربُّ العزت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ پاک اصلاب وارحام میں ہی مقیم فرماتا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے

مجھے ہر قسم کی نجاست و غلاظت اور جاہلیت سے پاک رکھا۔ (مدارج النبوۃ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد اور جدّات، حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین تک، سبھی مسلمان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور کبھی کسی مشرک کے صُلب یا کسی مشرکہ کے رِحم میں قرار نہیں پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا اور ماؤں کے نسب میں کسی قسم کا کوئی شُبہ نہیں ہے اور خاصہ وعامہ کے طریقہ سے متواتر حدیثیں اِس پر دلالت کرتی ہیں بلکہ احادیثِ متواترہ سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد سب کے سب انبیاء، اوصیاء اور حاملانِ دینِ خدا رہے ہیں۔ (حیاتُ القلوب)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبۡدِكَ
وَرَسُوۡلِكَ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ وَعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
صَلٰوۃً تَکُوۡنُ لَكَ رِضًی وَّلَہٗ جَزَآءً وَّلِحَقِّہٖ اَدَآءً وَّاَعۡطِہِ الۡوَسِیۡلَۃَ وَالۡفَضِیۡلَۃَ وَ
الۡمَقَامَ الۡمَحۡمُوۡدَ الَّذِیۡ وَعَدۡتَّہٗ وَاجۡزِہٖ عَنَّا مَا ھُوَ اَھۡلُہٗ وَاجۡزِہٖ اَفۡضَلَ
مَا جَازَیۡتَ نَبِیًّا عَنۡ قَوۡمِہٖ
وَرَسُوۡلًا عَنۡ اُمَّتِہٖ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیۡعِ اِخۡوَانِہٖ
مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصّٰلِحِیۡنَ یَآ اَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ ○

نسبِ گرامی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابو القاسم مُحَمَّد ﷺ بن عبدُ اللہ بن عبدُ المُطلب شَیْبہ بن ہاشم عَمْرو بن عَبدِ مُناف مغیرہ بن قُصی زید بن کِلاب بن مُرۃ بن کَعب بن لُوی بن غالب بن فِہر قریش بن مالِک بن نَضر قیس بن کنانہ بن خُزیمہ بن مُدرکہ عامر بن الیاس بن مُضر بن نزار بن مَعد بن عَدنان.....

روایات کے مطابق جناب عدنان تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبِ گرامی میں مکمل اتفاق ہے جبکہ اِسکے بعد اختلاف ہے تاہم اِس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عدنان کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرا نسب عدنان تک پہنچے تو ٹھہر جاؤ۔(کشف الغمہ ج ا ص ۱۵) لہٰذا فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل کرتے ہوئے ہم یہیں ٹھہرتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کا نام آمنہ علیہا السلام تھا جو قبیلہ بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرۃ بن کلاب کی صاحبزادی تھیں۔(الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / علامہ مرتضیٰ جعفر عاملی)

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اُوپر سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے:

حضرت اسماعیل علیہ السلام (عمر ۱۳۷ سال) بن حضرت ابراہیم علیہ السلام (عمر ۱۷۵ سال) بن تارخ (عمر ۲۰۵ سال) بن ناحور (عمر ۱۵۹ سال) بن سروج (عمر ۲۳۲ سال) بن رعو (عمر ۲۳۹ سال) بن فالج (عمر ۲۳۹ سال) بن عابر (عمر ۴۶۰ سال) بن ارفکشاد (عمر ۴۳۸ سال) بن سام (عمر ۶۰۲ سال) بن نوح علیہ السلام (عمر ۹۵۰ سال) بن لامک (عمر ۷۷۷ سال) بن متوشالح (عمر ۹۶۹ سال) بن اخنوخ ادریس علیہ السلام (عمر ۳۶۵ سال) بن یارو (عمر ۹۶۲ سال) بن ملہل ایل (عمر ۸۹۵ سال) بن قینان (عمر ۹۱۰ سال) بن آنوش (عمر ۹۰۵ سال) بن شیث علیہ السلام (عمر ۹۱۲ سال) بن آدم علیہ السلام (عمر ۹۳۰ سال)۔(کتاب: رحمۃ للعالمین/ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاضی محمد سلیمان)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد

حضرت ابراہیم علیہ السلام

بروایتِ روضۃُ الصفا، طوفانِ نوح سے ۱۰۸۱ سال بعد اور عہدِ حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام سے عرصہ دراز کے بعد، حضرت ابراہیم علیہ السلام، بابل یا کوفہ کے علاقہ ''کوثا'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ''تارُخ'' اور والدہ کا نام بروایتِ کشف الغمہ ''تونا'' تھا۔ حافظ ابنِ عساکر نے اپنی کتاب ''تاریخ'' اور اسحٰق بن بشیر الکاہلی صاحب نے ''المبتدا'' کے حوالے سے آپ کی والدہ کا نام ''اُمیلہ'' بتایا ہے لیکن کلبی نے آپ کی والدہ کا نام بونا بنت کربنا بن کرثی لکھا ہے اور اُنہیں بنی ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کے خاندان سے بتایا ہے۔ (تاریخ ابن کثیر)

بعض لوگ آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد سمجھتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ خیال قطعی غلط ہے۔ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور بت ساز و بت پرست تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عرصہ تک اُس کے ساتھ رہے تھے شاید یہی وجہ ہو کہ اُسے آپ کا باپ سمجھ لیا گیا۔

آپ کا لقب خلیل اللہ تھا اور آپ اولوالعزم پیغمبر تھے۔ آپ صاحبِ شریعت تھے اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کا مقام یہ تھا کہ خاتمُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی شریعت کے باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ آپ کی ولادت خدائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے بادشاہ نمرود کے دَور میں ہوئی تھی۔ یہ وہی زمانہ تھا جب نمرود نے خواب میں ایک ایسا ستارہ دیکھا جس کی ضیاء سے چاند اور سورج کی روشنی نابود ہو گئی تھی۔ اُس کے نجومیوں اور کاہنوں نے اُس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اُس کی مملکت میں عنقریب ایک ایسا بچّہ پیدا ہو گا جس کی شان و عظمت سے اُس کی سلطنت اور خدائی ختم ہو جائے گی۔ وہ بچّہ

نئے دِین اور شریعت کا آغاز کرے گا، بتوں کو توڑے گا اور اُس کی سلطنت کو مٹا دے گا۔ نمرود نے اُس بچّے کی ممکنہ پیدائش کو روکنے کے لیے تمام تر غیر اخلاقی، غیر انسانی اور ظالمانہ طریقے اختیار کر ڈالے لیکن مشیّتِ الٰہی کے آگے بے بس ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اُس کی نام نہاد خدائی کا بُت پاش پاش کرنے دُنیا میں تشریف لے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بابل سے حران کی طرف پہلی ہجرت کے موقع پر بمقامِ حران حضرت سارہؓ سے عقد فرمایا۔ اُس وقت آپ کی عمر ۷۵ سال اور حضرت سارہؓ کی ۳۷ سال تھی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سارہؓ ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ آپ حران سے کنعان کی طرف عازمِ سفر ہوئے اور پھر کنعان سے مصر کی جانب ہجرت کی۔ مصر کا بادشاہ ایک فرعون تھا، وہ حضرت سارہؓ کا حُسن و جمال دیکھ کر بدنیّت ہو گیا۔ اُس نے دست درازی کی کوشش کی مگر قادرِ مطلق نے اُسے بی بی پر قادر نہ ہونے دیا اور اُس کا بڑھتا ہُوا گستاخ ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ وہ گھبرا گیا اور معافی کے لیے منت سماجت کرنے لگا۔ جناب سارہؓ نے اُسے معاف کر دیا اور دُعا کی تو اُس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ ہاتھ ٹھیک ہوتے ہی وہ پھر بدنیّت ہو گیا۔ خدا کے حکم سے اُس کا ہاتھ دوبارہ مفلوج ہو گیا۔ وہ پھر گڑگڑانے لگا، آپ نے اُسے معافی دے دی۔ ایسا تین بار ہُوا۔ آخر کار اُس نے جانا کہ یہ خاتون کوئی عام عورت نہیں ہے بلکہ اِس پر قدرت کا خاص کرم ہے تو اُس نے دِل سے توبہ کی اور سچائی کے ساتھ معافی کا خواستگار ہُوا۔ بی بی سارہؓ نے اُسے معاف کر دیا۔ اُس نے ایک کنیز جس کا نام ہاجرہؓ تھا حضرت سارہؓ کی خدمت میں بطورِ نذرانہ پیش کی۔ بحوالہ توریت مرقوم ہے کہ حضرت ہاجرہؓ کنیز نہیں بلکہ فرعون کی بیٹی تھیں۔

حضرت سارہؓ کی گود خالی تھی اور اولاد کا کوئی امکان بھی نہیں تھا اس لیے اُنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی محرومی کو بھی محسوس کیا اور حضرت ہاجرہؓ کو اُنہیں ہبہ کرتے ہوتے عقد کی پیش کش کر دی

کہ شاید اللہ تعالیٰ اولاد سے نواز دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کی پیش کش قبول کر لی۔ ۸۶ سال کی عمر میں آپ کے ہاں حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ مؤرّخین نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ہاجرہ ماں بنیں تو حضرت سارہ برہم ہوگئیں اور اُنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ہاجرہؓ کو کہیں دُور بھجوا دیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بحکمِ الٰہی مکّہ مکرّمہ میں چھوڑ آئے۔ اسماعیل علیہ السلام پانچ سال کے تھے کہ اللہ کی قدرت سے حضرت سارہؓ کے ہاں اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہوگئی۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حج کے لیے روانہ ہوئے، مشعر الحرام پہنچے تو رات ہوگئی۔ آپ وہیں سو رہے اور خواب دیکھا کہ اپنے فرزند اسماعیل (علیہ السلام) کو (راہِ خدا میں) ذبح کر رہے ہیں۔ دراصل یہ خواب نہیں بلکہ اللہ کا حکم تھا پس آپ نے حضرت ہاجرہؓ سے کہا کہ اسماعیل (علیہ السلام) کو بنا سنوار دو میں ایک دوست کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ اُنہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تیار کر دیا۔ (ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ سے ممکن ہے کہ بعض ناپختہ ذہنوں میں یہ اشتباہ پیدا ہو کہ نبی نے اپنی بیوی سے جھوٹ بولا۔ جا رہے ہیں بیٹے کو ذبح کرنے اور کہہ رہے ہیں کہ میں کسی دوست کی ملاقات کو جا رہا ہوں۔ تو واضح رہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اور کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ ابراہیم علیہ السلام فصاحت و بلاغت میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے چنانچہ اپنے کلام میں ''دوست'' کا لفظ ذو معنی انداز میں استعمال کر کے بہت کچھ کہہ دیا۔ یہاں دوست سے مراد اللہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ

(اور اللہ پرہیزگاروں کا دوست اور مددگار ہے۔ سورۃ الجاثیۃ آیت ۱۹)

پس آپ ایک چھری اور رسّی لے کر روانہ ہوگئے۔ منیٰ میں پہنچ کر اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ بیٹا! میں

خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو (اللہ کی راہ میں) ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ ابّا جان جو آپ کو حکم ہُوا ہے وہی کیجیے، خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ پس قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ○

(جب وہ لڑکا آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو آپ نے فرمایا (اے بیٹا!) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں تم غور کر کے بتاؤ کہ تمہاری رائے کیا ہے؟ کہا (اے ابا جان!) آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ بجالایئے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ سورۃ الصافات آیت ۱۰۲)

بروایتِ یعقوبی و حیات القلوب مجلسی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آنکھوں پر پٹی باندھی، اُنہیں زمین پر لِٹایا اور گردن پر چھری چلائی لیکن وہ پلٹ گئی۔ پھر سیدھی کی، پھر چلائی، وہ پھر پلٹ گئی۔ ایسا تین بار ہوا۔ آخر کار آپ نے چھری کو مضبوطی سے پکڑا اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر پوری طاقت سے دبا کر چلائی تو گلا کٹ گیا۔ خوش ہوئے کہ قربانی کامیاب ہوگئی۔ خدا نے بھی فرمادیا، ''قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا'' (تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ سورۃ الصافات آیت ۱۰۵)، لیکن جب اپنی آنکھوں سے پٹی کھولی تو دیکھا کہ ایک ذبح شدہ دُنبہ پڑا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام الگ کھڑے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام غمگین ہو گئے۔ ارشادِ باری ہوا، ''اے ابراہیم! پریشان نہ ہو، وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (ہم نے تمہارے فدیہ کو ذبحِ عظیم سے بدل دیا ہے''۔ سورۃ الصافات آیت ۱۰۷)

فضل بن شاذان کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے دُنبہ بھیجا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک قلق سا محسوس ہوا اور خواہش کی کہ کاش اِس دُنبہ کی جگہ وہ اپنے جگر گوشہ کو (خدا کی راہ میں) ذبح کرتے تو اُنہیں بہت بڑا درجہ نصیب ہوتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی فرمائی، ''ابراہیم! تمہیں میری تمام مخلوق میں سے زیادہ محبت کس سے ہے؟'' ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی، ''پروردگار! تیری تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے''۔ پھر ارشادِ باری تعالیٰ ہُوا، ''یہ بتاؤ تمہیں اپنے آپ سے زیادہ محبت ہے یا محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے؟'' عرض کیا، ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''یہ بتاؤ تمہیں اُن کے بیٹے سے زیادہ محبت ہے یا اپنے بیٹے سے؟'' عرض کی، ''الٰہی! مجھے اُن کے بیٹے سے زیادہ محبت ہے''۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا، ''یہ بتاؤ کہ اُن کا بیٹا دشمنوں کے ہاتھوں ظلم سے شہید ہو جائے تو تمہارے دِل کو زیادہ تکلیف ہوگی یا تمہارا بیٹا میری اطاعت میں تمہارے ہاتھ سے ذبح ہو تو؟'' عرض کیا، ''پروردگار! اُن کے بیٹے کا دشمنوں کے ہاتھوں ظلم سے شہید ہو جانا میرے دِل کے لیے زیادہ تکلیف دِہ ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''ابراہیم! ایک گروہ جو اپنے آپ کو اُمتِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سے سمجھتا ہو گا، وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد اُن کے فرزند حسین (علیہ السلام) کو ظلم وستم سے اِس دُنبے کی طرح ذبح کرے گا اور اِس وجہ سے وہ میرے غضب کے حقدار بن جائیں گے''۔ یہ سُن کر ابراہیم علیہ السلام کے دِل میں درد کی ایک لہر اُٹھی اور وہ رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''ابراہیم! میں نے تمہیں اسماعیل (علیہ السلام) کی بجائے حسین (علیہ السلام) کا غم دیا ہے، اور اگر تم اپنے فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے تو بھی تمہیں اتنا قلق نہ ہوتا جتنا کہ حسین (علیہ السلام) کی شہادت کا سُن کر ہوا ہے، پس میں نے تمہیں اہلِ مصائب کے بُلند ترین درجات کا مستحق ٹھہرایا ہے اور اس کا فدیہ ذبحِ عظیم سے دیا ہے۔'' (عیون اخبار الرضا/شیخ صدوقؒ)

کچھ عرصہ قبل ٹی وی پر ایک خبر دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کے مطابق ایک شخص نے اپنے بچّے کو ذبح کر ڈالا اور دعویٰ کیا کہ مجھے خواب میں اشارہ مِلا تھا کہ اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کرو لہٰذا میں نے سُنّتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر دیا۔ ایسے خطرناک اور غیر شرعی افعال کی خبریں گاہے بگاہے سامنے آتی ہی رہتی ہیں لہٰذا عرض ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسا کوئی خواب نظر آتا ہے تو وہ قطعاً کوئی خدائی اشارہ نہیں ہوسکتا۔ ایسا خواب شیطانی وسوسہ ہوسکتا ہے یا کسی ذہنی مرض کا نتیجہ، اس لیے یا تو اُسے شیطانی وسوسہ سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دینا چاہئے اور قرآنی آیاتِ مبارکہ کے اوراد و وظائف اور صلوات وسلام سے مدد لینی چاہیے یا کسی ذہنی مرض کا نتیجہ سمجھتے ہوئے مستند ماہرِ نفسیات سے رجوع کرنا چاہیے۔ یاد رکھیں کہ انبیاء کرام کے خواب کو بھی علماء نے وحیِ الٰہی قرار دیا ہے جیسا کہ مدارجُ النبوَّۃ جلد ا صفحہ ۲۰۹ میں بیان ہے، ''اِس پر سب متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی رویا یعنی خواب وحی ہے جس میں کسی شک وشبہ کو دخل نہیں، خواب میں اُن کے دِل بیدار اور اُن کی آنکھیں پوشیدہ (بند) ہوتی ہیں''۔ پس انبیاء کرام کا خواب وحیِ الٰہی یا قدرت کا اشارہ ہوتا ہے لیکن ایک عام انسان کا خواب وحیِ الٰہی یا قدرتی اشارہ نہیں ہوسکتا اور اس طرح کے خواب پر عمل کرنا شیطانی فعل اور گناہ کبیرہ ہے لہٰذا ایسے فعل سے اجتناب کرنا ضروری ہے، یہ قتل ہے جبکہ سُنّتِ ابراہیمی پر عمل کا طریقہ دِینِ اسلام نے عیدالاضحیٰ پر اللہ کی راہ میں جانور کی قربانی کو قرار دیا ہے۔ (مؤلف)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کے سویں سال میں حضرت ہاجرہؓ کا انتقال ہوگیا۔ آپ مکّہ تشریف لائے اور ہجرتِ نبوی سے بروایتے ۲۷۹۳ سال قبل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ (تاریخ اسلام/نجم الحسن کراروی ص ۲۳۲)

نمرود کے خواب کے عین مطابق، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے اُس کی خود ساختہ خدائی کے

بُت پاش پاش ہوئے اور دِینِ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام دُنیا کے طول وعرض میں پھیل گیا۔

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام پر اُترنے والے آسمانی صحیفوں کی تعداد بروایتے دس ہے جو ہدایتی امثال پر مشتمل تھے۔ امام ثعلبی نے ''عرائس المجالس'' میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا کہ خدا نے کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں؟ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے سو صحیفے اور چار کتب نازل فرمائی ہیں، آدم عَلَیْہِ السَّلَام پر دس صحیفے، شیث عَلَیْہِ السَّلَام پر پچاس صحیفے، ادریس عَلَیْہِ السَّلَام پر تیس صحیفے، ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام پر دس صحیفے،، داؤد عَلَیْہِ السَّلَام پر زبور، موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام پر توریت، عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام پر انجیل اور مجھ پر قرآن نازل فرمایا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اُن میں ہدایتی امثال تھے۔

''روضۃ الصفا'' میں ہے کہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کو مکّہ معظّمہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور اسحاق عَلَیْہِ السَّلَام کو شام میں اپنا ولی عہد اور خلیفہ بنایا۔ آپ کا انتقال ۱۷۸ سال کی عمر میں ہوا۔ آپ مقامِ قدس خلیل الرحمٰن میں مدفون ہیں۔

(تاریخ ابن کثیر، چودہ ستارے، تاریخ اسلام/نجم الحسن کرراروی۔ کشف الغمہ، عرائس ثعلبی، اسوۃ الرسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم، تاریخ ابن خلدون)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جانشین تھے۔ آپ کی پرورش مکّہ میں ہوئی اور یہیں پر قبیلہ جرہم کے ایک معزز گھرانے میں شادی ہوئی۔ علامہ مجلسیؒ کا بیان ہے کہ وہ بیوی ''عمالقہ'' میں سے تھی اور اُس کا نام ''اسامہ'' تھا۔ ''حیاتُ القلوب'' کی ایک روایت کے مطابق وہ بیوی قبیلہ جرہم میں سے تھی اور اس کا نام ''عمادہ'' تھا جسے بعد میں طلاق دے دی گئی تھی۔ اس کے بعد آپ نے ''حیفا بنت مضاض'' سے شادی کر لی اور اُنہیں کے ساتھ ہی ایامِ حیات گذارے۔ ''حیاتُ القلوب'' میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اِن زوجہ کا نام سیّدہ بنت حارث بن مضاض مرقوم ہے۔ یعقوبی نے ان کا نام ''الحنفاء بنت الحارث ابنِ مضاض الجرہمی'' لکھا ہے۔ بروائتِ عرائس ثعلبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اِن زوجہ سیّدہ بنت مضاض سے بارہ بیٹے ہوئے جن میں سے قیدار اور ثابت کے ذریعہ سے عرب کی آبادی بڑھی اور اُن کی نسل خوب پھیلی۔ ''روضۃ الصفا'' میں ہے کہ یہ دونوں بھائی حرم ہی میں مقیم رہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے اور دوسری شادی کرنے کا واقعہ ''طبری'' اور ''الیعقوبی'' میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اکثر حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لیے اُن کے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تشریف آوری ہوئی تو حضرت ہاجرہؑ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو چکے تھے اور اُن کی شادی بھی ہوگئی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام اُن کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک دی تو اسماعیل علیہ السلام کی بیوی (اسامہ/عمادہ) باہر آئی۔ آپ نے پوچھا کہ اسماعیل (علیہ السلام) کہاں ہیں اور تُو کون ہے؟ اُس نے جواب

دیا کہ وہ شکار کو گئے ہیں اور میں اُن کی بیوی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ اُس نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ آپ کے ساتھ خوش دِلی سے پیش آئی نہ کھانا پانی پیش کیا اور نہ ہی کہا کہ سواری سے اُتر کر تشریف رکھیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں واپس جا رہا ہوں جب اسماعیل (علیہ السلام) آئیں تو اُن سے کہنا کہ اپنے گھر کی دہلیز بدل دو یہ مناسب نہیں ہے۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے۔ شام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار سے واپس آئے تو پوچھا کہ کیا کوئی آیا تھا؟ اُس نے کہا کہ ایک بزرگ آئے تھے، وہ آپ کے لیے یہ پیغام دے گئے ہیں کہ اپنے گھر کی دہلیز بدل دو یہ مناسب نہیں ہے۔ یہ سُن کر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ وہ تیرے لیے طلاق کا حکم دے گئے ہیں، اُن کا حکم اٹل ہے اس لیے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔

اس کے بعد اسماعیل علیہ السلام نے ''حیفا بنت مضاض'' سے شادی کر لی یہاں تک کہ ایک سال گذر گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے۔ اتفاقاً جناب اسماعیل علیہ السلام اِس دفعہ بھی شکار کو گئے ہوئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام جونہی اُن کے گھر کے قریب پہنچے تو حیفا بنت مضاض استقبال کے لیے دوڑ پڑیں، اپنا تعارف کرایا اور درخواست کی کہ سواری سے اُتریں تا کہ میں سر دھو دوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں سواری سے نہیں اُتروں گا۔ بروایتِ یعقوبی اُنہوں نے کہا کہ اچھا پھر سر جھکا دیجیے کہ میں بوسہ دے لوں اور بروایتِ طبری و روضۃ الصفاء اُنہوں نے کہا کہ آپ کا سر مبارک بہت گرد آلود ہے مجھے موقع دیجیے کہ میں اِسے دھوؤں۔ حضرت نے ایک پتھر پر پاؤں رکھ کر نصف سر ایک طرف سے اور نصف دوسری طرف سے دھلوالیا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ اُنہوں نے فوراً خرما، گوشت اور دُودھ حاضر کیا۔ آپ نے اُسے دُعا دی۔ ''طبری'' میں ہے کہ اِس واقعہ سے متعلق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر اسماعیل (علیہ السلام) کی بیوی جَو اور گندم بھی پیش کر سکتی تو اسی طرح جس طرح عرب میں خرما، گوشت اور دُودھ کی فراوانی ہے، گندم

وغیرہ کی بھی بہتات ہوتی۔ الغرض حضرت حیفاؓ نے اُن کی خوب خاطر و مدارات اور آؤ بھگت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے جانے لگے تو فرمایا کہ جب اسماعیل (علیہ السلام) واپس آئیں تو اُن سے کہنا کہ اپنے گھر کی موجودہ دہلیز کو برقرار رکھیں اور اِسے ہٹائیں نہیں کیونکہ یہ بہت مناسب اور بہترین ہے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پہنچے تو بیوی نے سارا واقعہ بیان کیا اور بتایا کہ وہ آپ کے لیے فرما گئے ہیں کہ اپنے گھر کی موجودہ دہلیز کو برقرار رکھیں اور اِسے ہٹائیں نہیں کیونکہ یہ بہت مناسب اور بہترین ہے اور یہ وہ پتھر ہے جس پر اُنھوں نے قدم رکھے تھے۔ یہ سنتے ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام پدرِ بزرگوار کے زیرِ قدم آئے ہوئے پتھر پر گر پڑے اور اُسے چومنے لگے پھر اپنی بیوی سے کہا کہ تم خوش نصیب ہو کہ حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) نے مجھے تمہاری قدر و منزلت کی ہدایت فرمائی ہے۔ ''روضۃ الصفا'' میں ہے کہ اِس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اِس بیوی ''حیفا بنت مضاض'' کی موجودگی میں کوئی اور شادی نہیں کی۔

(تاریخِ اسلام، چودہ ستارے/انجم الحسن کراروی)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے اور بعد ازاں دوسری بیوی کی قدر و منزلت کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کو عموماً اِس حوالے سے دیکھا جاتا ہے کہ پہلی بیوی نے ابراہیم علیہ السلام کا وہ احترام اور خاطر و تواضع نہیں کی جس کے وہ مستحق تھے لہٰذا آپ نے اُس کو ناپسند فرمایا اور بیٹے کو حکم دیا کہ اسے طلاق دے دو۔ جب کہ دوسری بیوی نے اِس کے برعکس خوب خیر مقدم کیا اس لیے آپ نے اُسے پسند فرمایا اور بیٹے کو نصیحت کی کہ اس کی قدر کرو۔ یعنی ایک کو چھوڑنے اور دوسری کو رکھنے کا دار و مدار ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیے جانے والے ذاتی برتاؤ پر تھا۔ بے شک اللہ ہی بہتر جانتا ہے یا اِس کی وجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوگی لیکن اِس کے بارے میں میری عقلِ ناقص میں جو بات آتی ہے وہ کچھ اور ہے۔ ہم گذشتہ صفحات پر بڑی تفصیل

سے بیان کر چکے ہیں کہ رسولِ گرامی ﷺ کے نورِ اقدس کو ہمیشہ، ہر دور میں، قبیلوں میں سے بہترین قبیلوں اور گھرانوں میں سے بہترین گھرانوں کے پاک اصلاب وارحام میں منتقل کیا جاتا رہا۔یعنی اصلاب بھی منتخب شدہ تھے اور ارحام بھی چنیدہ، عظمت وبزرگی اور طہارت و پاکیزگی کے اعلیٰ ترین معیار کے عین مطابق۔نورِ مصطفیٰ ﷺ کو صلبِ اسماعیل علیہ السلام سے آگے منتقل ہونا تھا اور اِس کے لیے ایسی بہترین اور کامل خاتون کی ضرورت تھی جو واقعی اِس عظیم الشان نُور کو اپنی آغوش میں لینے کی اہل ہو۔عین ممکن ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی پہلی بیوی اسامہ یا عمادہ میں اُس کمال اور صلاحیت کا فقدان نظر آیا ہو جو اِس نورِ محمّدی (ﷺ) کو تحویل میں لینے کے لیے ضروری تھا، اس لیے آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اُسے چھوڑ دینے کا حکم دیا ہو اور پھر وہ کمال وخوبی اور تدبر و بزرگی دوسری بیوی میں نظر آئی تو آپ نے اُس کو رکھنے اور اُس کی قدر و منزلت کی نصیحت کی ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کے صدقے مکّہ کے بے آب وگیاہ علاقے میں آبِ زم زم کا چشمہ پھوٹا تھا جو آج بھی جاری ہے۔آپ ہی کے ذریعے مکّہ آباد ہُوا اور حجِ کعبہ کا آغاز ہُوا۔صفا اور مروہ کے دوران سعی کر کے آپ کی والدہ محترمہ کی سُنّت کی ادائیگی ہر حاجی پر واجب ہے۔اِسی طرح دس ذی الحج کو عیدِ قربان کی سُنّت آپ کے والد بزرگوار کی جانب سے پیش کی جانے والی آپ کی جان کی قربانی کی وجہ سے ہے اور اسی لیے اس قربانی کو سُنّتِ ابراہیمی کہتے ہیں۔آپ کا انتقال ۱۳۷ سال کی عمر میں ہُوا۔آپ حجرِ اسماعیل (مکّہ) میں مدفون ہیں۔آپ کی وفات کے بعد خانہ کعبہ کی نگرانی آپ کے بیٹے کرتے رہے۔جن میں نمایاں مقام حضرت قیدار کا ہے۔

حضرت فہر قریش

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تیسری صدی عیسوی میں حضرت فہر کی ولادت ہوئی۔آپ بے حد صاحبِ کمال تھے۔علامہ طریحی کے بقول اِنہی فہر یا اِن کے دادا نضر بن کنانہ کو قریش کہا جاتا ہے کیونکہ اُنہوں نے بحرِ ہند سے ایک بہت بڑی مچھلی شکار کی تھی جس کو ''قریش'' کہا جاتا تھا، وہ مچھلی مکّہ میں لاکر رکھ دی گئی تھی اور لوگ دُور دُور سے اُس کو دیکھنے آتے تھے۔

''فہر'' عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی ''پتھر'' کے ہیں اور ''قریش'' قدیم عربی میں ''سوداگر'' کو کہتے ہیں۔''مدارج النبوّت'' کے مطابق فہر کے بارے میں اہلِ سِیَر وتواریخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قریش اُن کا لقب ہے اور قریش کی نسبت اُنہی کی جانب کی جاتی ہے۔پس جو فہر کی نسل سے نہیں ہوتا اُسے قریشی نہیں کنانی (کنانہ سے کنانی) کہتے ہیں۔اکثر اہلِ سِیَر یہ بھی کہتے ہیں کہ قریش، نضر بن کنانہ کا لقب ہے اور ان کی اولاد کو قریشی یا قرشی کہتے ہیں۔قریش نام کی متعدَد وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ایک مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش ایک بہت بڑا آبی جانور ہے جو مچھلیوں کو کھاتا ہے جب کہ کوئی دوسرا آبی جانور اُسے نہیں کھا سکتا اور یہ تمام دریائی جانوروں پر غالب و برتر رہتا ہے۔صراح میں اِس کی شہادت میں بعض شعراءِ متقدمین کے اشعار نقل کیے گئے ہیں لیکن کچھ یہ کہتے ہیں کہ متفرق اور منتشر ہو جانے کے بعد حرم پاک میں وہ لوگ دوبارہ مجتمع ہوئے تھے اور ''تقرش'' کے معنی جمع ہونے اور اکٹھے ہونے کے ہیں۔ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اہلِ تجارت اور صاحبِ ہُنر تھے اور قرش کے معنی کسب و ہُنر اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔چند یہ کہتے ہیں کہ جب لوگ حج کے لیے آتے تو یہ لوگ فقراء و مساکین کی تفتیش یعنی احوال پُرسی کرتے اور اُن کی امداد کرتے تھے۔یہاں ''تقریش'' کے معنی ''تفتیش'' لیے گئے ہیں۔صراح میں ''تقریش'' کے معنی غالب آنے اور ''اقراش'' کے معنی کسی کے لیے سعی و کوشش کرنے کے ہیں۔(چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی، مدارج النبوّت/شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

حضرت قُصّی

حضرت فہر کی نسل سے حضرت قُصّی کی ولادت پانچویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام کلاب اور ماں کا نام فاطمہ بنت سعد تھا۔ آپ کا پورا نام قُصّی زید ابو مغیرہ تھا۔ آپ بہت بُلند کردار، بُلند حوصلہ اور عظیم الشان بزرگ تھے اور قبیلہ میں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کو خانہ کعبہ کی تولیت کا شرف بھی حاصل تھا۔ آپ نے بیتُ اللہ کی مرمت کروائی، مکّہ میں عجول نامی کنواں کھدوایا، دارالندوہ بنوایا اور ہمیشہ سماجی خدمات انجام دیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ ہی کو قریش کہا جاتا تھا مگر اکثر علماء اِس سے اتفاق نہیں کرتے۔ آپ کا عقد عاتکہ بنت خالخ بن لیک سے ہوا۔ ایک بیوی کا نام حبی تھا جو بنو خزاعہ کے سردار خلیل خزاعی کی بیٹی تھیں۔ آپ کا انتقال ۴۸۰ء میں ہُوا۔ آپ کا مدفن حجون میں ہے۔ (چودہ ستارے/انجم الحسن کراروی)

حضرت عبدِ مناف

آپ کا نام مغیرہ ابو عبدِ شمس تھا۔ آپکی والدہ کا نام حبی بنت خلیل تھا۔ آپ حضرت قُصّی کے چھ بیٹوں میں سب سے چھوٹے اور لائق تھے یہی وجہ تھی کہ آپ قریش کے مسلّمُ الثبوت سردار بن گئے۔ آپ نے کبھی بُت پرستی نہیں کی۔ آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح بے حد فضائل و مناقب کے حامل تھے اور ہمیشہ صلہ رحمی اور تقویٰ کی تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ کی شادی عاتکہ بنت مرۃ السلمیہ بن حلال سے ہوئی جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے ''قمر'' کے لقب سے مشہور تھیں۔ حضرت عبد مناف نے ملک شام میں غزہ کے مقام پر انتقال فرمایا۔ (چودہ ستارے/انجم الحسن کراروی)

حضرت ہاشم

آپ کا نام عَمرَوْ اَبُو نفلہ تھا۔آپ کے والد کا نام حضرت عبدِ مناف اور والدہ کا نام عاتکہ بنت مرۃ السلمیہ تھا۔آپ اور آپ کا جڑواں بھائی عبدُالشّمس اس طرح پیدا ہوئے کہ دونوں کے جسم باہم جُڑے ہوئے تھے۔ بروایتے دونوں بھائیوں کی پشتیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں جنہیں تلوار کے ذریعے الگ کیا گیا۔

بروایتِ طبری، حضرت ہاشم اور عبدُ الشّمس جڑواں پیدا ہوئے تھے اور جو پہلے پیدا ہوا تھا اُس کی ایک انگلی دوسرے کی پیشانی سے جُڑی ہوئی تھی اس لیے اُسے کاٹ کر دونوں بھائیوں کو الگ کیا گیا۔(تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱)

علامہ نجم الحسن کراروی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبدُالشّمس کی پیشانی سے چپکا ہُوا تھا جسے تلوار کے ذریعہ سے الگ کیا گیا۔اُس دور کے دانشوروں نے اِسے دونوں بھائیوں کے درمیان باہمی خون ریزی سے تعبیر کیا جو بعد ازاں سچ ثابت ہُوا۔دونوں کے خاندانوں کے درمیان ہمیشہ خون ریزی ہوتی رہی جس کا اختتام ۱۳۲ ہجری میں حضرت ہاشم کی اولاد بنو عباس اور عبدُالشّمس کی اولاد بنو اُمیّہ کے درمیان ایسی جنگ پر ہُوا جس نے بنو اُمیّہ کے اقبال کا چراغ بالآخر بجھا دیا۔اہلِ علم جانتے ہیں کہ واقعہ کربلا، اس سے پہلے اور بعد میں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈھائے جانے والے مظالم بھی بنو اُمیّہ کی بنو ہاشم کے ساتھ ازلی عداوت ہی کی وجہ سے تھے۔

حضرت ہاشم بہت دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت رحم دِل اور سخی بھی تھے۔روایت ہے کہ

قحط سالی کے دوران آپ شام سے ایک بہت بڑا کیک خرید کر لائے اور اُسے توڑ کر لوگوں میں تقسیم کیا۔ ''ہشم'' کا مطلب توڑنا ہے اس لیے ''ہاشم'' یعنی ''توڑنے والا'' مشہور ہو گئے۔ آپ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش کی معاشی حالت سدھارنے کی خاطر اُن کے لیے گرمی اور جاڑے کے دو سالانہ تجارتی سفروں کا آغاز کیا۔ آپ ہمیشہ بیتُ اللہ کا حج کرنے والوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ کی ایک شادی اپنے خاندان کی ایک نہایت باوقار خاتون سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت اسد پیدا ہوئے۔ حضرت اسد نہایت رحم دِل اور ہمدرد انسان تھے۔ آپ بھوکوں کے گھروں میں راشن بھجواتے تھے۔ آپ کی اولاد بہت کم تھی۔ بعض روایات کے مطابق تو آپ کی واحد اولاد حضرت فاطمہ بنت اسدؓ تھیں جو حضرت علی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں اور جنہیں خانہ کعبہ میں ولادتِ علی علیہ السلام کا شرفِ عظیم حاصل ہُوا۔ حضرت ہاشم کی دوسری شادی خزرجیوں کے ایک مشہور قبیلہ بنی عدی ابنِ نجار یثرب (مدینہ) کی نجیبُ الطرفین بیٹی سے ہوئی۔ اس خاتونِ ذی وقار کے بطن سے نہایت ہی بُلند کردار اور اعلیٰ مرتبہ شخصیت حضرت عبدُ المطلب شَیبۃُ الحمد کی ولادت ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب کے بچپن میں ہی ۵۱۰ء میں بمقامِ غزہ شام حضرت ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ (چودہ ستارے/انجم الحسن کراروی)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

حضرت عبدُ المُطلب شَیبۃُ الحمد علیہ السلام

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے۔آپ کا نام عامر اور لقب شَیبۃُ الحمد تھا۔آپ کی کنیت ابوالحارث تھی۔آپ کے سر کے بال سفید اور خوبصورت تھے۔''شَیب'' سفیدی کو کہتے ہیں اِس لیے آپ کو شَیبہ اور بے حد ممدوح ہونے کی وجہ سے شَیبۃُ الحمد کہا جاتا تھا۔آپ کی ولادت ۴۹۷ء میں ہوئی۔آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمٰی تھا۔وہ نہایت پرہیزگار اور جلیل القدر خاتون تھیں۔آپ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے، باپ کے انتقال کے بعد ننھیال میں رہے لیکن بعد میں آپ کے چچا حضرت مُطلب آپ کو اپنے پاس لے آئے۔روایت ہے کہ لوگوں نے آپ کو اُن کا بھتیجا کہنے کی بجائے ''عبد'' کہنا شروع کر دیا اور اس طرح ''عبدُ المُطلب'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔آپ بہت نامور، جلیل القدر، متقی اور پرہیزگار انسان تھے اور اپنے اعلیٰ اوصاف و قابلیت کی بنا پر عرب کے سردار قرار پائے۔آپ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح شراب کو حرام سمجھتے تھے۔آپ پہروں غارِ حِرا میں عبادت میں مصروف رہتے تھے۔سخاوت کا یہ عالم تھا کہ بہت بڑے دسترخوان کا اہتمام فرماتے تھے جس پر انسانوں کے علاوہ پرندوں اور جانوروں کو بھی خوراک فراہم کی جاتی تھی۔آپ مصیبت زدہ لوگوں اور اپاہجوں کی خاص طور پر مدد فرمایا کرتے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ حضرت عبدالمطلب نے جاہلیت کے زمانہ میں پانچ سُنتیں مقرر کیں جن کو خدا نے اسلام میں جاری و قائم رکھا۔

اوّل یہ کہ سوتیلی ماؤں کو بیٹوں پر حرام قرار دیا جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباؤ اجداد نے نکاح کیا ہو۔'' وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم '' (آیت نمبر ۲۲: سورۃ النساء)

دوّم یہ کہ اُنہوں نے خزانہ پایا تو اُس میں سے سے پانچواں حصّہ راہِ خدا میں دے دیا جس کے متعلق خدا فرماتا ہے، ''وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ '' (اور جان لو کہ جو چیز بھی تمہیں بطورِ غنیمت حاصل ہو اُس کا پانچواں حصّہ اللہ کے لیے، رسول (ﷺ) کے لیے، (اور رسول ﷺ کے) قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ آیت ۴۱، سورۃ انفال)

سوّم یہ کہ چاہِ زمزم کو کھودا تو اُسے حاجیوں کا سقایہ قرار دیا، پس خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ''أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ '' (حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کو آباد کرنا۔ آیت نمبر ۱۹: سورۃ توبہ)

چہارم یہ کہ آدمی کے قتل کا خون بہا سو اُونٹ مقرر کیا۔ پس ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے،

''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا ۚ'' (کسی مسلمان کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ اور جو کوئی کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کرے (تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ) ایک مؤمن غلام آزاد کیا جائے اور خون بہا اُس کے گھر والوں (وارثوں) کو ادا کیا جائے، آیت ۹۲: سورۃ النساء)

پنجم یہ کہ قریش میں (خانہ کعبہ کے) طواف کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی، آپ نے سات مرتبہ طواف کرنا مقرر فرمایا۔ حج وعمرہ میں آج بھی طوافِ کعبہ کے سات چکر واجب ہیں۔

آپ نے کبھی جُوا کھیلا نہ بتّوں کی پرستش کی اور نہ ہی اُن جانوروں کا گوشت کھایا جو بتّوں کے لیے کاٹے جاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اپنے باپ جناب ابراہیم علیہ السلام کے دِین پر قائم ہوں۔ (حیات القلوب)

خانہ کعبہ پر لشکر کشی کا مشہورِ زمانہ واقعہ آپ ہی کے دَور میں پیش آیا تھا۔ اُس واقعہ کا مختصر احوال یہ ہے کہ یمن کا عیسائی بادشاہ اَبرہہ خانہ کعبہ کی عظمت وحُرمت دیکھ کر شدید تعصب اور حسد میں مبتلا ہو گیا۔ اُس نے ''صنعا'' کے مقام پر ایک بہت بڑا گرجا گھر تعمیر کروایا اور چاہا کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے اس جگہ کو رونق بخشیں مگر مشیتِ الٰہی کی وجہ سے اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور لوگوں کے دِلوں میں اُس عمارت کا وہ جاہ وجلال اور تقدس پیدا نہ ہو سکا جو خانہ کعبہ کا تھا۔ اپنی اِس ناکامی کے باعث اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میں کعبہ کو ہی مسمار کر دوں۔ کعبہ رہے گا نہ لوگوں کے دِلوں میں اس کی عقیدت ومنزلت۔ چنانچہ خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے اُس نے اسود بن مقصود حبشی کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر مکّہ کی طرف روانہ کر دیا۔ قریش، کنانہ، ہذیل اور خزاعہ نے لڑنا چاہا مگر دشمن کی طاقت دیکھ کر گھبرا گئے اور اپنے اہل وعیال سمیت مکّہ کی پہاڑیوں میں چُھپ گئے۔ صرف حضرت عبدالمطلبؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں رہے اور اللہ کے حضور اُس کی حفاظت کے لیے دُعا کرتے رہے۔ اَبرہہ کے بھیجے ہوئے لشکر نے مکّہ میں پہنچتے ہی مکّہ والوں کے مویشی پکڑ لیے جن میں حضرت عبدالمطلبؓ کے دو سو اُونٹ بھی شامل تھے۔ اِسی دوران حضرت عبدالمطلب کو اَبرہہ کا پیغام مِلا کہ ہم آپ سے لڑنے نہیں آئے، ہمارا ارادہ صرف کعبہ کو گِرانے کا ہے۔ حضرت نے پیغام کا جواب دیا کہ ہمیں بھی لڑنے سے کوئی غرض نہیں اور اَبرہہ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ وہ ملاقات پر آمادہ ہو گیا اور آپ اُس کے دربار میں تشریف لے گئے۔ آپ کے استقبال کے لیے وہ تخت سے اُتر کر نیچے آیا اور آپ کے ہم نشین ہُوا۔ وہ سمجھا کہ آپ خانہ کعبہ کے بارے میں مذاکرات کے لیے آئے ہیں مگر دورانِ گفتگو حضرت نے ایسی کوئی بات نہ کی اور صرف اپنے اُونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ حیرانی سے بولا کہ آپ نے اپنے آبائی مکان (خانہ کعبہ) کے بارے میں کوئی بات نہیں کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں اُونٹوں کا مالک ہوں

اس لیے اُن کی بات کر رہا ہوں، جو کعبہ کا مالک ہے وہی اُس کی حفاظت کرے گا۔ آپ کا جواب سُن کر اَبرہہ کی حیرانی دو چند ہوگئی۔ وہ آپ کی شخصیت سے اتنا متاثر ہوا کہ آپ کے اُونٹ آپ کو لوٹا دیئے۔

روایت ہے کہ اَبرہہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھا، اُس کی فوج میں ساٹھ ہزار افراد اور نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔ وہ خود سرخ رنگ کے محمود نامی ہاتھی پر سوار تھا جو سب ہاتھیوں سے بڑا تھا۔ کعبہ کی دیواریں نظر آئیں تو اُس نے حملے کا حکم دیا۔ جیسے ہی اُس کا لشکر آگے بڑھا ابابیل نامی پرندوں کے غول نمودار ہُوئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ پرندوں نے وہ کنکریاں لشکر پر گرائیں تو دیکھتے ہی دیکھتے سارا لشکر تباہ و برباد ہوکر جانوروں کے کھائے ہوئے بھوسے کی مانند ہوگیا۔ اَبرہہ زخمی ہوکر یمن کی طرف بھاگا لیکن بچ نہ سکا اور راستہ ہی میں واصلِ جہنم ہوگیا۔

قرآنِ مجید میں اِس واقعہ کا ذکر یوں آیا ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ○

أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ○

وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ○

تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ○

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ○

''اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے نہیں دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا (سلوک) کیا؟ کیا اُس نے اُن کی تدبیر و ترکیب کو بے کار نہیں کر دیا؟ اُن پر (ہر سمت سے) ابابیل نامی پرندوں کے غول کے غول بھیج دیئے۔ جو اُن پر سنگِ گل (پکی

ہوئی مٹی کے پتھر) مارتے تھے۔آخر کار اللہ نے اُنہیں (مویشیوں کے) کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔'' (سورۃ الفیل)

کہتے ہیں کہ اَبرہہ سے پہلے تبع بن حسان نے بھی خانہ کعبہ کو گرانے کا ارادہ کیا تھا تا کہ وہ اُس کے پتھروں کو یمن لے جا کر وہاں پر ایک گھر بنائے جس کا لوگ احترام کریں لیکن اللہ نے اُس کے ناپاک عزائم کو بھی خاک میں مِلا یا اور اپنے گھر کو اُس کے شر سے محفوظ رکھا۔

ابرہہ کا واقعہ ۵۷۰ء کا ہے۔ اِسی کو سنہ عام الفیل بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہاتھی والا سال۔ حضرت عبدُ المطلب کی وفات اس واقعہ کے آٹھ سال بعد یعنی ۵۷۸ء میں ہوئی۔ آپ حجون کے مقام پر دفن ہیں۔ (حیات القلوب، چودہ ستارے، نقوشِ عصمت، ثمرات الاوراق، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

صَلٰوۃً تَكُوْنُ لَكَ رِضًی وَّ لَہٗ جَزَآءً وَّ لِحَقِّہٖ اَدَآءً وَّ اَعْطِہِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَ

الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ وَاجْزِہٖ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَاجْزِہٖ اَفْضَلَ

مَا جَازَیْتَ نَبِیًّا عَنْ قَوْمِہٖ

وَرَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِہٖ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ

مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصّٰلِحِیْنَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ○

حارث عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حارث، حضرت عبدُ المطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے، اُنہی کے نام پر حضرت عبدُ المطلب کی کنیت ابوالحارث تھی۔ وہ جناب عبدالمطلب کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

(کتاب: رحمۃ للعالمین/ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاضی محمد سلیمان)

حضرت امیر حمزہؓ عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت امیر حمزہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ آپ نے جنگِ بدر میں نہایت شجاعت اور مردانگی کے جوہر دکھائے اور جنگِ اُحد میں دشمن کے بڑے بڑے بہادروں کو خاک میں مِلایا۔ آپ ایک وحشی کے ہاتھوں شہید ہوئے جس نے چھُپ کر بزدلانہ حملہ کیا تھا اور اُسے زنِ ابوسفیان ہندہ نے لالچ دے کر اِس مقصد کے لیے تیار کیا تھا۔ شہادت کے بعد ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سیّدُ الشہداء کا خطاب عطا فرمایا۔ (کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت عباسؓ عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں دو سال بڑے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام منتیلہ بنت خباب تھا جو پہلی عربی خاتون تھیں جنہوں نے بیتُ الحرام کو حریر اور دیباج کا لباس پہنایا۔ حضرت عباسؓ زمانہ جاہلیت میں رئیسِ قریش تھے۔ آپ بیتُ الحرام کے اندر گالی گلوچ نہ ہونے دیتے تھے اور آپ کی وجہ سے کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر کوئی بیہودہ بات زبان پر نہیں لاسکتا تھا۔ آپ جنگِ بدر میں قریش کی طرف تھے اور گرفتار ہو گئے۔ آپ کی مُشکیں اِس طرح کَس دی گئیں کہ تکلیف سے کراہنے لگے۔ آپ کے کراہنے کی

آواز نبی ﷺ کی سماعت تک پہنچی تو حضور ﷺ بے چین ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! آپ ﷺ آرام کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا کہ عباس کے کراہنے کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آ رہی۔ پھر حضرت عباسؓ کے کراہنے کی آواز بند ہوگئی۔ حضور ﷺ نے کسی سے اُن کا حال دریافت فرمایا تو معلوم ہُوا کہ اُن کی مُشکیں کھول دی گئی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ سب اسیروں کے ساتھ یہی سلوک کرو۔ حجاج بن علاط کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ قدیمُ الاسلام تھے لیکن اُنہوں نے اپنا اسلام چُھپا رکھا تھا۔ آپ نبی ﷺ کے حُکم سے مکّہ میں مقیم تھے، کفّار کی خبریں حضور ﷺ تک پہنچایا کرتے تھے اور غریب مسلمانانِ مکّہ کی امداد کیا کرتے تھے۔ آپ اظہارِ اسلام کے بعد حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں بھی شامل ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ آپ کا احترام کرتے اور فرماتے، ''هٰذَا عَمِّیْ وَ صِنْوُ اَبِیْ'' (یہ میرے چچا ہیں اور باپ کی طرح ہیں)۔ حضرت عباسؓ قرابتداروں سے حُسنِ سلوک کرنے والے، صاحبِ رائے وتدبیر اور مستجابُ الدّعا تھے۔ آپ نے ۱۲ رجب یا رمضان ۲۲ھ میں ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنّتُ البقیع میں دفن کیے گئے۔ (کتاب: رحمۃً للعالمین ﷺ، الاستیعاب، اسد الغابہ)

زبیر بن عبدُ المطلب عمّ النبی ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے چچا زبیر بن عبد المطلب کا نام ''حلفُ الفضول'' کے حوالے سے بہت مشہور ہے۔ حلفُ الفضول کے قیام میں اِنہوں نے بہت سعی کی تھی جس سے اِن کی نیکی اور صلہ رحمی کا اندازہ ہوتا ہے (اس کی تفصیل حلفُ الفضول کے باب میں آنے والے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں)۔ یہ فصیح البیان شاعر بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۲۴ سال تھی جب اِن کا انتقال ہوگیا۔ (کتاب: رحمۃً للعالمین/ ﷺ قاضی محمد سلیمان)

حضرت ابُو طالب علیہ السّلام عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے پیارے چچا اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام کے والد محترم تھے۔آپ کا اصل نام عمران بن عبدُ المطلب بن ہاشم تھا۔آپ حضرت عبداللہ علیہ السّلام کے حقیقی یعنی سگے بھائی تھے۔آپ کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت عمر بن عائذ بن عمر بن مخذوم تھا۔آپ بے حد باوقار اور دانش مند تھے۔آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے نہایت محبت اور جانفشانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش و پرداخت فرمائی۔آپ نے کارہائے رسالت میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و حمایت کی اور جب قریش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈھال بن گئے۔روایت ہے کہ ایک دفعہ تمام قریش اکھٹے ہو کر آپ کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دو۔آپ نے جواب دیا کہ اگر اُونٹنی اپنے بچّے کے بغیر رہ سکے تو میں اِن کو تمہارے سپرد کر دوں (یعنی یہ ناممکن ہے)۔اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

''اے مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!
یہ قریش آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابل آ کر
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا و آزار نہ پہنچا سکیں گے
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے دِین کی خوب تبلیغ کیجئے
اور کچھ تنگی و خوف محسوس نہ کیجئے

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھیں خوش اور ٹھنڈی رہیں

کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے دعوت دی

اور کہا کہ آپ میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں

یقینا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچ فرماتے ہیں!

بلاشبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امین ہیں!

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے دِین کو ظاہر فرمایا ہے

جو یقیناً مخلوق کے سارے ادیان سے بہتر و افضل ہے۔''

(مدارج النبوت/ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

روایت ہے کہ حضرت ابوطالب نے اپنے فرزندِ ارجمند امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ علی! اِنہوں (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمہیں خیر کی دعوت دی ہے، اِس پر قائم رہنا۔

(پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / ڈاکٹر نصیر احمد ناصر)

علامہ طریحی بحوالہ امام جعفر الصادق علیہ السلام کہتے ہیں کہ حضرت ابو طالب ایمان کے حوالہ سے اصحابِ کہف کی مانند تھے۔ شمس العلماء نذیر احمد شبلی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطالب دِینِ فطرت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، وہ دِل سے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دِین سمجھتے تھے اور وقتِ وِصال کلمہ پڑھ رہے تھے۔ مروی ہے کہ آپ نے اپنے وصال کے وقت بنی عبدالمطلب کو بلایا اور وصیت کی کہ تم سب ہمیشہ نیکی اور بھلائی پر قائم رہنا اور اگر محمد ﷺ کی بات سنو تو اُن کی پیروی کرنا اور نصرت و اِعانت کرتے رہنا تاکہ تم رشد و فلاح پاؤ۔ آپ کا انتقال ۸۵ سال کی عمر میں شوال سنہ ۱۰ بعثت میں ہُوا۔ ''مواہب الادینہ'' میں ہے کہ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر انچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن تھی۔ آپ کے انتقال کے سال کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''عامُ الحُزن'' یعنی غم کا سال قرار دیا۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ محرّمُ الحرام میں شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے محض دس روزہ سوگ پر کچھ مسلمان اعتراض کرتے ہیں جبکہ یہاں حسین علیہ السلام کے دادا کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے سال کو غم کا سال قرار دیا ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی آخری آرام گاہ مکّہ میں ہے۔ آپ کی اہلیہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد کو یہ شرف حاصل ہے کہ جب اُنہوں نے انتقال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیضِ مبارک میں اُنہیں کفن دیا اور جب اُن کی لحد تیار ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے اُس میں خود لیٹے اور فرمایا کہ میری قمیض سے اِن معظّمہ کو قیامت کے دن امان مِلے گی اور میرے لیٹنے سے اللہ تعالیٰ اِن کی لحد میں کشادگی فرمائے گا۔

(چودہ ستارے، پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، مدارج النبوّت، علل الشرایع/شیخ الصدوقؒ)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ خَیْرِ الْخَلَائِقِ وَ اَفْضَلِ الْبَشَرِ وَشَفِیْعِ الْاُمَمِ یَوْمَ الْحَشْرِ وَالنَّشْرِ وَصَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَصَلِّ عَلٰی کُلِّ الْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً ط بِرَحْمَتِکَ وَ بِفَضْلِکَ وَبِکَرَمِکَ یَا اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ط یَا قَدِیْمُ یَا دَآئِمُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا وِتْرُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا مَنْ لَّمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ○

حضرت علی علیہ السلام برادرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیّد نجم الحسن کراروی صاحب اپنی شہرہ آفاق کتاب ''چودہ ستارے'' میں حضرت علی علیہ السلام کے باب میں لکھتے ہیں:

اوصافِ علی بہ گفتگو ممکن نیست　　گنجائشِ بحر در سبو ممکن نیست
من ذاتِ علی بوا جبی کے دانم　　الا دانم کہ مثل اُو ممکن نیست

(علی علیہ السلام کے اوصاف بیان کرنا ممکن نہیں ہے جیسے کُوزے میں دریا کو بند کرنا ممکن نہیں۔ میں علی علیہ السلام کی ذات کے بارے میں کیا جانوں گا بس اتنا جانتا ہوں کہ اُن کی مثال ممکن ہی نہیں)

مولودِ کعبہ حضرت علی علیہ السلام، حضرت ابوطالب و جناب فاطمہ بنتِ اسد کے بیٹے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد، بھائی اور جانشین، حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے شوہر اور حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت عباس علمدار، حضرت زینب اور حضرت اُمِ کلثوم (علیہم السلام) کے پدرِ بزرگوار تھے۔ آپ ہمیشہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدارُ المُہام (وزیرِ اعظم) کی حیثیت سے کارپرداز رہے۔ اُمورِ مملکت ہوں یا میدانِ جنگ، آپ ہر موقع پر تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمدوش رہے۔ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتوحات کا سہرا ہمیشہ آپ ہی کے سر رہا۔ اسلام کی پہلی منزل دعوتِ ذوالعشیرہ سے لے کر تا بہ اَرتحالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو کسی صورت بھلائے نہیں جاسکتے اور کیوں نہ ہو جبکہ آپ پیدا ہی کیے گئے تھے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے لیے۔ (چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی)

اہلِ سنت کے نامور عالم دین قاضی محمد سلمان منصور پوری صاحب، اپنی تالیف رحمۃٌ لّلعالمین

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حضرت علی علیہ السلام کے باب میں اِس جملہ سے آغاز فرما کر گویا کوزے میں دریا کو بند کرتے ہیں، ''اِس امامِ ہادی انامِ ابوالآئمہ العظام کے محاسن و فضائل کے لیے دفتر درکار ہیں اگر حیات باقی رہی تو انشاء اللہ ان کی سیرت پر ایک علیٰحدہ جِلد لکھوں گا''۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حضور (حضرت علی علیہ السلام) کے شاندار کارناموں میں شبِ ہجرت، بدر، اُحد، خندق، صلح حدیبیہ اور خیبر و حنین کے واقعات نہایت مشہور ہیں۔ شجاعت اور فضلِ قضایا میں بین الاماثل ممتاز تھے۔ سیدۃُ النساء فاطمۃُ الزہرا (علیہا السلام) کے زوج اور حسن و حسین علیہم السلام کے والد بزرگوار تھے۔ ابوالحسن کُنیت فرماتے تھے اور ابوتراب کُنیت پر جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطیہ ہے، نہایت شادماں ہوتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد ماہِ ذی الحجہ ۳۳ھ خلیفہ ہوئے اور جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو اشقی الناس ابن ملجم کے ہاتھوں مسجدِ کوفہ میں زخمی ہو کر واصلِ بحق ہوئے۔ امام حسن و حسین (علیہم السلام) کے علاوہ (دیگر ازواج سے) اِن کے سولہ فرزند تھے۔'' جناب قاضی محمد سلیمان صاحب آگے لکھتے ہیں کہ شاہانِ ایران کے سابقہ طبیبِ خاص کثیر بن عمر السکونی نے بتایا کہ جس زخم کی وجہ سے شہادت ہوئی وہ دماغ تک پہنچ گیا تھا اور صحت محال تھی۔ بکر بن حماد القاہری نے ہائلہ شہادت پر اشعار کہے جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

ابن ملجم سے کہنا (گو میں جانتا ہوں) کہ تقدیر سب پر غالب ہے
مگر اے کم بخت! تُو نے اسلام کے ارکان کو ڈھایا
وہ شخص جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے افضل تھا
اسلام اور ایمان میں سب سے اوّل تھا
اور قرآن و سُنّت کے جاننے میں سب سے اعلم تھا
تُو نے اُسے قتل کیا

وہ دامادِ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کا دوست و ناصر تھا

جس کے مناقب کے نُور اور برہان روشن ہیں

جو علی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایسا تھا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام

جو لڑنے میں شمشیر براں اور دلیر شیر تھا جب خوب گھمسان کا رَن پڑ جاتا ہو

میں اُس کے قاتل کا خیال کرتا ہوں اور روتا روتا کہتا ہوں

اے اللہ! تُو پاک ہے، تیری قدرت عجیب ہے

میں اُس کے قاتل کی بابت یہی کہوں گا کہ

وہ بشر نہیں جو قیامت سے ڈرتا ہو بلکہ شیطان ہے

اپنے قبیلہ مراد میں سب سے زیادہ بدبخت

اور میزان میں سب سے زیادہ زیاں کار

(وہ تو) عاقر ناقہ جیسا تھا جس نے صالح علیہ السلام کے ناقہ کو مارا

اور قوم ثمود پر ملک حجر میں تباہی لانے کا سبب ٹھہرا

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام پر وار کرنے سے اُس کا مقصد یہی ہوگا

کہ وہ خود جہنم کی آگ کا ایندھن بن سکے

(کتاب: رحمۃ للعالمین/ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاضی محمد سلیمان)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

عماتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) حضرت اُمِ حکیم بیضاءؓ: یہ حضرت عبداللہ و حضرت ابوطالب (علیہما السلام) وزبیر کی حقیقی بہن تھیں۔

(۲) حضرت امیمہؓ

(۳) حضرت عاتکہؓ: عاتکہ کے معنی طاہرہ ہیں۔ انہوں نے جنگِ بدر سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار نے کوہ ابوقبیس سے ایک پتھر اُٹھا کر رکنِ کعبہ پر کھینچ مارا، وہ پتھر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگیا اور اُس کے ریزے بنوزہرہ کے علاوہ قریش کے ہر گھر میں جا گرے۔ یہ خواب سُن کر کافروں نے خوب ہنسی اڑائی اور کہنے لگے کہ اب تو ہاشم کی لڑکیاں بھی نبوّت کرنے لگیں۔ حضرت عاتکہ کا خواب سچ ثابت ہوا اور کافروں کو سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔

(۴) حضرت صفیہؓ: یہ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

(۵) حضرت برّہؓ

(۶) حضرت اروٰیؓ

(کتاب: رحمۃ للعالمین/ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاضی محمد سلیمان)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ
وَّارْحَمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِيْمَ
وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

حضرت عبداللہ علیہ السلام

(والد گرامی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آپ سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی تھے۔ آپ کا نام عبداللہ اور کنیت ابو احمد تھی۔ آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے پیارے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ جو کہ نہایت عظیم، متقی اور پرہیز گار خاتون تھیں، کا نام فاطمہ بنت عمر بن عائذ بن عمر بن مخذوم تھا۔ آپ نہایت بُلند اخلاق کے مالک، شریف، نیک اور پرہیز گار انسان تھے۔ آپ کی طبیعت میں متانت اور سنجیدگی انتہا کی تھی۔ گفتگو میں کمال درجے کی فصاحت و بلاغت پائی جاتی تھی۔ اپنے آباؤ اجداد کی طرح ہمیشہ ہر برائی سے دُور رہتے۔ آپ اپنے کردار اور خوبیوں کے پیشِ نظر جوانانِ قریش میں ایک امتیازی مقام رکھتے تھے۔ آپ کے بھائیوں میں حضرت ابو طالب کو آپ کی نگاہ میں خاص اہمیت اور مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ آپ کی شادی قبیلہ زہرا میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی حضرت آمنہ علیہا السلام سے ہوئی۔ شادی کے وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ اپنے والد محترم حضرت عبدالمطلب کے ساتھ جا رہے تھے کہ ورقہ بن نوفل کی بہن اُمِ قتال نے آپ سے کہا کہ اے عبداللہ! کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے کہا کہ اپنے والد کے ساتھ ہوں جدھر وہ جائیں گے میں بھی اُنہی کے ساتھ جاؤں گا۔ اُس نے کہا کہ سو اُونٹ لے لو اور مجھے اپنی بیوی بنا لو مگر آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت عبدالمطلب آپ کو لیے وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے ہاں گئے اور اُن کی بیٹی حضرت آمنہ کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔ اُمِ قتال

کی آپ کے ساتھ نکاح میں دلچسپی اُس علم و معرفت کی وجہ سے تھی جو اُسے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے حاصل ہُوا تھا۔ ورقہ بن نوفل نصرانی تھا اور کتبِ سماویہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اُسے اِس مطالعہ سے علم ہُوا کہ اِس اُمت میں اولادِ اسماعیل (علیہ السلام) سے ایک نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ظہور ہونے والا ہے۔ اُمِ قتال نے اِن معلومات کے سبب جان لیا کہ آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد یہی ہیں اور اِن کی پیشانی سے ساطع نُور اُسی نورِ مجسم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی کا ہے۔

ایسی ہی روایت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ کو ساتھ لے کر بنی زہرہ کے ہاں جا رہے تھے تو راستے میں ایک کاہنہ کی نظر حضرت عبداللہ کے چہرۂ مبارک پر پڑی۔ وہ قدیم کتب کا مطالعہ کیا کرتی تھی جن سے اُسے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی علاماتِ ظہور و خروج کا علم ہو چکا تھا۔ اُس نے آپ کے چہرے سے نُور کی شعاعیں پھوٹتی دیکھیں تو پہچان لیا کہ یہ چہرہ نورِ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے منوّر ہے چنانچہ آپ سے کہنے لگی کہ اے جوان! کیا تُو مجھے اپنائے گا؟ میں سو اُونٹ پیش کروں گی۔ آپ نے کہا کہ میں حرام فعل کا ارتکاب بالکل نہیں کروں گا اور حلال طریقہ (نکاح) بھی ممکن نہیں اس لیے تُو جو چاہتی ہے وہ نہیں ہو سکتا۔ پھر اُسے اُسی حسرت و یاس کی کیفیت میں چھوڑ کر چل دیئے۔ ابوالفیاض سے مروی ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک نہایت خوبصورت اور پاکدامن عورت نے جو کہ قدیم کتابوں کا مطالعہ کیا کرتی تھی، حضرت عبداللہ کو دیکھا اور اُن کے چہرے کو نورِ نبوّت سے درخشاں پایا تو پوچھا کہ اے جوان! تم کون ہو؟ آپ نے اپنا تعارف کرایا تو کہنے لگی کہ اگر میرے ساتھ نکاح اور موافقت کو پسند کرو تو میں سو اُونٹ دینے کو تیار ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں حرام کاری پر موت کو ترجیح دوں گا اور کوئی حلال و جائز صورت بھی نہیں ہے جس پر میں غور کروں لہٰذا جو نیّت اور ارادہ تمہارا ہے اُس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ابھی نہیں ہوئی تھی کہ پچیس یا اٹھائیس سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس وقت سات ماہ کے تھے، دوسری روایت کے مطابق دو ماہ کے تھے لیکن اکثریت کی رائے یہی ہے کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دُنیا میں تشریف نہیں لائے تھے۔ ایوب بن عبدالرحمٰن سے منقول ہے کہ آپ تجارت کی غرض سے شام کی طرف گئے اور وہاں علیل ہو گئے۔ واپسی پر مدینہ طیّبہ سے گذر ہُوا تو ساتھیوں سے معذرت کر لی اور اپنے ننھیال بنی عدی بن نجار کے ہاں ٹھہر گئے۔ آپ وہاں پر ایک ماہ تک بیمار رہے۔ قافلے والوں کی زبانی حضرت عبدالمطلب کو آپ کی علالت کی خبر ہوئی تو اپنے بیٹے حارث کو خبر گیری کے لیے روانہ کیا، جب وہ پہنچے تو آپ کا وصال ہو چکا تھا۔ آپ ''ابوا'' کے مقام پر مدفون ہیں۔

(چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی، ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، تاریخ ابن کثیر البدایہۃ والنھایۃ)

صَلَوٰاتُ اللہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَاَنْبِیَآئِہٖ وَرُسُلِہٖ وَجَمِیْعِ خَلْقِہٖ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّعَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ ○

طلوعِ سحر

(ولادتِ باسعادت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نہ صرف سرزمینِ عرب پر بلکہ تمام عالم پر چھائی ہوئی جاہلیت کی گہری ظلمتوں میں انسانیت سسک رہی تھی، آدمیّت دَم توڑ رہی تھی، ظلم و بربریت کا بازار گرم تھا۔ کوئی روشنی تھی نہ روشنی کا سراغ۔ کہیں انسان نبیِ خدا کے معجزات دیکھ کر اُسی کو خدا بنا بیٹھا تھا تو کہیں اپنے ہی ہاتھوں تراشے ہوئے بتوں کے آگے سرنگوں تھا۔ شراب نوشی، جوا، بدکاری، لوٹ مار اور قتل و غارت گری عام تھی۔ اِن تمام برائیوں میں جو جتنا زیادہ ملوث ہوتا اُتنا ہی طاقتور اور معزز سمجھا جاتا۔ کمزور اور نادار لوگوں پر دُنیا تنگ تھی، انسانوں کی خرید و فروخت کے لیے منڈیاں لگتی تھیں، مَردوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور ان غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ عورت محض جنسی ہوّس کی تسکین کا ذریعہ بن کے رہ گئی تھی۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اور جو کسی وجہ سے بچ جاتی تھیں وہ اپنے معاشرتی حقوق سے محروم رہتیں، اُن کا کام محض مَردوں کی خدمت کرنا ہوتا۔ مَرد کا عورت پر تشدد کرنا جائز اور عورت کا احتجاج کرنا جرم سمجھا جاتا۔ انسان شرک اور بُت پرستی کی وجہ سے اندھیروں میں گھرا ہوا تھا اور فطری حِس، عقلِ سلیم اور عِلم و حکمت کے نُور سے محروم تھا۔ طہارت و حیا کا فقدان تھا، ضمیر خوابیدہ اور ذوق کثیف تھا۔ کسبِ حلال کا کوئی تصور نہیں تھا، محنت کی تحقیر و تذلیل کی جاتی تھی، وسائلِ پیداوار اور پیداوار کی تقسیم منصفانہ نہیں تھی۔ سود خوری، استحصال، معاشی احتیاج، افلاس اور بخل و تکاثر کا راج تھا۔

اُس دور کے بڑے ادیان عیسائیت، یہودیت، مجوسیت، بدھ مت اور ہندو مت تھے، عرب زیادہ تر بُت پرست تھے۔ عیسائیت اور یہودیت وغیرہ کی الہامی کتب میں اس قدر تحریف ہو چکی

تھی کہ اصل ونقل کا امتیاز ناممکن ہو گیا تھا اور پیشواؤں کی غلط اور گمراہ کن تاویلات کے سبب اُن پر سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ گیا تھا۔ لوگ کمزور، مظلوم اور پسے ہوئے طبقے کی طرح کسی نجات دہندہ کی آمد کے طلب گار اور منتظر تھے۔ پھر قدرت کو اُن پر رحم آ گیا اور طلوعِ سحر کے آثار نمودار ہُوئے۔

حضرت حسان بن ثابت سے روایت ہے کہ میں ایک مضبوط وتوانا لڑکا تھا یعنی سات آٹھ سال کا جب ایک یہودی کو صبح سویرے مدینہ منورہ میں زور زور سے چلاتے ہوئے دیکھا۔ وہ پکار رہا تھا، ''اے گروہِ یہود! اے گروہِ یہود!'' یہودی اُس کے گرد اکٹھے ہو گئے اور پوچھا کہ تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا ہُوا اور ہمیں کیوں بلایا؟ اُس نے کہا کہ وہ ستارہ جس کو احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت کی علامت سمجھا جاتا تھا آج رات طلوع ہو گیا ہے۔

(سیرتِ سید الانبیاء/مصنف امام عبدالرحمن ابن جوزی، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / علامہ محمد اشرف سیالوی)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت بِعثت سے چالیس برس پہلے عامُ الفیل میں مکّہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے، بعض مؤرخ ربیع الاوّل کی ۲ تاریخ، چند ۶، کچھ ۱۲، اور اکثر ۱۷ بیان کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اہلِ تشیُّع اور بعض علماء اہلِ تسنُّن ۱۷ ربیع الاوّل اعام الفیل سنہ ۵۷۰ء کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اِسی طرح ولادت کے دن میں بھی اختلاف ہے، کچھ کے نزدیک بروز جمعہ اور بعض پیر کا دن لکھتے ہیں۔ علامہ مجلسیؒ حیاتُ القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ علماء امامیہ کا اس پر اِجماع واتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ۱۷ ربیع الاوّل سنہ اعامُ الفیل بروز جمعہ بوقتِ شب یا بوقتِ صبحِ صادق شعبِ ابی طالب میں ہوئی۔ اُس وقت نوشیرواں کسریٰ کی حکومت کا بیالیسواں سال تھا۔ مصر کے ایک مشہور ماہر فلکیات کی تحقیق کے حوالے سے مولانا شبلی صاحب کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ ولادت ۹ ربیع الاوّل اور عیسوی سال کے مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے۔ (نقوشِ عصمت، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیرۃ مغلطای، تاریخ الخمیس، چودہ ستارے)

آنحضرت ﷺ کی ولادت شعبِ ابی طالب میں جس گھر میں ہوئی آپ ﷺ نے اُسے حضرت عقیلؓ کو ہبہ کر دیا تھا، حضرت عقیلؓ نے محمد بن یوسف ثقفی کے ہاتھ فروخت کیا اور اُس نے ہارون رشید کو۔ ایک روایت کے مطابق ہارون کی ماں خیزران نے اُس گھر کو خرید کر مسجد میں تبدیل کر دیا تھا، لوگ وہاں آ کر نماز پڑھتے، اُس گھر کی زیارت سے مشرف ہوتے اور اُسے متبرک سمجھتے تھے۔ آج کل اِس جائے مبارک و باسعادت کو سعودی حکام نے لائبریری میں تبدیل کر دیا ہے۔

(اصول کافی، نقوشِ عصمت، ترجمہ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ، اعیان الشیعہ)

مجھے اِس جائے مبارکہ کی زیارت کا شرف حاصل ہُوا ہے۔ واقعی اسے ایک لائبریری بنا دیا گیا ہے۔ اس کے صدر دروازے کو اندر سے مقفل رکھا جاتا ہے تاکہ زائرین اندر نہ جاسکیں۔ شمعِ رسالت کے پروانے لائبریری کے بند دروازے پر اِس اُمید کے سہارے بیٹھے رہتے ہیں کہ شاید مقدر یاوری کرے اور دیدہ و دِل کو اِس جائے مقدسہ کی اندر سے زیارت نصیب ہو جائے۔

حضور ﷺ عالمین کے لیے رَحمت بن کر تشریف لائے تو بطنِ مادر میں اپنی والدہ ماجدہ کے لیے بھی سراپا رَحمت ثابت ہوئے۔ حمل اور عملِ پیدائش کی جن تکالیف سے زچّہ کو گزرنا پڑتا ہے آپ ﷺ کی والدہ محترمہ آپ ﷺ کی رَحمت و برکت کے طفیل اِن تمام صعوبتوں سے بالکل محفوظ رہیں گویا کہ وہ حمل اور پیدائش کے عمل سے گزری ہی نہیں۔

روایت ہے کہ حضرت آمنہؓ فرماتی تھیں کہ مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ میں حاملہ ہوں۔ عام عورتوں کی طرح نہ کوئی بوجھ اور ثقل محسوس ہُوا نہ متلی وغیرہ۔ میں نے حمل سے لے کر ولادت تک کوئی مشقت اور تکلیف محسوس نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی ماں کا حمل و جنین اِتنا خفیف ولطیف اور عظیم برکتوں والا ہوتا ہوگا جیسا کہ میرا تھا۔ جب مجھ پر زچگی کا وقت آیا تو ستارے یوں نظر آنے لگے گویا وہ میرے قریب آ گئے ہوں اور جب میرا فرزند (ﷺ) دُنیا میں آیا تو اُس نے دونوں ہاتھوں کو

زمین پر رکھا (سجدہ کیا) اور اپنا سر آسمان کی طرف بُلند کر کے اُوپر دیکھا پھر اُس (ﷺ) سے ایک نور ساطع ہُوا جس سے ہر چیز روشن ہوگئی۔ اُس نُور میں سے آواز آئی کہ (اے آمنہ علیہا السلام!) تم نے سیّدِ عرب (ﷺ) کو جنم دیا ہے اس کا نام مُحمّد (ﷺ) رکھو۔ میں نے جو دیکھا تھا حضرت عبدالمطلب سے بیان کیا۔ اُنہوں نے حضور ﷺ کو گود میں لیا اور فرمایا کہ خدا کی حمد ہے کہ اُس نے مجھے ایسا فرزند عطا کیا، یہ خوشبو سے معطر ہے اور گہوارے میں بھی تمام فرزندوں کا آقا ہے پھر حضرت عبدالمطلب نے مجھے ایک تعویذ دیا جس میں ارکانِ کعبہ کا اندراج تھا اور اشعار کے ذریعے مُحمّد ﷺ کی مِدحت بیان فرمائی۔

وقتِ ولادت آپ ﷺ کی والدہ ہر آلائش سے پاک تھیں اور آپ ﷺ ناف بریدہ اور مختون تھے۔ حضرت اَنس سے مروی ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں میری عزت و حرمت یہ (بھی) ہے کہ میں مختون و ناف بریدہ پیدا ہُوا اور کسی نے میرے ستر کو نہ دیکھا۔

جب آپ ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو شیطان کو رَجم کیا گیا، ستارے ٹوٹنے لگے، ایسا زلزلہ آیا کہ دُنیا میں غیر اللہ کی عبادت گاہیں منہدم ہوگئیں۔ جادوگر اور کہانت ہوش و حواش کھو بیٹھے اور اُن کے مؤکل محبوس (قید) ہو گئے۔ ایسے ستارے آسمان پر ظاہر ہو گئے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ ہزاروں سالوں سے خشک پڑی وادی ساوہ میں پانی جاری ہو گیا۔ دجلہ میں ایسا سیلاب آیا کہ تمام علاقے زیرِ آب آ گئے۔ کسریٰ کے محل میں پانی بھر گیا، اُس کے طاق شِگافتہ ہو گئے اور محل کے کنگرے زمین بوس ہو گئے۔ ساوہ کی جھیل جس کی پرستش کی جاتی تھی خشک ہوگئی اور آتش کدۂ فارس کی آگ جو ہزار سال سے روشن تھی اور جسے ایک لمحہ کے لیے بھی بجھنے نہیں دیا جاتا تھا، بجھ گئی۔ آتش پرستوں کے سردار موبذان نے خواب دیکھا کہ طاقتور اور سرکش اُونٹ عربی گھوڑوں کی قیادت کرتے ہوئے دجلہ عبور کر کے فارس میں داخل ہوئے اور اُس

کے بلاد واطراف میں پھیل گئے۔ یہ اشارہ تھا رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمعِ رسالت کی طرف جس کی ضوفشانیاں تمام عالم میں پھیلنے والی تھیں۔ اُسی رات حجاز سے ایک نُور برآمد ہُوا جو پرواز کرتا ہُوا مشرق تک پہنچ گیا اور اُس وقت تمام سلاطین اندھے ہو گئے، اُن کی رنگت سرخ ہو گئی اور بولنے کی طاقت سلب ہو گئی۔ کاہنوں کا علم اور جادوگروں کا سحر باطل ہو گیا اُن کے ہمزاد شاطین کو اُن سے دُور کر دیا گیا۔ قریش کو اہلِ عرب کے درمیان ''آلُ اللہ'' کہہ کر پکارا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بیتُ اللہ (مکّہ) میں سکونت کی وجہ سے اُن کو آلُ اللہ کہا جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے گرد رکھے ہوئے تمام بُت مُنہ کے بل گر پڑے اور شام ہوتے ہی آسمان سے آواز آئی، ''حق آیا اور باطل مِٹ گیا، بیشک باطل مِٹ جانے والا ہی تھا''۔ اُس رات تمام دُنیا روشن ہو گئی۔ پتھر اور درخت بزبانِ حال خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ زمین و آسمان میں موجود ہر شے خدا کی تسبیح کرنے لگی اور شیطان (حواس باختہ ہو کر) بھاگا بھاگا پھرنے لگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل اِبلیس ساتویں آسمان تک جایا کرتا تھا اور وہاں کی خبریں کاہنوں اور ستارہ شناسوں کو پہنچایا کرتا تھا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُسکا داخلہ تین آسمانوں پر بند کر دیا گیا اور اُس کی رسائی صرف چار آسمانوں تک رہ گئی۔ جب جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو اُسکا داخلہ ساتوں آسمانوں پر بند کر دیا گیا اور اُسے رَجم کیا گیا۔

بروایتے، اِبلیس نے اپنے مددگاروں کے درمیان فریادِ بُلند کی تو تمام شیاطین اُس کے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آقا! کس چیز سے خوفزدہ ہو؟ اُس نے کہا کہ وائے ہو تم پر، میں گذشتہ شب سے آسمان و زمین میں سرگرداں ہوں اور مشاہدہ کر رہا ہوں کہ زمانے میں کیا نئی اور

عجیب بات رونما ہوگئی ہے؟ ولادتِ عیسیٰ (علیہ السلام) سے لے کر اب تک میں نے ایسا کبھی نہیں محسوس کیا۔ تم سب جاؤ اور جو کچھ واقع ہُوا ہے مجھے اُس کی خبر کرو۔ تمام شیاطین چاروں طرف پھیل گئے پھر واپس آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں تو کچھ بھی نیا محسوس نہیں ہُوا۔ اِبلیس نے اُنہیں کہا کہ تم ٹھہرو میں خود دیکھتا ہوں۔ پھر اُس نے تمام دُنیا میں گھوم پھر کر جائزہ لیا، یہاں تک کہ حرمِ مکّہ میں دیکھا کہ فرشتے حرم کو تھامے کھڑے ہیں۔ اِبلیس نے چاہا کہ وہ بھی حرم میں داخل ہو مگر اُسے حکم دیا گیا کہ واپس چلے جاؤ۔ پھر وہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے روپ میں غارِ حرا کی طرف سے نمودار ہُوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اُسے دھمکایا اور فرمایا کہ بھاگ جا اے ملعون!۔ اُس نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اے جبرائیل! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ گزشتہ شب سے اب تک کیا واقعہ رُونما ہُوا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد ﷺ کی ولادت ہوئی ہے۔ اِبلیس نے کہا کہ کیا اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں میرا حصّہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ نہیں! اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تیرا کوئی حصّہ نہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کہ کیا اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت میں میرا کوئی حصّہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میں اِس پر راضی ہوں۔

(چودہ ستارے، امالی الشیخ صدوقؒ ص ۲۷۱)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

سطیح کاہن کی خبر

احمد بن محمد رزمہ قزوینی نے بیان کیا، اُن سے حسن بن علی بن نصر بن منصور طوسی نے، اُن سے علی بن حرب موصلی طائی نے، اُن سے ابوایوب یعلی بن عمران نے جو جریر بن عبداللہ کے فرزند تھے، اُن سے مخزوم بن ہانی مخزومی نے، اُن سے اُن کے والد نے جو ایک سو پچاس سال زندہ رہے، بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی رات ایوانِ کسریٰ لرز اُٹھا اور اُس کے چودہ کنگرے گر پڑے، دریائے ساوہ خشک ہوگیا، آتش کدۂ فارس جس کی لوگ پرستش کیا کرتے تھے بجھ گیا اور فارس کے سب سے بڑے عالم نے خواب میں دیکھا کہ چند فربہ اُونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچتے ہوئے دریائے دجلہ عبور کر کے بلادِ عجم میں منتشر ہو گئے۔ کسریٰ نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو سر پر تاج رکھ کر تخت پر بیٹھا، اُپنے امراء اور ارکانِ دولت کو جمع کیا اور جو کچھ وقوع پذیر ہُوا اُن سے بیان کیا۔ اسی اثناء میں آتشکدۂ فارس کے خاموش ہونے کی اطلاع آئی جس سے اُس کا غم واندوہ اور بڑھ گیا۔ اُس کے ایک عالم نے کہا کہ میں نے بھی ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور وہ خواب بیان کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اِس کی تعبیر کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ مغرب میں کوئی ایسا واقعہ ضرور پیش آیا ہے جسے میں نہیں جانتا۔ کسریٰ نے عرب کے بادشاہ نعمان بن منذر کو خط لکھا کہ عرب کے کسی عالم کو میرے پاس بھیجو تا کہ میں اُس سے ایک اہم مسئلہ دریافت کروں۔ خط پڑھ کر نعمان نے عبدالمسیح بن عمرو بن حیان بن نفیلہ غسانی کو بھیج دیا۔ کسریٰ نے اُسے تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ عبدالمسیح نے کہا کہ مجھے اِس خواب اور اِس کے رُموز کا علم نہیں مگر میرا خالو سطیح شام میں رہتا ہے، وہ اِس کی تعبیر بتا سکتا ہے۔ کسریٰ نے کہا کہ اُس سے جا کر دریافت کرو اور مجھے اطلاع دو۔ عبدالمسیح جب سطیح کے پاس پہنچا تو (اُسے ایسا لگا گویا کہ) وہ مر چکا تھا۔ اُس نے سلام کیا مگر کوئی جواب نہ مِلا تو چند اشعار پڑھے جن میں ظاہر کیا کہ میں بہت دُور سے تکالیف اُٹھا کر ایک بزرگ

کے پاس کچھ معلوم کرنے آیا ہوں..... سطیح نے جب وہ اشعار سُنے تو آنکھیں کھولیں اور..... اُس کا سوال سُن کر کہا کہ اے عبدالمسیح! وہ وقت آ گیا ہے کہ جب (قرآن کی) تلاوت کی جائے گی اور وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہوں گے جو ایک چھوٹا عصاء اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ سماوہ پُر آب اور سمندر خشک ہو جائے گا۔ شام و عجم اُن کے بادشاہوں کے قبضے سے نکل جائے گا اور قیصر و کسریٰ کے اُن کنگروں کی تعداد کے مطابق جو گر گئے ہیں، اُن کے بادشاہ بادشاہی کریں گے پھر اُن کی حکومت ختم ہو جائے گی اور جو کچھ ہونے والا ہے ضرور ہو کر رہے گا۔ اتنا کہہ کر وہ مر گیا۔

(کمال الدین ج ا ص ۲۲۰/ شیخ الصدوق)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کی خبر یوسف یہودی کی زبانی

روایت ہے کہ یوسف نام کا ایک یہودی مکّہ میں رہتا تھا۔ اُس نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبِ ولادت رُونما ہونے والے واقعات دیکھے تو بولا کہ یہ اُس نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت کی رات ہے جس کا تذکرہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے۔ وہ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور اُنہی کی ولادت کے سبب شیطان پر پتھر برسائے گئے۔ صبح ہوئی تو وہ قریش کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آج رات تمہارے قبیلہ میں کوئی بیٹا پیدا ہُوا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ کہنے لگا کہ ضرور ایک لڑکا پیدا ہُوا ہے اور وہ تمام انبیاء سے افضل اور اُن کا آخر ہے۔ لوگ منتشر ہو گئے اور جستجو کی تو معلوم ہُوا کہ حضرت عبداللہ ابن عبدُ المطلب کے ہاں ایک فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اُس یہودی عالم کو بلایا اور بتایا کہ ہاں! ایک لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ اُس نے پوچھا کہ میرے بیان کرنے سے پہلے یا بعد میں؟ اُنہوں نے کہا کہ پہلے۔ یہودی عالم کہنے لگا کہ مجھے اُس کے پاس لے چلو۔ وہ لوگ اُس کو جناب آمنہؓ کے گھر لائے اور کہا کہ ہم بچّے کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر لایا گیا۔ یوسف یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشتِ مبارک اور شانوں کو کھولا اور مُہرِ نبوّت کا مشاہدہ کیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ قریش کو اُس کی اِس حالت پر تعجب ہُوا

اور اُس کا مذاق اُڑانے لگے۔ اُس نے کہا کہ اے قریش! تم مجھ پر ہنستے ہو حالانکہ یہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جو تلوار سے تم کو ہلاک کریں گے۔ نبوّت قیامت تک کے لیے بنی اسرائیل سے برطرف ہوگئی ہے۔ پھر لوگ منتشر ہو گئے اور یہودی کی ان باتوں کا چرچا کرنے لگے۔

(کمال الدین ج ا ص ۲۲۳ / شیخ الصدوقؒ)

شام سے ابنِ حواش المقبل کی خبر

شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، اُن سے علی بن ابراہیم نے، اُن سے اُن کے والد ابراہیم بن ہاشم نے، اُن سے محمد بن ابی عمیر اور احمد بن ابونصر بزنطی نے، اُن سے ابان بن عثمان احمر نے، اُن سے ابان بن تغلب نے، اُن سے عکرمہ نے اور اُن سے حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب بنی قریظہ کے کعب بن اسد کو سزائے موت کے لیے گرفتار کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے بلوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے پوچھا، ''اے کعب! کیا تجھ کو ابنِ حواش کی وصیّت سے کچھ فائدہ پہنچا؟ ابنِ حواش، جو شام سے آیا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے شراب کو ترک کر دیا، عیش و عشرت کو خیر باد کہہ دیا، فقر اختیار کر لیا اور خرما کھانا شروع کر دیا ہے، اُس پیغمبر کے انتظار میں جن کے مبعوث ہونے کا وقت آ گیا ہے، وہ مکّہ سے ہجرت کر کے اِسی مدینہ میں آئیں گے، خشک روٹی اور خرما اُن کی غذا ہوگی، برہنہ خچر (بغیر زین کے خچر) پر سوار ہوں گے، اُن کی آنکھوں میں سرخی ہوگی، اُن کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوّت ہوگی، اپنی تلوار کاندھے پر رکھیں گے، کسی دشمن کی پرواہ نہیں کریں گے اور اُن کی حکومت ہر اُس مقام تک ہوگی جہاں تک گھوڑوں کے پاؤں پہنچ سکیں گے''۔ کعب بن اسد نے کہا، ''یا مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ایسا ہی ہے۔ اگر یہودی یہ نہ کہتے کہ موت کے خوف سے ایمان لے آیا ہے تو میں ضرور ایمان لے آتا۔ میں اب تک یہودیوں کے دِین پر زندہ رہا ہوں لہٰذا اُسی پر مرتا ہوں''۔ چنانچہ اُس کی گردن اُڑا دی گئی۔

(کمال الدین ج ا ص ۲۲۵ / شیخ الصدوق)

لیث بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے کعب الاحبار سے پوچھا کہ تم نے اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی ولادت کے متعلق کیا پیشین گوئیاں پڑھیں اور آپ ﷺ کے کیا فضائل وصفات مرقوم پائے؟ کعب الاحبار نے کہا کہ میں نے بہتّر (۷۲) آسمانی کتب (کتب وصحائف) کا مطالعہ کیا ہے اور دانیال کے صحائف بھی پڑھے ہیں، اُن سب میں حضور (ﷺ) کا نام بہت واضح طور موجود ہے اور آپ (ﷺ) کی ولادت اور عِترت کا تذکرہ ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت مُحمّد (ﷺ) کے کسی نبی یا پیغمبر کی ولادت کے وقت فرشتے نازل نہیں ہوئے اور سوائے حضرت مریم (علیہا السلام) اور حضرت آمنہ (علیہا السلام) کے کسی اور (خاتون) کے لیے آسمانوں کے پردے نہیں ہٹائے گئے اور اِن کے علاوہ کسی اور عورت پر ولادت کے وقت فرشتے مؤکل نہیں کیے گئے۔ جس رات حضرت مُحمّد (ﷺ) مادرِ گرامی کے بطنِ مُطہّر میں تشریف لائے ساتوں آسمانوں پر ایک منادی نے ندا دی کہ خوشخبری ہو، گوہرِ خاتم الانبیاء (ﷺ) صدفِ مادر میں قرار پایا۔ اس خوشخبری کی منادی زمینوں میں بھی کی گئی اور کوئی چلنے اور پرواز کرنے والا ایسا نہیں تھا جس کو آنحضرت (ﷺ) کی ولادت کی خبر نہ ہوئی ہو۔ آپ (ﷺ) کی ولادت کی رات ستر ہزار قصر یاقوتِ سرخ کے اور ستر ہزار قصر مروارید کے بنائے گئے جن کے نام قصورِ ولادت رکھے گئے۔ تمام بہشتوں کو آراستہ کیا گیا اور اُن سے فرمایا گیا کہ خوشی مناؤ اور اپنے مقام پر بالیدہ ہوتی رہو کیونکہ آج تمہارے دوست اور دوستوں کے پیغمبر (ﷺ) کی ولادت ہوئی ہے۔ یہ سُن کر ہر بہشت خوش ہو کر ہنسی اور وہ سب قیامت تک ہنستی رہیں گی اور میں نے سنا ہے کہ دریا کی مچھلیوں میں سے ایک ''عموسا'' نام کی مچھلی ہے جو سب سے بڑی ہے۔ اُس کی ہزار دُمیں ہیں، اُس کی پیٹھ پر ہر وقت سات لاکھ ایسی گائیں چلتی ہیں کہ ہر گائے دُنیا سے بڑی ہے اور ہر ایک کے سر پر ستر ہزار سینگ سبز زمرد کے ہیں۔ اُس مچھلی کی پشت پر جب یہ گائیں چلتی

ہیں تو اُسے پتا بھی نہیں چلتا۔ وہ مچھلی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت سے خوش و مسرور ہو کر حرکت میں آئی۔ اگر خدا اُسے ساکن ہونے کا حکم نہ دیتا تو تمام دُنیا اُلٹ جاتی۔ میں نے سنا ہے کہ اُس روز کوئی پہاڑ ایسا نہ تھا جس نے دوسرے پہاڑ کو خوشخبری نہ دی ہو۔ سب پہاڑ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کا وِرد کر رہے تھے اور تمام درخت اور اُن کی شاخیں اپنے پتّوں اور پھلوں سمیت خداوندِ عالم کی تسبیح و تقدیس کر رہے تھے۔ اُس روز آسمان و زمین کے درمیان مختلف انوار کے ستر ستون نصب کیے گئے جن میں سے کوئی ایک دوسرے سے متشابہ نہ تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت کی نوید دی گئی تو فرطِ مسرت سے اُن کا حُسن ستّر گُنا بڑھ گیا۔ حوضِ کوثر میں خوشی سے تلاطُم پیدا ہُوا اور اُس نے ستر ہزار قصر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نثار کرنے کے لیے اپنی تہہ میں سے نکال کر باہر ڈال دیئے۔ شیطان کو چالیس روز کے لیے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور اِس دوران اُس کا تخت پانی میں غرق کر دیا گیا۔ تمام بُت سرنگوں ہو گئے اور اُن سے واویلا اور فریاد کی آوازیں بُلند ہونے لگیں۔ خانہ کعبہ سے آواز آئی کہ اے آلِ قریش! تمہاری طرف ثواب کی خوشخبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا آ گیا ہے اور اُس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دینے میں عزتِ ابدی اور بے انتہا فائدہ ہے۔ وہی خاتمُ الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ پھر کعب نے کہا کہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عترت (علیہم السلام) جو کہ اولادِ فاطمہ (علیہا السلام) ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد تمام دُنیا کی مخلوق سے افضل ہے اور جب تک اُن میں سے ایک بھی اِس زمین پر رہے گا، دُنیا والے خدا کے عذاب سے امان میں رہیں گے۔ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دونوں فرزندوں کے بارے میں کتابوں میں پڑھا اور دیکھا ہے کہ وہ دونوں حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے فرزند ہیں اور اُنہیں بدترین لوگ شہید کریں گے۔ (امالی الشیخ الصدوق ص ۵۶۱)

اَسمائے گرامی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھا۔ یہ نام قبیلہ کے رسم و رواج کے مطابق نہیں تھا۔ روایت پسند بنو قریش نے اِس پر تعجب کا اظہار کیا تو حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا بچّہ زمانے بھر کا ممدوح بنے۔ (ابو الفداء، پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے رویائے صادقہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھا۔ اِسی نام سے خالقِ کائنات نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا اور آسمانی صحائف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بِعثت کی پیش گوئی اِسی نام سے کی۔ جیسا کہ سورۃ الصّف میں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ○ (الصّف ۶۱:۶)

(اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں (اور) جو (کتابِ سماوی) مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی تمہیں خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اُس کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگا۔ پھر جب وہ اُن کے پاس صاف نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ ○ یعنی میں مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں اور میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ (مشکوٰۃ)

ابن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا، ''میرے بہت سے نام ہیں، میں مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں یعنی جس کی بہت زیادہ حمد و ستائش کی جائے، میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں

(یعنی حمد وستائش کرنے والا)، میں ماحی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں یعنی روزِ محشر لوگ میرے قدم یا مقام پر جمع ہوں گے اور میں عاقب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا''۔

(مسلم ج ۶ حدیث ۶۱۰۵، مشکوٰۃ باب شمائل النبی وصفاتہ، جامع ترمذی حدیث ۲۶۳۹ ج ۲ ص ۱۹۸، بخاری ج ۵ حدیث ۳۵۳۲)

ابوموسیٰ الاشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، المقفی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں (یعنی تمام انبیاء کے بعد آنے والا)، حاشر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں (یعنی لوگوں کو جمع کرنے والا)، میں نبیِ توبہ ہوں (یعنی بکثرت توبہ واستغفار کرنے والا) اور میں نبیِ رحمت ہوں''۔ (پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مسلم)

حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ یہود کے چند افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن میں سے جو سب سے بڑا عالم تھا اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی سوالات کیے۔ منجملہ اِن سوالات کے اُس نے یہ بھی پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو محمد واحمد وابوالقاسم وبشیر ونذیر وداعی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ناموں سے پکارا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میرا نام زمین پر محمدؐ اور آسمانوں پر احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے اور میرا نام ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کو دو حصّوں میں تقسیم کرے گا ایک حصّہ جہنم کا ہوگا، اوّلین وآخرین میں سے جو بھی میری نبوّت سے انکار کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور دوسرا حصّہ جنّت کا ہوگا، جو بھی مجھ پر ایمان لائے گا اور میری نبوّت کا اقرار کرے گا وہ جنّت میں جائے گا۔ میرا نام داعی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے ہے کہ میں لوگوں کو اپنے پروردگار کے دِین کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ مجھے نذیر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے کہا گیا ہے کہ جو میری نافرمانی کرتا ہے اُس کو میں جہنم سے ڈراتا ہوں اور میں بشیر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے ہوں کہ جو میری اطاعت کرتا ہے میں اُسے جنّت کی بشارت دیتا ہوں۔ (علل الشرائع، شیخ الصدوق/ص ۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ مبارک ابوالقاسم کے متعلق ایک حدیث حضرت امام رضا علیہ السلام کی بھی ہے جس سے اہلِ عرب میں نام رکھنے کے رسم ورواج کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔

بیان کیا علی بن حسن بن فضال نے، اُنہوں نے روایت کی اپنے باپ سے، اُن کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرزند کا نام قاسم تھا اِس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگئی۔ (علل الشرایع، شیخ الصدوق/ص ۹۴)

سوائے حضرت علی علیہ السلام کے دوسروں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور کُنیت جمع کرنے کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور کنیت بیک وقت رکھنے سے منع فرمایا لیکن یہ ممانعت حضرت علی علیہ السلام کے لئے نہیں تھی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (لوگوں کو) اپنے نام اور کُنیت کو جمع کرنے سے منع فرمایا، دونوں میں سے کسی ایک کو رکھنے کی اجازت دی، نام یا کنیت۔ (یعنی بیک وقت نام ''مُحَمَّدؐ'' اور کنیت ''ابوالقاسم'' رکھنے سے منع فرمایا)۔ (جامع ترمذی حدیث ۲۶۴۰ ج ۲ ص ۱۹۹)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اگر تم میرا نام رکھو تو میری کنیت نہ رکھو۔ (بخاری، جامع ترمذی)

حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر میرے ہاں کوئی بیٹا ہو تو کیا میں اُس کا نام اور کنیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور کنیت پر رکھ لوں؟'' فرمایا، ''ہاں''۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں میرے لیے اِس کی اجازت تھی۔ (یعنی یہ ممانعت دوسروں کے لئے تھی نہ کہ حضرت علی علیہ السلام کے لیے۔) (جامع ترمذی حدیث ۲۶۴۲ ج ۲ ص ۱۹۹)

رضاعتِ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کہا جاتا ہے کہ آ3 نحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن یا سات دن یا نو دن تک حضرت آمنہؓ کا دودھ پیا پھر تین چار ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے دودھ پلایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیئے گئے ۔اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو سال تک دودھ پلایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو برس کی عمر تک اُن کے ساتھ رہے اور صحرا کی کھلی آب وہوا میں پرورش پائی ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ سال اور دو دن کے ہو گئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے گھرانے میں واپس چھوڑ آئیں۔معروف مؤرّخ اور محقق علامہ نجم الحسن کراروی صاحب، ثوبیہ اور حلیمہ سعدیہ کے دودھ پلانے والی روایت کی بھرپور تردید کرتے ہیں اور غور کیا جائے تو اُن کا استدلال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔آپ اپنی کتاب چودہ ستارے میں لکھتے ہیں،''اگرچہ تقریباً تمام مؤرّخین نے ثوبیہ اور حلیمہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اِن عورتوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا اور تھوڑے دنوں نہیں بلکہ کافی عرصہ تک پلایا تھا لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے کیونکہ دُنیا کی کسی تاریخ میں یہ نہیں ہے کہ کسی نبی کو اُس کی ماں کے علاوہ کسی اور نے دُودھ پلایا ہو۔حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے حالات دیکھے جائیں تو کوئی ایک مثال بھی ایسی نہ مِلے گی جس سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلیمہ وغیرہ کے دُودھ پلانے کی تائید ہوتی ہو،ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ جیسے قدرت کو اِس اَمر پر اصرارِ شدید تھا کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس کی ماں ہی کا دُودھ پلوائے۔مثال کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات دیکھ لیجیے اور اندازہ لگائیے کہ کن ناسازگار حالات و واقعات میں اُن کی ماؤں کو دُودھ پلانے کے لیے اُن تک پہنچایا گیا اور جب ایسا دیکھا کہ ماں کے پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے تو خود اُسی بچّے کے انگوٹھے

سے دُودھ پیدا کر دیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہُوا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر بچّے کو ماں کا دُودھ دستیاب نہ ہو سکے تو کسی دوسرے طریقے سے شکم سیری ہو جائے۔ درایں حالات میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انبیاء سابق کے طریقے اور اصول سے ہٹ کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کے دُودھ پلانے کو کیونکر تسلیم کر لیا جائے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ یہ تسلیم شدہ ہو ''لُحْمَةُ الرِّضَاعِ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ'' یعنی دُودھ سے جو گوشت پیدا ہوتا ہے وہ نسب کے گوشت و پوست کی طرح ہوتا ہے اور ''وَيَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ'' یعنی دودھ پینے سے وہ رشتہ ناجائز ہو جاتا ہے جو نسب سے (بھی) ناجائز ہوتا ہے اور پھر ایسی صورت میں جب کہ ماں موجود تھیں اور عہدِ رضاعت کے بعد تک زندہ رہیں۔ میں یہ تو سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جناب آمنہؓ نے دُودھ پلایا تھا اور ثوبیہ و حلیمہ نے اُن کی پرورش و پرداخت کی تھی۔ میرے نظریئے کو اِس سے اور تقویت پہنچتی ہے کہ خداوندِ عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ارشاد فرماتا ہے، ''وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ'' یعنی ہم نے دُودھ پلائے جانے کے سوال سے پہلے ہی تمام دائیوں کا دُودھ موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے حرام کر دیا تھا (آیت ۱۲ سورۃ القصص) تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خداوندِ عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماں کے علاوہ کسی اور کا دُودھ پینے سے بچانے کا اتنا اہتمام کرے اور فخرِ موسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اِس طرح نظر انداز کر دے کہ ایسی عورتیں اُنھیں دُودھ پلائیں جن کا اسلام بھی واضح نہیں ہے؟''

علامہ نجم الحسن کراروی صاحب کے اِس استدلال کی روشنی میں ہم بھی یہی کہیں گے ثوبیہ اور حلیمہ سعدیہ کے دُودھ پلانے والی روایات درست نہیں ہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پرورش و نگہداشت کی ہو۔ کم سن بچّے کی پرورش و نگہداشت کے دوران دایہ اُسے اکثر اپنی گود میں رکھتی ہے شاید اسی وجہ سے ماضی کے مؤرّخین کو دُودھ پلائے جانے کا خیال سوجھا ہو۔ (نقوشِ عصمت، چودہ ستارے، اصح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

روایتِ شقُ الصدر

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ محترمہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے تو خالقِ مطلق کے حکم پر جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ کے سینۂ اقدس کو چاک کر کے آپ ﷺ کے دِل کو باہر نکالا اور اُس میں سے خون کا ایک لوتھڑا (معاذ اللہ) شیطانی حصّہ قرار دے کر نکالا پھر دِل کو دھو کر واپس اپنی جگہ منتقل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عمل حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں پانچ مرتبہ دہرایا گیا۔ پہلی مرتبہ تین سال کی عمر میں، دوسری دفعہ دس برس کی عمر میں، تیسری بار بعثت کے وقت، چوتھی مرتبہ معراج کی شب جب کہ پانچویں بار میں اختلاف ہے۔ بعض مکاتبِ فکر کی کتب میں اِس واقعے کو تواتر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اُن کی، سیرتِ نبی (ﷺ) کے موضوع پر لکھی گئی ہر کتاب، مضمون اور بیان میں اِس کا ذِکر مِلتا ہے، جبکہ ایک کثیر تعداد علماء و مؤرّخین کی اِس روایت کی صحت سے نہ صرف انکار کرتی ہے بلکہ اِس کی شدید مذمت بھی کرتی ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اِس روایت کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے۔

روایت یوں ہے کہ مسلم بن حجاج نے اَنس بن مالک سے نقل کیا کہ (جب رسول اللہ ﷺ حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے) آپ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا، آپ ﷺ کے سینہ کو چاک کر کے اُس میں سے دِل کو باہر نکالا اور اُس میں سے ایک لوتھڑا خون کا یہ کہہ کر نکالا کہ یہ آپ (ﷺ) کے اندر (معاذ اللہ) شیطانی حصّہ ہے، پھر دِل کو سونے کے طشت میں رکھ کر آبِ زمزم سے دھویا اور اُسے درست کر کے واپس (سینہ میں) رکھ دیا۔ بچّے دوڑتے ہوئے اپنی ماں (حلیمہ سعدیہ) کے پاس آئے اور کہا کہ مُحمّد (ﷺ) قتل ہو گئے۔ وہ سب آپ ﷺ کی طرف لپکے

اور (دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ اُڑا ہُوا تھا۔ (الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت اَنس سے روایت ہے کہ میں نے اُن ٹانکوں کا نشان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہء مبارک پر دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم)

روایتِ شقُ الصدر کا تنقیدی جائزہ

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بعد اِبلیس نے اپنے مددگاروں کے درمیان فریاد بُلند کی تو تمام شیاطین اُس کے گرد جمع ہو گئے اور کہا کہ اے ہمارے آقا! کس چیز سے خوفزدہ ہو؟ اُس نے کہا کہ وائے ہو تم پر، میں گذشتہ شب سے آسمان وزمین میں سرگرداں ہوں کہ کیا نئی اور عجیب بات رونما ہوئی ہے کہ ولادتِ عیسیٰ (علیہ السلام) سے لے کر اب تک میں نے ایسا نہیں دیکھا۔ تم جاؤ اور جو کچھ پیش آیا ہے مجھے اُس کی خبر کرو۔ وہ سب چاروں طرف پھیل گئے پھر واپس آ کر کہنے لگے کہ ہمیں تو کچھ بھی نیا نہیں لگا۔ اِبلیس نے کہا کہ تم ٹھہرو میں خود دیکھتا ہوں۔ پھر اُس نے تمام دُنیا میں گھوم پھر کر دیکھا یہاں تک کہ حرمِ مکّہ میں دیکھا کہ فرشتے حرم کو تھامے ہوئے ہیں۔ اِبلیس نے چاہا کہ وہ اُس میں داخل ہو مگر اُسے حکم ہُوا کہ واپس چلے جاؤ۔ لہٰذا وہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے روپ میں غارِ حرا کی طرف سے نمودار ہُوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اُسے دھمکایا اور کہا کہ جاؤ اے ملعون!۔ اُس نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اے جبرائیل! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ گزشتہ شب سے اب تک کیا واقعہ رُونما ہُوا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ مُحمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی ہے۔ اِبلیس نے کہا کیا اُن میں میرا حصّہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں، اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تیرا کوئی حصّہ نہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کہ کیا اُن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت میں میرا کوئی حصّہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں ہے تو کہنے لگا کہ میں اِس پر راضی ہوں۔ (امالی الشیخ صدوقؒ ص ۲۷۱)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر تک ابلیس کی رسائی نہیں تھی اور یہ

روایت کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہء اطہر کو چاک کر کے اُس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دِل کو باہر نکالا اور اُس میں سے ایک لوتھڑا خون کا یہ کہہ کر نکالا کہ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اندر (معاذ اللہ) شیطانی حصّہ ہے، سراسر غلط ہے۔

(۲) تمام اہلِ علم اِس روایت سے واقف ہیں جو متعدد کتبِ احادیث میں موجود ہے اور جسے اکثر صحابۂ کرامؓ نے نقل کیا ہے کہ اُم المومنین حضرت اُمِ سلمیٰؓ کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی یمنی چادر کے نیچے حضرت امام علی علیہ السلام، حضرت فاطمۃ الزہرہ علیہا السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ تشریف فرما تھے تو آیت مبارکہ نازل ہوئی، ''إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا'' (اے اہل بیت! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رِجس (آلودگی/نجاست) کو دُور رکھے اور تمہیں اِس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔ آیت ۳۳: سورۃ الاحزاب)

اللہ ربُ العزت سب سے بڑھ کر حکیم و دانا ہے اور اُس کا کلام بھی حکمت سے بھرپور ہے۔ اگر ہم اس آیتِ مبارکہ کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اِس کا ہر لفظ ایک اہم حقیقت کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ جیسے ''اے اہل بیت! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر قسم کے رِجس کو تم سے دُور رکھے....'' غور کیجیے! فرمایا جا رہا ہے ''تم سے'' دُور رکھے، یہ نہیں فرمایا کہ ''تمہیں'' دُور رکھے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر رِجس سے ''تمہیں'' دُور رکھے.... تو کہنے والوں کو یہ کہنے کا موقع مِل جاتا کہ وہ بھی انسان تھے اور رِجس کی طرف مائل ہو جانے کا (معاذ اللہ) طبعی رُجحان رکھتے تھے اِسی لیے اللہ نے فرمایا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ''تمہیں'' ہر رِجس سے دُور رکھے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہر رِجس کو ''تم سے'' دُور رکھے یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت علیہم السلام کا طبعی رُجحان رِجس کی طرف تھا ہی نہیں اس لیے رِجس کو بھی پابند کر دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کا رُخ نہیں کرسکتی، تو پھر سرورِ انبیاء ﷺ کے قلبِ مطہر میں شیطانی حصّے کی وہ رِجس (معاذ اللہ) کیسے سما گئی جسے بعدازاں بذریعہ آپریشن نکالنا پڑا؟ اِس آیتِ کریمہ کا دوسرا غور طلب نکتہ یہ ہے کہ فرمایا جارہا ہے کہ ہر رِجس کو تم سے دُور ''رکھے''، یہ نہیں فرمایا کہ دُور ''کرے''۔ دُور رکھنے سے مراد ہے کہ رِجس کبھی قریب آئی ہی نہیں بلکہ اُس کو کہیں اور ہی پابند کر دیا گیا تھا۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ دُور ''کرے'' تو اِس کا مطلب نکالنے والے یہ نکالتے کہ رِجس قریب تھی (معاذ اللہ) اِس لیے اُسے دُور کرنے کی اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے تمنا کی اور آخر کار جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نبی ﷺ کا قلبِ مطہر چاک کر کے ایسا کیا گیا، نہیں! بالکل نہیں! رسول گرامی ﷺ کی عظیم و معصوم ہستی ہر رِجس سے پاک ہے، ازل سے اور ابد تک کیونکہ اللہ یہی چاہتا ہے اور یہی مندرجہ بالا آیت مبارکہ اور متعدد دوسری آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے۔

(۳) ایک عظیم تخلیق کار کی تخلیق نقائص سے پاک ہوتی ہے جبھی وہ عظیم کہلاتا ہے۔ خالقِ کائنات تو عظیم ترین تخلیق کار ہے۔ وہ ہر شے کو پیدا کرنے والا ہے، لاتعداد اشجار، چرند، پرند، حشرات، پھل، پھول اور اجناس وغیرہ وغیرہ۔ اُس کی پیدا کردہ ہر جنس اپنی فطرت کے عین مطابق ہے، کبھی یہ نہیں ہُوا کہ گلاب کے کانٹے غلطی سے چنبیلی کے پھول کو لگ گئے ہوں یا آم کے پھل میں کریلے کی کڑواہٹ سما گئی ہو۔ وہ خالقِ اعظم جس شے کو جیسے خلق کرنا چاہتا ہے وہ اُس کے حکم کے عین مطابق ویسے ہی تخلیق ہوتی ہے، پھر کیا اللہ ربُ العزت سے (معاذ اللہ) اپنے محبوب ﷺ کی تخلیق میں کوئی غلطی ہوگئی تھی جو شیطان نے اپنا حصّہ آپ ﷺ کے قلب میں ڈال دیا اور اِس پر ستم یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کہ علیم و خبیر ہے، اُس کو (معاذ اللہ) اِس کی خبر تک نہیں ہوئی اور اِس لیے بعدازاں شقُ الصدر کر کے اُس حصّہ کو نکالنا پڑا؟ تو پھر سینہ شق کر کے اپنے محبوب کو تکلیف دینے

میں کیا حکمت تھی؟ وہ تو ''کُنْ'' کہتا ہے اور جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے، یہاں کیوں نہ ''کُنْ'' کہا؟ ایک فرشتے کے ہاتھوں آپریشن کروانے کی کیا ضرورت تھی؟ یا پھر اللہ سب جانتا تھا اور اُس نے آپ ﷺ کو جان بوجھ کر اِس طرح بنایا؟ اگر جان بوجھ کر اِس طرح بنایا تو پھر اِس میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی؟

(۴) یہ آپریشن پہلی مرتبہ کامیاب کیوں نہ ہُوا؟ چار یا پانچ بار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا خالقِ کائنات (معاذ اللہ) پہلے آپریشن میں ناکام رہا؟ اللہ جل شانہٗ کے لیے ''ناکامی'' جیسے کلمات کا سوچنا بھی کفر ہے۔

(۵) روایات میں ہے کہ یہ عمل پانچ مرتبہ دہرایا گیا۔ تین سال کی عمر میں، دس سال کی عمر میں، بعثت کے وقت اور معراج کی شب جبکہ پانچویں بار میں اختلاف ہے۔ تو کیا ہر آپریشن کے بعد شیطان اپنا حصّہ رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مطہر میں پھر ڈال دیا کرتا تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)؟ اور اللہ کے رسول ﷺ جو طیّب و طاہر ہیں اور ولادت سے پہلے بھی جن کا نُور ہمیشہ اصلابِ طیّبہ سے ارحامِ مطہرہ میں منتقل ہوتا رہا، اس دوران اپنے قلبِ مطہر میں شیطان کا حصّہ (معاذ اللہ) لیے ہوئے رہے؟ یہ تصوّر بھی ہمارے نزدیک گناہِ کبیرہ ہے۔

(۶) اب ہم ایک اور زاویے سے اس روایت کو دیکھتے ہیں۔ کیا قلبِ انسان میں شیطان کا یہ حصّہ تخلیقِ انسانی کے عمل میں شامل ہے؟ یا اِس کا تعلُّق محض انبیاء و صالحین سے ہے؟ اگر اِس کا تعلُّق انبیاء و صالحین سے ہے تو گزشتہ انبیاء کے سینے شق کر کے یہ عمل کیوں نہ کیا گیا اور اُنہیں اِس حصّے سمیت ہی کیوں رکھا گیا؟ جب کہ ہر نبی معصوم اور پاک ہوتا ہے۔ سرورِ انبیاء ﷺ کے ساتھ ہی ایسا کیوں کیا گیا؟ یا پھر گزشتہ انبیاء کرام کے قلوب میں وہ حصہ نہیں تھا اور یہ معاملہ (معاذ اللہ)

صرف حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے ہی ساتھ تھا؟ تو پھر نبیوں کے سردار ﷺ کے ساتھ ہی ایسا کیوں؟ کیا حکمتِ الٰہی نہاں تھی اس میں؟

اور اگر اِس کا تعلُّق تخلیقِ انسانی کے مقررہ عمل کے ساتھ ہے تو اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ یہ شیطانی حصّہ ہر انسان کے قلب کا ایک جزو ہے اور اگر واقعی ایسا ہے تو کیا اللہ رَبُّ العزت کا قائم کردہ سزا وجزا کا عمل معاذ اللہ غیر منصفانہ نہیں ہو جاتا؟ روزِ محشر اپنی بداعمالیوں کی سزا سننے کے بعد کیا ہم روزِ جزا کے مالک کے رُوبرو یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ مالک! تُو نے تو ہمیں پیدا ہی ایسا قلب دے کر کیا جس میں شیطانی حصّہ شامل تھا، اور اگر ہمارے قلوب کا بھی اپنے نبی ﷺ کے قلبِ انور کی طرح آپریشن کروا دیا ہوتا تو ہم بھی شیطان مردُود کے شر سے بچے رہتے۔ اب اِس میں ہمارا کیا قصور؟ ہمیں سزا دینا تو سراسر تیرے عدل کے منافی ہے (معاذ اللہ)۔

۷) تقریباً تمام مکاتبِ فکر کے لوگ اِس پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ مختون اور ناف بریدہ حالت میں بطنِ مادر سے دُنیا میں تشریف لائے۔ جیسا کہ مدارج النبوَّت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب فرماتے ہیں، ''جاننا چاہیے کہ جمہور اہلِ سیر کا مذہب ہے کہ حضور ﷺ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت اَنس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام عزت وکرامت میں جو ربُ العزت کے حضور مجھے حاصل ہے، (ایک) یہ (بھی) ہے کہ میں ختنہ کردہ پیدا ہُوا اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ ارشاد، ختنہ شدہ پیدا ہونے کی حکمت کی جانب ایک اشارہ ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حکمت یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی کمال خلقت اور تکمیل اعضاء میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہ ہو نیز یہ بھی کہ کوئی عیب آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۳) حضرت آمنہ بھی فرماتی ہیں کہ وقت ولادت آپ ﷺ ناف بریدہ تھے۔

(الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ ص ۱۲۴ مصنفہ امام عبدالرحمٰن ابن جوزی)

شکمِ مادر میں ایک آنت (Umbilical Cord) کے ذریعے سے جو بچّے کی ناف سے منسلک ہوتی ہے، ماں کے پیٹ میں موجود پلے زینٹا (Placenta) کے مادوں سے جو کہ آکسیجن اور خون وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں، نشوونما کے لیے بچّے کو غذا فراہم ہوتی ہے۔ ہر بچّہ شکمِ مادر میں اِسی خون اور مادے سے (جو کہ نجس ہوتا ہے) پرورش پاتا ہے۔ اِس آنت (Umbilical Cord) کا دوسرا مقصد بچّے کے جسم سے خارج ہونے والے فاضل مادوں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو ماں کے بدن میں منتقل کر کے ماں کے جسم کے ذریعے خارج کرنا ہوتا ہے۔ تقریباً اِسی طرح کا مضمون مائیکروسافٹ انکارٹا انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

Umbilical Cord: Long flexible cord that allows a fetus to be nourished as it grows and develops within the uterus, or womb. On one end, the cord attaches to the abdominal area of the fetus. On the other end, the cord attaches to the placenta. It is in the placenta that the blood vessels of the mother and fetus exchange contents from each other's circulatory systems. The umbilical cord contains two large arteries, which deliver oxygen and nutrients to the fetus from the placenta and one large vein, which carries carbon dioxide and other wastes from the fetus to the placenta. Transferred to the bloodstream, most of these wastes are soon eliminated through the mother's excretory system.

(Microsoft ® Encarta ® Encyclopedia 2005 © 1993-2004 Microsoft Corporation)

اور حضور ﷺ کا وقتِ ولادت ناف بریدہ ہونا اِس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کے جسمِ اطہر میں وہ آنت (Umbilical Cord) تھی ہی نہیں جسے ولادت کے بعد کاٹا جاتا ہے اور آپ ﷺ کی پرورش شکمِ مادر میں بھی کسی قسم کی نجاست سے نہیں کی گئی۔ آپ ﷺ جب شکمِ مادر میں بھی ہر نجاست سے پاک تھے تو پھر وہ شیطانی نجاست آپ ﷺ کے قلب میں کہاں سے آ گئی؟ اُس سے پاک رکھنے کا انتظام خالقِ اعظم نے کیوں نہ فرمایا؟

۸) حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب دُنیا میں تشریف لائے تو عام بچوں کی طرح نہیں آئے۔ آپ ﷺ نے دُنیا میں آتے ہی دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، سجدہ ریز ہوئے اور پھر

آسمان کی طرف نگاہ کی۔

اہلِ اسلام میں ولادت کے بعد ہر بچّے کو غسل دیا جاتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر اُس کے کان میں اذان واقامت کہی جاتی ہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ولادت کے فوراً بعد اپنے خالق کے حضور سجدہ ریز ہو رہے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پاک و پاکیزہ تھے تو سجدہ کیا۔ اگر وقتِ ولادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری نجاست سے پاک رکھا تو وہ باطنی نجاست کیسے پیدا ہو گئی جس کو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سینہء اطہر چاک کر کے دُور کرنے کی کوشش بار بار کی گئی؟

لہٰذا ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ شقُّ الصدر والی یہ روایت غلط اور قطعی طور پر بے بنیاد ہے اور اس روایت پر ایمان رکھنا اللہ ربُّ العزت اور رسولِ گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

وَّبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

وَّارْحَمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِيْمَ

وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

وفاتِ حضرت سیّدہ آمنہؓ

حضور ﷺ کی عمر چھ سال تھی جب آپ ﷺ نے اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ ۵۷۷ء میں پہلا اور آخری سفر کیا۔ حضرت آمنہؓ آپ ﷺ اور حضرت اُمِ ایمنؓ کو لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوئیں جہاں حضرت عبداللہؓ مدفون تھے۔ حضرت آمنہ نے وہاں خاندانِ نجار کے ہاں قیام کیا جو اُن کے سسرالی رشتہ دار تھے۔ آپ شب و روز شوہر کے مرقد کی زیارت کرتیں اور آنسو بہاتیں۔ کوئی ایک ماہ بعد آپ نے واپسی کا قصد کیا۔ جب جحفہ سے تقریباً ۲۳ میل دُور ابوا نامی گاؤں پہنچیں تو گویا سفرِ حیات جاری رکھنے کی سکت نہ رہی اور اپنے دُرِ یتیم ﷺ کو اُمِ ایمنؓ کے سپرد کر کے ابوا ہی میں اپنی ابدی آرام گاہ میں مقیم ہو گئیں۔ اُمِ ایمن حضور ﷺ کو لے کر مکّہ پہنچیں اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔

(طبقات/ابن سعد، سیرۃ النبی/ﷺ شبلی نعمانی)

کم سِنی میں ہی حضور ﷺ کے والدین کی رِحلت کا فلسفہ

آنحضرت ﷺ ولادت سے پہلے ہی اور بعض روایات کے مطابق ولادت کے کچھ عرصہ بعد شفیق باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے۔ یتیمی کے محض چار سال، چھ سال یا اِس سے کچھ زیادہ عرصہ کے بعد والدہ ماجدہ کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو یتیم اِس لیے کر دیا تھا اور کم سِنی میں آپ ﷺ کے ماں باپ کو دُنیا سے اِس لیے اُٹھا لیا تھا تا کہ خدا کی اطاعت کے سوا کسی اور کی اطاعت آپ ﷺ پر واجب نہ ہو اور سوائے خدا کے کسی کو آپ ﷺ پر کوئی حق نہ رہے۔ (حیاۃ القلوب)

کفالتِ جناب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی کفالت میں چلے گئے۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے بخوبی واقف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ سال آٹھ ماہ اور آٹھ روز ہوئی تو حضرت عبدالمطلب شدید علیل ہو گئے۔ اُن کی خواہش کے مطابق اُنہیں ایک تخت پر لٹا کر کعبہ معظّمہ کے پردوں کے سامنے لایا گیا۔ اُن کے بیٹے اُن کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آ کر حضرت عبدالمطلب کے پاس تخت پر بیٹھ گئے۔ ابولہب ملعون نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں سے ہٹا دے، حضرت عبدالمطلب نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ اے عبدالعزیٰ تو اِس برگزیدۂ خدا کی عداوت دِل سے دُور نہیں کرے گا؟ اس کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام کی جانب رُخ کر کے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں وصیت کی اور اپنی تمام اولاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرنے کے بارے میں تاکید کی اور فرمایا کہ عنقریب اِس کی عظمت و جلالت تم پر واضح ہو جائے گی، پھر آپ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو قریش کے معزز افراد سے کہا کہ کیا تم لوگوں پر میرا کوئی حق ہے؟ سب لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب پر آپ کا حق ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور سکراتِ موت آپ پر آسان کرے آپ ہمارے اچھے سردار اور بزرگ تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ میں تم کو اپنے فرزند محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حق میں وصیت کرتا ہوں کہ اِس کی عزت کرنا، اپنا سردار سمجھنا اور اِس کے حق اور تعظیم میں کمی نہ کرنا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے سُنا اور جان و دِل سے قبول کیا۔ پھر حضرت پر جاں کنی

کا عالم طاری ہُوا تو سرورِ کائنات ﷺ کو گود میں لیا اور کہا کہ اے سعادتمند فرزند! مجھ سے الگ مت ہونا، جب تک تم میرے پاس ہو مجھے راحت و آرام ہے۔ یہ کہہ رہے تھے کہ آپ کی روح جوارِ رحمتِ پروردگار کی طرف پرواز کر گئی۔ (حیات القلوب)

مختلف روایات کے مطابق حضرت عبدالمطلب کا انتقال بیاسی سال، ایک سو دس سال یا ایک سو بیس سال کی عمر میں ہُوا۔ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ ﷺ کو حضرت عبدالمطلب کا وقتِ وفات یاد ہے تو فرمایا کہ کیوں نہیں؟ میں اُس وقت آٹھ سال کا تھا۔ حضرت اُمِ ایمنؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو حضرت عبدالمطلب کے جنازہ کے پیچھے چلتے اور درد و فراق سے آنسو بہاتے ہوئے دیکھا تھا۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ / امام عبدالرحمٰن)

حضور ﷺ کی کفالت کے لیے حضرت ابوطالبؑ کی نامزدگی

حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کی پرورش و نگہداشت کے لئے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی۔ حضرت ابوطالب، حضور ﷺ کے سگے چچا تھے۔ آپ ﷺ کے چچا اور بھی تھے مگر حضرت ابوطالب کو ترجیح دیئے جانے کی چار بنیادی وجوہات سامنے آتی ہیں۔

اوّل: حضرت عبدالمطلب کی وصیّت۔

دوّم: قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ فال حضرت ابوطالب کے نام نکلا۔

سوّم: خود سرورِ عالم ﷺ نے ہی اُنہیں یہ اعزاز بخشا۔ یعنی جو رِضائے نبی ﷺ تھی وہی رِضائے الٰہی بھی تھی۔

چہارم: اِس اہم ترین فریضہ کو نبھانے کے اہل حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی تھے، کوئی اور نہ تھا۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلبؓ کے وصال کے بعد حضرت ابوطالب رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس لے آئے۔ وہ آپ ﷺ سے اپنی اولاد سے بڑھ کر

محبت کرتے تھے، ہمیشہ آپ ﷺ کو اپنے پاس سُلاتے اور جدھر جاتے اپنے ساتھ لے جاتے۔ آپ ﷺ کے ساتھ اُن کو وہ اُلفت و محبت تھی کہ ایسی اُلفت و محبت اور اتنا عشق و اُنس اور کسی سے نہیں تھا۔ حضرت ابوطالب آپ ﷺ کے بغیر کھانا نہیں کھایا کرتے تھے۔ اُن کی زوجہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد کا بھی حضور ﷺ سے محبت کا یہی عالم تھا۔ وہ حضور ﷺ کے لیے ہمیشہ خصوصی طعام کا اہتمام فرماتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کو بھی اُن سے بہت محبت تھی۔ جب اُن کا انتقال ہُوا تو آپ ﷺ نے اُن کے کفن کے لیے اپنا کرتہ مبارک عطا فرمایا اور جب اُنہیں لحد میں اُتارا گیا تو آپ ﷺ بھی لحد میں اُن کے ساتھ لیٹ گئے تھے۔ آپ ﷺ اُن کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے چچا ابوطالب کے بعد میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اِن سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا۔ (اسد الغابۃ، رحمۃ للعالمین/ ﷺ قاضی محمد سلیمان منصور پوری)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَّا اخْتَلَفَ الْمَلَوَانِ وَ تَعَاقَبَ الْعَصْرَانِ وَ کَرَّ الْجَدِیْدَانِ وَاسْتَقْبَلَ الْفَرْقَدَانِ وَبَلِّغْ رُوْحَہٗ وَ اَرْوَاحَ اَھْلِ بَیْتِہٖ مِنَّا التَّحِیَّۃَ وَالسَّلَامَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ کَثِیْرًا ○

رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ سفرِ شام

حضرت ابوطالبؑ بغرضِ تجارت شام کی طرف تشریف لے گئے تو نبی اکرم ﷺ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال تھی۔ جب قافلہ بصرہ پہنچا تو ایک دَیر اور صَومعہ (یہودیوں کی عبادت گاہ) کے قریب پڑاؤ ڈالا جہاں قوم نصاریٰ کے علماء اور بحیریٰ نامی راہب کا قیام تھا۔ بحیرا (بحیریٰ/بحیرا۔ یہ نام دونوں طرح سے لکھا جاتا ہے) نے دیکھا کہ قافلہ پر ایک بادل سایہ کیے ہوئے تھا اور جب اہلِ قافلہ ایک درخت کے نیچے اُترے تو وہ بادل وہیں ٹھہر گیا۔ لوگ درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ جہاں تشریف فرما ہوئے وہاں درخت کا سایہ نہیں تھا چنانچہ درخت کی شاخیں آپ ﷺ کی طرف جھک کر سایہ فگن ہوگئیں۔ یہ حیران کن منظر دیکھ کر وہ صَومعہ سے نیچے آیا اور قافلے والوں کو دعوتِ طعام دی۔ قافلہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے بحیرا! کیا آج کوئی خاص وجہ ہے؟ ہم یہاں مدتوں قیام و کوچ کرتے رہے مگر تُو نے پہلے کبھی دعوت نہیں دی؟ بحیریٰ نے کہا کہ آج تمہیں اس عزت و اکرام کا حقدار سمجھتے ہوئے یہ خدمت سرانجام دینا چاہتا ہوں، پھر وہ آنحضرت ﷺ کو بڑے غور و انہماک کے ساتھ دیکھنے لگا۔ وہ آپ ﷺ کے وجودِ مبارک میں وہ علامات تلاش کرتا رہا جو اُس نے اپنی کتابوں میں پڑھی تھیں اور دِل ہی دِل میں موافقت و تطبیق کرتا رہا۔ جب سارے لوگ کھانا کھا کر چل دیئے تو وہ اُٹھ کر آپ ﷺ کے قریب آیا اور عرض کیا کہ اے شہزادے (ﷺ)! میں آپ (ﷺ) کو قریش کے معبودات لات و عُزیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جو کچھ پوچھوں صاف صاف بتایئے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لات و عُزیٰ کا واسطہ اور قَسم نہ دو کہ میں اُن سے زیادہ کسی شے کو ناپسند اور مبغوض نہیں سمجھتا۔ راہب نے کہا کہ آپ (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ کا

واسطہ اور اُس کے نامِ اقدس کی قسم کہ میں جو کچھ پوچھوں وہ ضرور بتایے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہاں! اب جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔ پھر اُس نے جو پوچھا مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے بتا دیا جو کہ کتبِ سابقہ کی پیش گوئیوں کے عین مطابق تھا۔ اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں غور سے دیکھا پھر دونوں کاندھوں کے درمیان موجود علامتِ نبوّت کو ملاحظہ کیا تو وہ بھی اُسی طرح موجود پائی جس طرح کہ یہود و نصاریٰ کی کتب میں مرقوم تھا۔ پس اُس نے خاتَمِ نبوّت کی جگہ بوسہ دیا اور حضرت ابوطالبؑ سے کہا کہ اپنے عزیز کو لے کر اپنے شہر لوٹ جایئے اور یہود سے اِن کی حفاظت کیجیے، اگر اُنہوں نے اِن کو دیکھ لیا اور جو کچھ میں نے جانا ہے جان لیا تو ایذا رسانی کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ آپ کے اِس بھتیجے کی شانِ عظیم ظاہر ہونے والی ہے۔ ہمیں یہ اُمور اپنی کتابوں سے اور آباؤ اجداد کی روایات سے معلوم ہوئے ہیں، پس میں نے اپنا حقِ نصیحت و خلوص ادا کر دیا ہے۔ چنانچہ جناب ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر واپس چلے گئے اور اس کے بعد کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر شام کر طرف نہیں گئے کہ مبادا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی گزند اور تکلیف پہنچے۔ (مدارج النبوّت، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سفرِ شام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زبانی

شیخ الصدوقؒ فرماتے ہیں کہ بیان کیا ہم سے احمد بن حسن قطان، علی بن احمد بن محمد اور محمد بن احمد شیبانی نے، اُن سے ابوالعباس احمد بن محمد بن یحییٰ زکریا قطان نے، اُن سے محمد بن اسماعیل برمکی نے، اُن سے عبداللہ بن محمد نے، اُن سے اُن کے والد نے، اُن سے ہیثم نے، اُن سے محمد بن سائب نے، اُن سے ابوصالح نے، اُن سے ابنِ عباس نے اور اُن سے اُن کے والد عباس نے کہ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ حضرت محمدؐ آٹھ سال کے تھے، میں نے تجارت کے لیے شام جانے کا ارادہ کیا، اُس وقت ہوا بہت گرم تھی، میرے رشتہ داروں نے کہا کہ محمدؐ کو کس کے پاس

چھوڑو گے؟ میں نے کہا کہ اپنے ساتھ لے جاؤں گا کیونکہ مجھے کسی کا اعتبار نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اِس گرم موسم میں بچّے کو سفر پر لے جانا مناسب نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ واللہ میں اِس کو خود سے جُدا نہیں کرسکتا میں اِس کے لیے ایک محمل تیار کروں گا اور اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ غرض میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک اُونٹ پر سوار کیا اور چل پڑا۔ میں اُن کے اُونٹ کو ہر وقت اپنے سامنے رکھتا تا کہ وہ میری نگاہوں سے اوجھل نہ ہوں۔ جب دُھوپ تیز ہوتی تو ایک سفید بادل آتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر سایہ فگن ہوجاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں جہاں جاتے وہ بادل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ جاتا اور ایک ثانیے کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ ہٹتا۔ اکثر اُس میں سے عمدہ قسم کے پھل گرتے۔ ایک روز دورانِ سفر پانی کی قلت ہوگئی، قافلے والے ایک مَشک پانی دو دینار کے عوض خریدتے لیکن ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وافر پانی موجود رہتا اور کسی وقت بھی کم نہ ہوتا۔ ہم جس منزل پر ٹھہرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے حوض بھر جاتے اور وہاں کی زمین سرسبز وشاداب ہوجاتی۔ راستے میں کوئی اُونٹ تھک کر بیٹھ جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دستِ مبارک اُس پر پھیر دیتے اور وہ اُٹھ کر چل پڑتا (گویا کہ اُس کی تھکن جاتی رہتی اور وہ تازہ دم ہوجاتا)۔ جب ہم بصرہ کے نزدیک پہنچے تو ایک راہب کا صَومعہ نظر آیا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ صَومعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لیے گھوڑے کی طرح تیز چلتا ہُوا آیا اور ہمارے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اُس میں ایک نصرانی راہب تھا۔ وہ راہب کسی سے گفتگو نہیں کیا کرتا تھا اور نہ ہی اُس طرف سے گزرنے والے تجارتی قافلوں میں سے کسی کا حال دریافت کرتا تھا۔ اُس نے صَومعہ کو حرکت میں دیکھا اور قافلہ پر نگاہ پڑی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا اور کہا کہ جو کچھ میں نے پڑھا اور سُنا ہے اگر وہ سچ ہے تو ''وہ'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ ہم لوگ ایک بڑے درخت کے نیچے ٹھہرے جو اُس صَومعہ کے نزدیک تھا، اُس کی

شاخیں خشک ہو چکی تھیں اور اُس میں پھل نہیں لگتے تھے، قافلے ہمیشہ اُسی کے نیچے ٹھہرا کرتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس درخت کے نیچے رونق افروز ہوئے تو وہ سرسبز و شاداب ہو گیا اور اُس میں بہت سی شاخیں نکل آئیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ فگن ہو گئیں۔ اُس میں تین قسم کے پھل لگ گئے، دو گرمیوں کے موسم کے اور ایک جاڑے کے موسم کا۔ قافلہ والے یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوئے۔ وہ راہب بھی، جس کا نام بحیریٰ تھا، حیران رہ گیا۔ وہ اپنے صَومعہ سے باہر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ کر بولا کہ یہ بچّہ کس کے ساتھ ہے؟ میں نے کہا کہ میں اِن کی خدمت میں رہتا ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ آپ کا اِن سے کیا رشتہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں اِن کا چچا ہوں۔ اُس نے کہا کہ اِن کے تو کئی چچا ہیں۔ آپ کون سے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں اِن کے باپ کا حقیقی بھائی ہوں، یعنی ایک ماں سے۔ یہ سنتے ہی وہ بول اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لڑکا وہی ہے جس کو میں جانتا ہوں اور اگر یہ وہی نہ ہُوا تو پھر میں بحیریٰ نہیں۔ پھر وہ بولا کہ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اِن کی خدمت میں کھانا پیش کروں؟ میں نے کہا، ہاں! پھر میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ضیافت کے لیے کھانا لایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا صرف میرے لیے لایا ہے؟ میرے ساتھیوں کے لیے نہیں؟ میں نے محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ناپسند فرما رہے تھے لہٰذا میں نے عرض کیا کہ اے میرے فرزند! وہ آدمی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خاطر داری کرنا چاہتا ہے اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اِس میں سے تناول فرمالیں۔ بحیریٰ نے کہا کہ اِس سے زیادہ میرے پاس نہیں تھا، یہ صرف آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اپنے ساتھیوں کے بغیر نہیں کھاؤں گا کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں اِن سب کو اِس کھانے میں شریک کرلوں؟ اُس نے کہا ضرور! ضرور!۔ (یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت اپنے بچپن میں ہیں اور اس کم

سِنی میں بھی اصول وضوابط کی پاسداری کا یہ عالم ہے کہ ایک شخص کھانا ہدیہ کر رہا ہے مگر آپ ﷺ دوسروں کو اُس میں شامل کرنے سے پہلے ہدیہ کرنے والے سے اجازت طلب فرما رہے ہیں۔مؤلف) پس، آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ بسم اللہ! کھاؤ۔حضرت ابو طالب کہتے ہیں کہ ہم ایک سو ستر آدمی تھے جنہوں نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہوئے اور وہ پھر بھی اُتنے کا اُتنا ہی رہا۔بحیریٰ، آپ ﷺ کی خدمت میں کھڑا پنکھا جھل رہا تھا اور طعامِ قلیل سے افرادِ کثیر کے سیر ہونے پر حیرت زدہ تھا۔وہ بار بار جھک کر آپ ﷺ کا سرِ اقدس چومتا اور کہتا کہ مسیح کے خدا کی قسم! یہ ''وہی'' ہیں مگر لوگ انہیں نہیں سمجھتے۔آخر قافلے میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے راہب! تیری باتیں عجیب ہیں، ہم اکثر تیرے صَومعہ کی طرف سے گزرتے ہیں مگر تُو نے کبھی ہماری طرف توجہ نہ دی۔بحیریٰ نے کہا کہ ہاں! لیکن اِس مرتبہ میرا حال عجیب ہے، میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا اور چند ایسے اُمور جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، یہ جو اِس درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں اگر تم اِن کو پہچان لیتے جس طرح میں پہچانتا ہوں تو یقیناً اپنی گردنوں پر سوار کر کے اِن کے وطن تک لے جاتے۔خدا کی قسم! میں اِس مرتبہ تمہاری جو عزت کر رہا ہوں تو صرف اِن کی وجہ سے۔جب وہ میرے صَومعہ کے قریب آئے تو میں نے اِن کے آگے ایک نُور دیکھا جو زمین سے آسمان تک پھیل رہا تھا اور کچھ مردوں کو دیکھا جو یاقوت وزبرجد کے پنکھے ہاتھوں میں لیے ہوئے حضرت (ﷺ) کو جھل رہے تھے اور ایک دوسری جماعت طرح طرح کے میوے لیے ہوئے اِن پر نثار کر رہی تھی اور اَبر اِن پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اِن سے جُدا نہیں ہوتا۔میرا عبادت خانہ اِن کے استقبال کے لیے گھوڑے کی طرح دوڑ پڑا۔یہ درخت مدتوں سے خشک تھا، اِس میں شاخیں بہت کم تھیں، یہ اِن کے اعجاز سے سرسبز وشاداب ہو گیا، اِس میں نئی شاخیں نکل آئیں اور تین طرح کے پھل پیدا ہوئے، دو گرمیوں کے موسم کے اور ایک سردی کے

موسم کا اور یہ تمام حوض اُس زمانے سے خشک پڑے تھے جب سے بنی اسرائیل کے حواریوں کے بعد اُن میں اختلاف وفساد پیدا ہُوا۔ ہم نے کتابِ شمعون میں پڑھا ہے کہ شمعون نے اُن لوگوں پر لعنت کی تھی اور فرمایا تھا کہ جب تم دیکھو کہ اِن حوضوں سے پانی نکل آیا ہے تو سمجھ لو کہ اُس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برکت سے ہے جو شہر تہامہ (مکّہ) میں ظاہر ہوگا اور مدینہ کی طرف ہجرت کرے گا۔ اُن کی قوم میں اُن کا نام ''امین'' اور آسمان میں ''احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' ہوگا۔ وہ نسلِ اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام سے ہوں گے۔ خدا کی قسم یہ وہی ہیں۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہُوا اور کہا کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں موجود تین علامات کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں اور لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ جواب عنایت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لات وعزیٰ کا نام سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ اُن کے واسطے سے کچھ مت پوچھو، خدا کی قسم میں کسی کو اُن سے زیادہ دشمن نہیں رکھتا، یہ دونوں پتھر کے بُت ہیں۔ یہ سُن کر بحیریٰ نے کہا کہ یہ پہلی علامت ہے۔ پھر کہا کہ اچھا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ بتائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اب جو چاہو پوچھو کہ تم نے مجھے اُس خدا کی قسم دی ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اور جس کا کوئی مثل نہیں ہے۔ بحیریٰ نے کہا کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خواب اور بیداری کا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر حالات دریافت کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سوالوں کے جواب دیئے۔ اُس نے تمام جوابات و اُمور اپنی کتابوں میں لکھے ہوئے مضامین کے مطابق پائے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں گر پڑا۔ پاؤں کو چومتا اور کہتا کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کس قدر خوشگوار ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوشبو، تمام پیغمبروں کی پیروی سے بہتر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی ہے، دُنیا میں جو روشنی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سبب سے ہے اور مساجد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام سے آباد ہوں گی گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لشکر کشی کر رہے

ہیں، عربی گھوڑوں پر سوار ہیں، عرب وعجم جبراً وقہراً آپ (ﷺ) کے مطیع وفرمانبردار ہیں اور اُن کے کتنے بہادروں اور سورماؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ لات و عزیٰ کو آپ (ﷺ) نے توڑ ڈالا ہے، خانہ کعبہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اور اُس کی کنجی جس کو چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں۔ جنّت ودوزخ کی چابیاں آپ (ﷺ) کے پاس ہیں اور عظیم فائدہ آپ (ﷺ) کے ساتھ ہے۔ آپ (ﷺ) ہی ہیں جو بتوں کو توڑیں گے۔ آپ (ﷺ) ہی ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تمام بادشاہ ذِلت وخواری کے بعد آپ (ﷺ) کے دِین میں داخل نہ ہوجائیں۔ بحیرا نے دوبارہ آپ (ﷺ) کے دست وپائے مبارکہ کو بوسہ دیا اور کہا کہ اگر میں آپ (ﷺ) کے زمانہء نبوّت تک زندہ رہا تو آپ (ﷺ) کے سامنے آپ (ﷺ) کے دشمنوں سے مقابلہ وشمشیر زنی (جہاد) کروں گا۔ آپ (ﷺ) ہی بہترین انسانوں اور پرہیز گاروں کے پیشوا اور خاتمُ المرسلین (ﷺ) ہیں۔ خدا کی قسم آپ (ﷺ) کے یومِ ولادت پر زمین خنداں ہوئی اور تا قیامت خنداں رہے گی۔ خدا کی قسم گرجے، بُت خانے اور شیاطین آپ (ﷺ) کے ظہور کی وجہ سے گریاں کناں ہیں اور وہ تا قیامت گریہ کرتے رہیں گے۔ آپ (ﷺ) ہی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بشارت ہیں اور آپ (ﷺ) جاہلیت کی نجاستوں سے ہمیشہ پاک اور طاہر رہے ہیں۔ پھر بحیریٰ نے میری طرف رُخ کیا اور کہا کہ آپ اِن کو اپنے شہر واپس لے جائیں کیونکہ رُوئے زمین پر کوئی ایسا یہودی، عیسائی اور صاحبِ کتاب نہیں ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ آپ (ﷺ) کی ولادت ہوچکی ہے اور ہر کوئی آپ (ﷺ) کو آپ (ﷺ) کی علامتوں کے ساتھ دیکھتا اور پہچانتا ہے جس طرح میں پہچانتا ہوں۔ وہ آپ ﷺ کو نقصان پہچانے کے لیے مکر وحیلہ کریں گے اور یہودی تو اِس میں پیش پیش رہیں گے۔ میں نے پوچھا کہ اُن کی عداوت کا سبب کیا ہے؟ بحیریٰ نے جواب

دیا کہ تمہارے بھائی کا بیٹا پیغمبر ہوگا اور جبرائیل علیہ السلام اِن پر نازل ہوں گے جس طرح موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) پر نازل ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ اللہ اِن کو تنہا نہیں چھوڑے گا کہ کوئی اِنہیں ضرر پہنچا سکے۔ پھر ہم شام کے لیے عازم سفر ہوئے۔ ہم شام کے نزدیک پہنچے تو واللہ! وہاں کے قصر حرکت میں آ گئے اور آفتاب کے نُور سے زیادہ روشن ایک نُور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ساطع ہوا۔ وہاں اُن لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے بازار میں داخل ہونا ممکن نہ رہا جو ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حُسن و جمال اور فضل و کمال کا شہرہ تمام اطرافِ شام میں پہنچا۔ جہاں جہاں راہب اور عالم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گِرد آ کر جمع ہو گئے۔ علمائے اہلِ کتاب کا سب سے بڑا عالم، تین روز تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا لیکن کوئی گفتگو نہیں کی۔ تیسری شب وہ حاضر ہُوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے یوں پھرنے لگا جیسے کوئی التماس کرنا چاہتا ہو۔ میں نے پوچھا کہ اے راہب تُو کیا چاہتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اِن کا نام کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ ان کا نام مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابنِ عبداللہ ہے۔ خدا کی قسم! یہ سنتے ہی اُس کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ آپ اِن سے گزارش کریں کہ اپنے شانے کھولیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شانے پر سے کپڑا ہٹایا تو اُس کی نگاہ مُہرِ نبوّت پر پڑی۔ وہ بے تاب ہو کر مُہرِ نبوّت کو چومنے لگا اور مجھ سے کہا کہ بہت جلد اِس بچّے کو واپس اِس کی جائے پیدائش پر لے جایئے۔ اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ اس سرزمین پر اِن کے کتنے دشمن ہیں تو آپ اِنہیں ہرگز اپنے ہمراہ نہ لاتے۔ پھر وہ روزانہ آتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لذیذ کھانے لاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرتا اور مراسمِ خدمت بجالاتا۔ جب ہم لوگ وہاں سے واپس چلے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک پیراہن لایا اور عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اِس کو پہن لیجیے شاید اِس کے سبب سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے یاد فرما لیا کریں۔ میں نے دیکھا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے، تب میں نے وہ پیراہن لے کر رکھ لیا اور کہا کہ میں اِن کو پہنا دوں گا اور نہایت عجلت کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر مکّہ واپس آ گیا۔ خدا کی قسم اُس روز جو کوئی بھی مکّہ میں تھا، عورتیں یا مرد، جوان یا بوڑھے اور چھوٹے یا بڑے، سب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا سوائے ابوجہل کے کیونکہ وہ نہایت لا اُبالی، نفس کا غلام اور مدہوش شخص تھا۔ (کمال الدین ج ا ص ۲۱۳ / شیخ الصدوق)

اِنہی اسناد کے ساتھ عبداللہ بن محمد سے بھی مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد اور عبدالرحمٰن بن محمد نے بیان کیا، اُن سے محمد بن عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے، اُن سے اُن کے والد نے اور اُن سے اُن کے جَد نے بیان کیا کہ حضرت ابوطالب فرماتے ہیں کہ جب بحیرا نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت کیا تو وہ بہت رویا اور کہا کہ اے فرزندِ آمنہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام عرب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ دشمنی اور جدال کرے گا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عزیز و اقارب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قطع تعلُّق کر لیں گے۔ اگر وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قدر جانتے تو اپنے بیٹوں سے زیادہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عزیز رکھتے۔ پھر مجھ سے کہا کہ اے عمِ محترم! اِن کی قرابت کا لحاظ کیجئے گا اور اپنے والد کی وصیت کا خیال رکھیے گا، بہت جَلد قریش آپ سے کنارہ کش ہو جائیں گے مگر آپ پرواہ نہ کیجئے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنے ایمان کا (برملا) اعلان نہیں کریں گے مگر باطن میں اِن کی نبوّت پر ایمان رکھیں گے۔ آپ کا ایک بیٹا ہوگا جو ایمان کا اظہار بھی کریگا اور ان کا مددگار بھی ہوگا۔ آسمانوں میں اُس کا نام ''شیرِ شجاع'' اور زمین میں ''شجاع الانزاع'' ہوگا۔ اُس کے دو فرزند دلبند ہوں گے۔ وہ سیّدِ عرب اور اُمت کا ذوالقرنین ہوگا اور خدا کی کتابوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب سے زیادہ معروف ہوگا۔ حضرت ابوطالب کہتے ہیں کہ خدا کی قسم بحیرا کی بیان کردہ تمام صفات میں سے اکثر میں نے ملاحظہ کیں۔

(کمال الدین ج ا ص ۲۱۷ / شیخ الصدوق)

عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ
اور ہبل، لات وعزیٰ وغیرہ

شروع میں عرب کے لوگ دِین ابراہیمی کی وجہ سے توحید پرست تھے لیکن بیرونی دُنیا کی بُت پرست ومشرک اقوام کے ساتھ میل جول کی وجہ سے اُن میں بُت پرستی کا رُجحان پیدا ہوگیا۔ اس کی ابتدا قریش مکّہ کے ایک سردار عمرو بن لحی نے کی۔ وہ ایک دفعہ شام جارہا تھا کہ راستے میں اُس نے کچھ لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا۔ بُت پرستوں نے اُسے بتایا کہ بُت ہمارے حامی ومددگار رہوتے ہیں اور ہماری حاجات پوری کرتے ہیں۔ عمرو اُن کی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور ایک بُت لاکر خانہ کعبہ میں رکھ دیا۔ اُس بُت کا نام ''ہبل'' تھا، وہ اُسکی پوجا کرنے لگا۔ دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی اُس کی پوجا شروع کردی۔ کچھ عرصہ بعد مزید بُت لاکر وہاں رکھ دیئے گئے اور لوگ باقاعدہ اُن کی پرستش کرنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ ''ہبل'' زُحل ستارے (سیارے) کا ایک خیالی مجسمہ تھا۔ ایک بُت طائف میں تھا جس کا نام ''لات'' تھا۔ ''عزیٰ'' ایک دیوی تھی جس کا مندر مکّہ سے چند میل دُور ''نخلہ'' میں تھا۔ دومتہ الجندل میں ''سواع'' کا بُت تھا، قبیلہ ہذیل اُس کی پوجا کرتا تھا۔ جدّہ کے ساحل پر ''سعد'' کا مجسمہ نصب تھا اور اُس کی پرستش بنو ملکان بن خزیمہ بن مضر کیا کرتے تھے۔ مکّہ میں صفا و مروہ پر ''اساف'' اور ''نائلہ'' کے اصنام تھے، اُس دور میں بُت پرستی کے لیے آنے والے لوگ اُن کو چوما کرتے تھے۔ بنو ثقیف کا بُت طائف میں تھا جبکہ جبار، مناف، اوال اور محرق کے مجسمے عکاظ میں تھے اور ہوازن، قریش، بکر و تغلب کے قبائل اُن کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ کے قبائل اوس، خزرج اور غسان ''منات'' کی اور قبیلہ کلب جو دومتہ الجندل میں رہتا تھا، ''ودّ'' نامی بُت کی پوجا کرتے تھے۔ فتحِ مکّہ کے وقت جب نبی اکرم ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو اُس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت تھے۔

(پیغمبر اعظم و آخر ﷺ / ڈاکٹر نصیر احمد ص ۲۰۴)

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرک و بُت پرستی اور فِسق و فجور سے نفرت

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرک و بُت پرستی، مشرکانہ رسوم و قیود اور فسق و فجور سے طبعاً شدید نفرت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن ہی سے بتوں سے متنفر اور بیزار تھے اور اگر لوگ اُن کی طرف جانے کی دعوت دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس قسم کی عرضداشتوں کو قطعاً قبول نہ فرماتے اور ہرگز بتوں کے قریب نہ جاتے بلکہ اُن کی قباحت اور عیوب و نقائص بیان فرماتے۔ احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم (قریش) کے دِین و مذہب پر تھے تو اُس نے بہت بُری بات کہی۔ کیا یہ اَمرِ روزِ روشن کی طرح عیاں نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتوں کے لیے اور انصاب پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت بالکل نہیں کھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرتِ سلیمہ اور خلوصِ نیّت محویت اور تقدیمِ رسالت و نبوّت، ارواحِ انبیاء علیہم السلام کے لیے رُوحِ نبوی کا مربیّ ہونا، ملائکہ کو درسِ تسبیح و تقدیس دینا، اپنے آباؤ اجداد کے اصلاب میں ذکرِ خداوندی اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہنا اور وقتِ ولادت سربسجود ہونا وغیرہ ایسے اُمور ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان باللہ پر شاہد و عادِل ہیں اور ناقابلِ انکار و تردید ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد جو زمانہء شرک میں دارِ فانی سے رِحلت کر گئے وہ بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور اُسی کے لیے حج بھی کرتے تھے حالانکہ وہ دَورِ جاہلیت اور شرک و کفر کا تھا، تو جب وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان سے بے خبر نہیں تھے تو سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں کر بے خبر ہو سکتے تھے؟۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبل و عزیٰ اور لات و منات کا نام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرزو تھی کہ لوگوں کو بھی شرک و بُت پرستی سے نجات دلا کر خدائے واحد کی عبادت کی طرف مائل کیا جائے۔

حربِ فُجار

فجار کے نام سے دو جنگیں مشہور ہیں، ایک کو فجارِ اوّل اور دوسری کو فجارِ ثانی کہتے ہیں۔ فجارِ اوّل کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر دس سال تھی، اس لڑائی میں تین مرتبہ حرب وقتال تک نوبت پہنچی۔

پہلی مرتبہ بدر بن معشر غفاری نامی ایک مغرور شخص کے چیلنج پر بنی نصر کے ایک آدمی احمد بن مازن نے اُس کی ٹانگ کو تلوار کے وار سے الگ کر دیا تھا اور دونوں کے قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔

دوسری مرتبہ بنی کنانہ قریش کے چند شرارتی نوجوانوں نے بنی عامر کی ایک عورت کا کُرتہ پھاڑ ڈالا اور اُس عورت کی پکار پر بنی عامر کے لوگ اکھٹے ہوئے اور بنی کنانہ کے ساتھ لڑائی شروع کر دی۔ اس لڑائی میں دونوں طرف سے کئی آدمی مارے گئے۔

تیسری مرتبہ بنی جشم بن عامر کے ایک شخص کا بنی کنانہ کے ایک آدمی سے قرض کے لین دین پر جھگڑا ہُوا اور یہ تنازعہ رفتہ رفتہ دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ وجدل میں تبدیل ہو گیا۔ بروایتے جنگِ فجارِ اوّل میں رسولِ خدا موجود نہیں تھے۔

فجارِ ثانی، قبیلہ ہوازن اور بنی کنانہ کے درمیان ہوئی۔ اِس کو فجار اِس لیے کہا گیا کہ یہ جنگ حَرم کے اندر ہوئی اور ہتکِ حَرم کا اِرتکاب ہُوا۔ بقولے اِس جنگ میں رسول اکرم ﷺ بھی موجود تھے اور اپنے چچاؤں کو تیر اُٹھا اُٹھا کر دیتے تھے (ہمیں اِس قول سے اتفاق نہیں ہے۔ مؤلف) اور اُس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ایک روایت کے مطابق چودہ سال تھی اور دوسرے قول کے مطابق بیس سال تھی۔

دوسری روایت کے مطابق تجارت پیشہ قریش کے لیے حُجاج وزائرین کی آمد ایک منافع بخش ذریعہ آمدن تھی اِس لیے اُنہوں نے مختلف مقامات پر تجارتی میلوں کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اُن میلوں میں جو لوگ سامانِ تجارت لاتے اُن سے عُشر یعنی دسواں حصّہ بطور محصولِ درآمد وصول کیا جاتا تھا۔ ان

تجارتی میلوں کے فروغ کے لیے اُنھوں نے حرام مہینوں کا نظام رائج کر رکھا تھا یعنی اُن مہینوں میں راہزنی، ڈکیتی، لُوٹ مار، انتقام جوئی اور قتل و غارت گری وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ یہ مہینے محرم، رَجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تھے۔ اِن میں سے کسی بھی مہینے کی حُرمت شکنی ہو جاتی تو اِسے فُجار یعنی ناجائز فعل سمجھا جاتا تھا۔ یہ جنگ بھی کیونکہ اِنہیں حرام مہینوں میں لڑی گئی اِس لیے اِسے فجار کہا جاتا ہے۔ ۷۳ قبل ہجرت/ ۵۸۶ء کا زمانہ تھا، فجار کی لڑائی میں ایک طرف قبیلہ قریش اور بنو کنانہ تھے اور دُسری طرف بنو قیس عَیلان اور بنو ہوازن تھے۔ قریش اور کنانہ کا کمانڈر حرب بن اُمیہ تھا۔ حضور ﷺ اُس وقت سولہ برس کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوطالب نے بھی اِس جنگ میں حصّہ لیا اور آپ ﷺ اپنے چچاؤں کو تیر اُٹھا اُٹھا کر دیتے تھے۔ (ہمارے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔ مؤلف)

(کتاب الوفا باحوال المصطفیٰ/ ﷺ مصنف امام عبدالرحمن ابن جوزی مترجم علامہ محمد اشرف سیالوی)

حربِ فُجار میں حضور ﷺ اور حضرت ابوطالب شریک نہیں تھے

ہمارے نزدیک، رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوطالب کے اِس لڑائی میں حصّہ لینے کی روایت ضعیف اور غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں حرام مہینوں کی یا حرم کی بے حُرمتی اور کسی بھی ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب ناممکن ہے اور ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔ حضرت ابوطالب بھی نہایت متقی اور پرہیز گار انسان تھے، اُس وقت بنی ہاشم کے امیر تھے اور آپ کو اپنے قبیلے میں ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ آپ ہی کو اللہ کے رسول ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جو اِس بات کی دلیل ہے کہ آپ دوسروں سے زیادہ معزز اور اِس اعزاز کے صحیح اہل تھے، تو ایسا عظیم انسان کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کر سکتا جس سے حَرم کی بے حُرمتی ہو یا جو اُس کے مذہب و مِلّت میں ناجائز اور ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہو۔ ابنِ واضح المعروف یعقوبی کہتے ہیں کہ، ''حضرت ابوطالب نے

تمام بنی ہاشم کو جنگِ فجار میں شامل ہونے سے منع کیا اور کہا کہ یہ ظلم و تعدّی، قطع رحم اور حرام مہینوں کو حلال قرار دینے کے مترادف ہے لہٰذا میں اور میرے خاندان میں سے کوئی بھی اِس میں شریک نہ ہوگا۔'' (تاریخ یعقوبی/ابن واضح المعروف یعقوبی)

حلفُ الفضول

قبیلہ زبید کا ایک شخص تجارت کی غرض سے مکّہ میں اپنا مال لے کر آیا۔ وہ مال اُس سے عاص بن وائل نے خرید لیا لیکن معاوضہ ادا نہیں کیا۔ اُس شخص نے بنی عبدالدار، بنی مخزوم، بنی جمع، بنی سہم اور بنی عدی بن کعب وغیرہ سے مدد مانگی مگر اُنہوں نے مدد سے انکار کرتے ہوئے اُسے بھگا دیا۔ زبیدی کوہِ ابوقبیس پر چڑھ کر فریاد کرنے لگا۔ اُس کی فریاد سُن کر زبیر بن عبدالمطلب بہت متاثر ہوئے اور چند افراد کو اکٹھا کر کے اُس کی مدد پر آمادہ کیا۔ اُن افراد کے درمیان ایک معاہدہ ہُوا جسے حلفُ الفضول کہتے ہیں۔ بقولے اس حلف میں شامل اکثر افراد کا نام فضل تھا اس لیے اسے حلف الفضول کا نام دیا گیا۔ اِس معاہدے کی تفصیل یوں ہے کہ عبداللہ بن جُدعان تیمی کے گھر ایک مجلس ہوئی جس میں شریک بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد بن عبدالعزیٰ زہرۃ اور تیم کے افراد نے آبِ زم زم میں ہاتھ ڈال کر عہد کیا کہ مکّہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا خواہ وہ مکّہ کا رہنے والا ہو یا باہر کا، یہ سب اُس کی مدد اور حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اُس کا حق دِلوا کر رہیں گے۔ معاہدے کے بعد اِن لوگوں نے عاص کا محاسبہ کیا اور اُس سے زبیدی کا مال لے کر اُسے لوٹایا۔ یہ واقعہ بعثت سے پہلے کا ہے۔ اِس عہد و پیمان میں رسالت مآب ﷺ بھی شریک ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اِس کی تائید اور تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مجھے پسند نہیں کہ حلفُ الفضول میں شرکت کا معاوضہ (کسی بھی چیز کی صورت میں) چاہے سرخ بالوں والے اُونٹ ہی ہوں قبول کروں۔ (البدایۃ والنہایۃ، الصحیح من سیرت النبی ﷺ، الرحیق المختوم/صفی الرحمٰن مبارکپوری)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیڑ بکریاں چرانا

متعدد روایات میں ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں بھیڑ بکریاں بھی چرائیں۔ اِس ضمن میں مختلف وجوہات بیان کی جاتی ہیں، مثلاً:

ا) تمام انبیاء علیہم السلام نے ایسا کیا کیونکہ بھیڑ بکریوں جیسے سرکش جانوروں کی گلہ بانی سے نہ صرف سرکش اور غیر مُنظّم قوّتوں کو مُنظّم کرنے کا تجربہ اور سلیقہ حاصل ہوتا ہے بلکہ مزاج میں تحمل و بردباری بھی پیدا ہوتی ہے جو کہ انبیاء کرام کے فرائضِ نبوّت کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

یہ توجیہہ ہمیں مناسب معلوم نہیں ہوتی کیونکہ:

الف) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کا شہر ہیں اس لیے کارِ رسالت انجام دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی ایسے علم یا عملی تربیت کی ضرورت قطعاً نہیں تھی۔ جس علیم وخبیر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت کے منصب پر فائز فرمایا اُسی نے اِس منصب کے لیے ضروری علم اور تربیت عطا فرما کر دُنیا میں بھیجا۔

ب) بھیڑ بکریوں کو سرکش تو نہیں البتہ غیر منظّم کہا جا سکتا ہے اور اِن کو سدھارنا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ انسان کو۔ انسان عقل وخرد، دِل ودماغ، ارادہ واختیار، پسند وناپسند، نظریات وعقائد اور جذبات و تعصّبات رکھتا ہے۔ جب کہ حیوان اِن سے تقریباً عاری ہوتا ہے۔

۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم میں کسبِ حلال کا رُجحان پیدا کرنے کے لیے اُجرت پر بھیڑ بکریاں چرائیں۔

یہ وجہ بھی ہمارے نزدیک غلط ہے کیونکہ اجیر ہمیشہ آجر کا ماتحت اور اُس کے حکم کی تعمیل کرنے کا پابند ہوتا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے اللہ کے کسی اور کا پابند و ماتحت نہیں بنایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی کے ملازم یا اجیر نہیں رہے جیسا کہ معروف ومعتبر مؤرّخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز اجیر نہیں بنے۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲)۔

۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں کی یعنی اپنی ہی بکریاں چَراتے تھے۔

یہ بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ بھیڑ بکریوں کا شمار حلال پالتو جانوروں میں ہوتا ہے اور اُس دَور میں دودھ، گھی اور گوشت وغیرہ کی ضروریات زیادہ تر اُنہیں سے پوری کی جاتی تھیں لہٰذا یہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں نے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود، اپنی ضرورت کے تحت بکریاں پال رکھی ہوں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی چَراتے بھی ہوں۔

روایت ہے کہ اُس زمانے میں اہلِ مکّہ میں تجارت اور بھیڑ بکریاں پالنا شرفا کے پیشے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بکریاں چرائیں۔ (طبقات/ابن سعد، بخاری، ابن القیم، زادالمعاد)

اکثر روایات میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا کام خود اپنے دستِ مبارک سے کرنا پسند فرمایا کرتے تھے، اِس کام کا تعلُّق بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ ایسا کیا ہو۔ جیسا کہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نعلین پاک (جوتے) خود مرمت کرلیا کرتے، اپنے کپڑے خود سی لیتے، اپنی بکری کا دودھ خود دوہ لیتے اور اپنے گھر میں اُسی طرح کام کرتے تھے جس طرح تم اپنے گھروں میں کرتے ہو۔ (ترمذی)

مزید یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃً لِّلعٰلمین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانورں پر لطف وکرم فرمانے کی متعدد روایات موجود ہیں، ہوسکتا ہے اِس لطف وکرم کی ایک مثال یہ رہی ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی پرورش کا اہتمام فرمایا ہو۔

۴) غور وفکر اور عبادت کے لیے۔ یہ نکتہ بھی وزن رکھتا ہے کیونکہ جانورں کو اکثر آبادی سے دُور چراگاہوں میں چَرایا جاتا ہے۔ آبادی کے ہنگاموں اور شور شرابوں سے دُور، تنہائی میں غور وفکر اور عبادت وریاضت کا خوب موقع ملتا ہے اس لیے ممکن ہے گلہ بانی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِسی لیے پسند فرمایا ہو۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت وریاضت کے لیے آبادی سے دُور غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو اور

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تدبُّر اور انصاف

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال تھی جب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بنفسِ نفیس اس تعمیر میں شامل ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دوسروں کے ہمراہ پتھر لاتے اور محنت ومشقت کرتے۔ جب خانہ کعبہ کی دیواریں حجرِ اَسود کے مقام تک پہنچیں اور اُسکے نصب کرنے کا مرحلہ آیا تو قبائل میں جھگڑا پیدا ہو گیا حتیٰ کہ جنگ وجدال اور قتل کی دھمکیاں دی جانے لگیں۔ ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ حجرِ اَسود کو اپنی جگہ پر نصب کرنے کی سعادت اُسے نصیب ہو۔ چند دن اِسی طرح گذرے پھر باہم صلاح مشورہ ہُوا تو ابواُمیہ بن مغیرہ نے کہا کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے خانہ کعبہ میں آئے اُس کو اپنا حَکَم بنالو اور وہ جو فیصلہ کرے اُسے تسلیم کرلو۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اگلے دن سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم امین ہیں اور ہمیں اِن کا فیصلہ قبول ہے۔ اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی متفقہ رائے سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مضبوط چادر لاؤ۔ جب چادر لائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرِ اَسود کو اُٹھا کر اُس پر رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ چادر کا ایک کنارہ پکڑ کر اِسے اُٹھائے۔ پس حُکم کی تعمیل کی گئی۔ جب حجرِ اَسود کو نصیب کی جگہ تک لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اُسے اُٹھا کر اُس کی جگہ پر نصب کر دیا اور پھر باقی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تدبُّر اور عدل کی وجہ سے جنگ وجدال کا خطرہ ٹل گیا اور امن نصیب ہوا۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۸۵)

مکّہ مکرمہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش

مؤرّخ ابنِ خلدون کا بیان ہے کہ ابھی خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو نہیں ہوئی تھی کہ ایک مرتد عثمان بن حریث نے قسطنطنیہ کے دربارِ قیصری میں جا کر مسیحی مذہب اختیار کر لیا۔ وہ قیصرِ روم سے مال وزر لے کر واپس حجاز آیا اور مکّہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش تیار کی۔ وہ اپنی خفیہ کارائیوں میں مصروف تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو خداوند متعال نے اُس کے ارادوں کی خبر کر دی اور آخر کار وہ ناکام ہو گیا۔ اہلِ فرنگ اس اَمر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اپنے مولد و مسکن کو قسطنطنیہ کے قیصروں کے دستِ اقتدار سے بچا کر مسلمانوں پر عظیم احسان کیا ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ ابدی شکر گزاری کے مستحق ہیں۔

(چودہ ستارے، تنقید الکلام، تاریخ کاسن ڈی پرسون)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ مِّلْءَ الدُّنْیَا وَمِلْءَ الْاٰخِرَۃِ

وَارْحَمْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ مِّلْءَ الدُّنْیَا وَمِلْءَ الْاٰخِرَۃِ

وَاجْزِ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ مِّلْءَ الدُّنْیَا وَمِلْءَ الْاٰخِرَۃِ

وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ مِّلْءَ الدُّنْیَا وَمِلْءَ الْاٰخِرَۃِ ○

حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام

حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام سیرت و کردار، عزت و احترام اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے قریش کی بہترین خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ آپ بے حد مالدار اور خوبصورت تھیں۔ دورِ جاہلیت میں آپ کو طاہرہ کا لقب دیا گیا تھا اور سیّدۃُ القریش کہا جاتا تھا۔ آپ ایمان لانے والی پہلی خاتون تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چار خواتین کو بہترین زنانِ بہشت قرار دیا آپ اُن میں سے ایک ہیں۔ بسندِ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ خدا کی جانب سے اور میری طرف سے خدیجہ کو سلام کہیے گا۔ متعدد روایات میں ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتے تو حضرت خدیجہ کو سلام بھجواتے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب ہم چاہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے خوش ہوں تو ہم خدیجہ کا تذکرہ نیکی کے ساتھ (یعنی بہترین الفاظ میں) کیا کرتیں۔

روایت ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کارِ رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابل وزیر اور مددگار تھیں۔ جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا تو وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مونس و غمخوار تھیں اور جب اہلِ مکّہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آزار و تکلیف پہنچا رہے تھے تو وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد اور تسلّی و تشفی کرتی تھیں اور اپنے حُسنِ اخلاق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلاسہ و تسکین دیتی تھیں۔ مروی ہے کہ آپ غرباء و مساکین کی مالی اعانت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاونت کرتیں اور اپنا مال خرچ کرتیں۔

قطب راوندی ابنِ شہر آشوب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن زنانِ قریش مسجد الحرام میں جمع تھیں کہ ایک یہودی عالم اُن کے سامنے سے گزرا اور کہا کہ بہت جلد ایک پیغمبر تم

میں مبعوث ہوگا لہٰذا تم اُس سے نکاح کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ سُن کر دوسری عورتوں نے تو اُس کو ڈھیلے مارے مگر اُس کی بات حضرت خدیجہ کے دِل میں اُتر گئی۔

صاحبِ کتابِ انوار نے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت خدیجہؓ اپنے بالا خانہ پر چند عورتوں اور کنیزوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہودیوں کا ایک عالم بھی وہاں موجود تھا۔ ناگاہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے۔ اُس عالم نے کہا کہ ابھی ایک جوان یہاں سے گزرا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ تم اُسے یہاں بلاؤ؟ جناب خدیجہؓ نے اپنی ایک کنیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے روانہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو یہودی عالم کی نگاہ مُہرِ نبوّت پر پڑی اور وہ بولا کہ میں بحقِ کلیم قسم کھاتا ہوں کہ یہی پیغمبرِ آخرُالزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت خدیجہ نے اُس یہودی عالم سے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ یہ پیغمبر ہیں؟ اُس نے کہا کہ اِن کے اوصاف میں نے توریت میں یوں پڑھے ہیں کہ اِن کے والدین اِن کے بچپن میں وفات پا جائیں گے اور اِن کے دادا اور چچا اِن کی پرورش کریں گے اور یہ قریش کی ایک ایسی عورت سے نکاح کریں گے جو اپنی قوم میں سب سے بُلند مرتبہ، اپنے خاندان کی ملکہ اور صاحبِ تدبیر ہوگی۔ پھر اُس نے اپنے ہاتھ سے حضرت خدیجہ کی طرف اشارہ کر کے کہا، اے خدیجہ! میری بات یاد رکھنا اور کوشش کرنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کا رشتہ) تمہیں مل جائے کیونکہ اِن کا ساتھ دُنیا اور آخرت میں سعادت ہے پھر اُس نے چند اشعار پڑھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ کے عقد پر مشتمل تھے۔

حضرت خدیجہ علیہا السلام کے ایک چچا جن کا نام ورقہ بن نوفل تھا، وہ اپنے دِین کے بہت بڑے عالم اور آسمانی کتابوں کے قاری تھے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اُن کتابوں

میں یوں پڑھی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کی اُس عورت سے نکاح کریں گے جو اپنی قوم میں بزرگ و بُلند مرتبہ ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنی دولت خرچ کرے گی اور تمام اُمور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاون و مددگار ہوگی۔ ورقہ کو معلوم تھا کہ وہ عورت اپنی دولت مندی اور بُلند کرداری کے سبب خدیجہ علیہا السلام ہی ہیں جن کے ہر شہر و آبادی میں غلام اور مویشی تھے۔ بعضوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اَسّی ہزار اُونٹ تھے جو متفرق مقامات پر تھے اور ہر ملک و شہر میں، جیسے مصر، شام اور حبشہ وغیرہ، اُن کے ملازم و منیب تجارت کیا کرتے تھے۔ ورقہ بن نوفل اُن سے اکثر کہا کرتے تھے کہ تم ایسے شخص کی زوجہ بننے والی ہو جو تمام اہلِ آسمان و زمین میں افضل و بہتر ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت حضرت خدیجہ علیہا السلام کے دِل میں مستحکم ہوگئی تھی مگر آپ اسے ہمیشہ پوشیدہ رکھتی تھیں۔ (حیاۃ القلوب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کا مالِ تجارت لے کر شام جانا

روایت ہے کہ حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ قومِ قریش کا ایک قافلہ بغرضِ تجارت شام کو جانے والا ہے، خدیجہ بنت خویلد، قریش کے بہت سے آدمی تجارت کے لیے بھیجتی رہتی ہیں اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن کا مال لے جانے پر آمادگی ظاہر کریں اور اُن سے اِس سلسلہ میں بات کریں تو وہ اِس پر فوراً تیار ہو جائیں گی۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام کو کسی طرح حضرت ابوطالب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کا علم ہوگیا۔ آپ نے اُنہیں خود ہی پیش کش کر دی اور کہا کہ میں آپ کو دوسروں کی نسبت دوگنا مال پیش کروں گی تو حضرت ابوطالب بولے، ''یہ رزق اور مال تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی آپ کے حصّہ میں آیا ہے۔'' (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۸۳)

(حضرت ابوطالب علیہ السلام کے یہ الفاظ اُن لوگوں کے لیے قابلِ غور ہیں جنہیں آپ کے ایمان پر کوئی شک ہے۔)

ابنِ واضح المعروف بالیعقوبی، تاریخ یعقوبی میں لکھتے ہیں، ''لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجیر کیا، نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی کے اجیر نہیں ہُوئے''۔ بنا برایں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ شام حضرت خدیجہ کے کارندے کے طور پر نہیں بلکہ نفع ونقصان میں شراکت کے عنوان سے تھا۔ (تاریخ الیعقوبی)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کے غلام میسرہ کے ساتھ سفرِ شام کے لیے نکلے۔ بقولے شام کی طرف یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دُوسرا سفر تھا اور اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی۔ (بحار الانوار، کشف الغمہ) پہلا سفر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچپن میں اپنے چچا حضرت ابوطالب کے ساتھ کیا تھا۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قافلہ جب بصرہ پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ نسطورا نامی راہب نے یہ دیکھا تو کہا کہ اِس درخت کے نیچے آج تک سوائے نبی کے اور کوئی نہیں ٹھہرا۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کی زیارت کرکے) میسرہ سے پوچھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھوں میں جو باریک سرخ دھاریاں ہیں وہ وقتی ہیں یا ہمیشہ یونہی رہتی ہیں؟ اُس نے کہا کہ ہاں! ہمیشہ یونہی رہتی ہیں۔ نسطورا بولا کہ یہ آخرالزمان نبی اور خاتمُ الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام میں مالِ تجارت فروخت کیا۔ ایک شخص نے (کسی معاملے میں) خصومت (عداوت) کرتے ہوئے کہا کہ لات وعزیٰ کی قسم کھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کبھی اُن کی قسم کھائی ہے نہ کبھی اُن کی طرف التفات کیا ہے۔ اُس نے میسرہ سے کہا کہ بخدا یہ نبی ہیں اور ہمارے علماء اِن کی صفات وعلامات کو اپنی کتب میں لکھا ہُوا پاتے ہیں۔

میسرہ دیکھتا تھا کہ دوپہر کے وقت جب گرمی عروج پر ہوتی تو دو فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ فگن

ہوتے۔اُس نے یہ سارے عجائب وخوارِق یادر کھے(اور واپسی پر حضرت خدیجہ علیہا السلام سے عرض کیے)۔الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامانِ تجارت فروخت کیااور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے منافع پہلے کی نسبت دوگناہُوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی دوپہر کے وقت ہوئی۔اُس وقت حضرت خدیجہ علیہا السلام اپنے بالا خانہ پر تشریف فرماتھیں۔سرورِدوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس حال میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ پرسوار ہیں اور دوفرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔اُنہوں نے یہ منظر گھر میں موجود دوسری عورتوں کو بھی دکھلایا تو سب حیران رہ گئیں۔حبیبِ پاک صاحبِ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات اُن کے پاس پہنچے اور سفر میں حاصل ہونے والے نفع کی تفصیلات بیان فرمائیں تو وہ بہت خوش ہوئیں۔میسرہ نے سفر کے تمام واقعات ومعجزات اور نسطورا راہب کا بیان گوش گذار کیا۔حضرت خدیجہ علیہا السلام بڑی زیرک ودانا خاتون تھیں،دِل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقدوتزویج کا پختہ ارادہ کرلیااور اِس ارادہ کی تکمیل کوسعادتِ دارین سمجھ لیا۔اُس وقت بہت سے لوگ حضرت خدیجہ کے ساتھ مناکحت کے آرزومند تھے اوراس سلسلہ میں ہرممکن کوشش کررہے تھے کیونکہ آپ اوصافِ حمیدہ کی حامل اوراعلیٰ حسب ونسب کی مالک تھیں اور دولتمندی میں بھی سب پر فائق تھیں مگر آپ نے کسی کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی۔قریش کے جن سرداروں نے آپ کوشادی کے پیغام بھجوائے اُن میں صلت بن ابی یہاب،ابوجہل،ابوسفیان اورعقبہ بن ابی معیط وغیرہ بھی شامل تھے۔

(الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،بحارالانوار:ج۱۶ص۲۲)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

بزرگ راہب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں
خالد بن اسید اور طلیق بن سفیان بن اُمیّہ کی گفتگو

احمد بن حسن قطان اور علی بن احمد بن محمد اور محمد بن احمد شیبانی رضی اللہ عنہم نے بیان کیا، اُن سے ابوالعباس احمد بن یحییٰ بن زکریا قطان نے، اُن سے محمد بن اسماعیل نے، اُن سے عبداللہ بن محمد نے، اُن سے اُن کے والد نے، اُن سے ہیثم بن عمرو المزفی نے، اُن سے اُن کے چچا نے اور اُن سے یعلی انسابہ نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس سال تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے خالد بن اسید بن ابی العیص اور طلیق بن ابی سفیان بن اُمیّہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قافلے میں شامل تھے۔ اُنہوں نے واپس آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعجب انگیز حالات مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی رفتار اور جانوروں اور پرندوں کی اطاعت گذاری وغیرہ سے متعلق واقعات بیان کیے اور کہا کہ جب ہم بصرہ کے بازار میں پہنچے تو راہبوں کے ایک گروہ کو دیکھا جن کے چہرے زرد تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اُن کے رخساروں پر زعفران ملا ہُوا ہو۔ اُن کے اعضاء کانپ رہے تھے۔ وہ ہمارے پاس آئے اور بولے کہ ہمارے بزرگ کے پاس چلیں جو قریب ہی کلیسائے اعظم میں رہتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہمیں تم سے کیا واسطہ؟ وہ بولے کہ اگر آپ ہمارے عبادت خانہ تک چلے چلیں تو کیا حرج ہے؟ ہم آپ کا احترام کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ غرض ہم لوگ اُن کے ساتھ ایک بڑے عبادت خانہ میں گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک بزرگ آدمی درمیان میں بیٹھا ہُوا ہے اور اُس کے شاگرد اُس کے گرد جمع ہیں۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، وہ کبھی اُس کتاب پر نظر کرتا اور کبھی ہم لوگوں کو دیکھتا۔ آخر اپنے ساتھیوں سے بولا کہ میں جسے ملنا چاہتا تھا تم اُسے نہیں لائے۔ پھر اُس نے ہم سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم قریشی ہیں۔ پھر پوچھا کہ کس قبیلے سے ہو؟ ہم نے بتایا کہ ہم فرزندانِ عبدُ الشمس میں سے ہیں۔

اُس نے سوال کیا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ ہاں! ایک جوان بنی ہاشم میں سے ہے جس کو ہم یتیم فرزندِ عبدالمطلب کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی اُس نے ایک نعرہ لگایا اور اپنی جگہ سے اُچھل پڑا۔ قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو جاتا۔ پھر وہ بولا کہ آہ! آہ! دینِ نصرانیت برباد ہو گیا۔ وہ اپنی صلیب پر ٹیک لگا کر تھوڑی دیر غور وخوص کرتا رہا۔ اُس کے اُسّی شاگرد اُس کے گرد جمع تھے۔ پھر اُس نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں اُس جوان کو دیکھ سکوں؟ ہم نے کہا کہ ہاں! چلو، وہ ہمارے ساتھ آئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بصرہ کے بازار میں خورشیدِ تاباں کی مانند کھڑے تھے اور رُخِ انور سے نُور ساطع تھا۔ دیکھنے والے چاروں طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظارۂ حُسن و جمال میں محو تھے اور بیوپاری محض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کے شوق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاملہ کر رہے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مالِ تجارت زیادہ قیمت دے کر خرید رہے تھے اور اپنا مال بہت کم دام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ فروخت کر رہے تھے۔ ہم نے چاہا کہ کوئی دوسرا شخص اُس راہب کو دکھا دیں تاکہ اُس کا امتحان ہو جائے تب اُس نے کہا کہ بس! بس! میں نے پہچان لیا ہے۔ پھر وہ بے قرار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دوڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس کو چومنے لگا۔ اُس نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ''وہی'' مقدس ذات ہیں۔ پھر اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیوں سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی سوالات کئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سب سوالات کے جواب دیئے پس اُس نے کہا کہ اگر میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ (بعثت) تک موجود رہا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر حقِ جہاد ادا کروں گا۔ پھر ہم سے کہا کہ بہترین زندگی اور موت اِنہی کے ساتھ ہے، جو شخص اِن کی پیروی کرے گا وہ زندہ وجاوید ہوگا اور جو شخص اِن کے طریقہ سے منحرف ہوگا وہ اِس طرح مرے گا کہ کبھی زندہ نہ ہوگا۔ تمام نفع اور عظیم فائدہ اِنہی کے ساتھ ہے۔ پھر اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس کو چوما اور اپنے عبادت خانہ میں واپس چلا گیا۔ (کمال الدین ج ۱ ص ۲۱۸ / شیخ الصدوق)

ابوالمویہب راہب کی خبر

ابوالمویہب راہب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل صفات وعلامات کے ساتھ جانتا تھا۔ نیز اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں۔ شیخ الصدوق رح فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا ہے احمد بن حسن قطان اور علی بن احمد بن محمد اور محمد بن احمد شیبانی نے، اُن سے احمد بن یحییٰ بن زکریا قطان نے، اُن سے محمد بن اسماعیل نے، اُن سے عبداللہ بن محمد نے، اُن سے اُن کے والد نے، اُن سے قیس بن سعد دیلمی نے، اُن سے عبداللہ بجیر نے، اُن سے بکر بن عبداللہ اشجعی نے اور اُن سے اُن کے آباء نے بیان کیا ہے کہ جس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کا مال لے کر بغرضِ تجارت شام کی جانب روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قافلہ میں عبد مناۃ بن کنانہ اور نوفل بن معاویہ بن عروہ بن صخر بن یعمر بن نعمامہ بن عدی بھی تھے۔ جب قافلہ شام پہنچا تو ابوالمویہب راہب نے قافلہ والوں کو دیکھا اور پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ اُنہوں نے کہا کہ ہم کعبہ کے رہنے والے ہیں، اہلِ قریش میں سے ہیں اور تاجر ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ کیا قریش میں سے کوئی اور بھی تمہارے ساتھ ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ ہاں! فرزندانِ ہاشم میں سے ایک جوان ہے۔ اُن کا نام محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے اور ہم اُنہیں یتیمِ قریش (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں، وہ قریش کی ایک خاتون خدیجہ کا مال تجارت لے کر آئے ہیں۔ ابوالمویہب نے کہا کہ میں اُن سے مِلنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے پوچھا کہ تمہیں اُن سے کیا کام ہے؟ ابوالمویہب نے کہا کہ مجھے دکھاؤ تو سہی! لوگوں نے کہا کہ ہم نے اُن کو بصرہ کے بازار میں چھوڑا تھا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ جب اُس کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو قبل اِس کے کہ لوگ کچھ کہتے، اُس نے کہا کہ ''وہ'' یہی ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہائی میں لے گیا اور بہت دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راز و نیاز کرتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا

اور کوئی چیز اپنی آستین سے نکالی اور چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کرے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ چیز قبول نہ کی۔ غرض وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ ہو کر اُن لوگوں کے پاس آیا اور کہا کہ میری یہ نصیحت سُن لو! اِن کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ اور اِن کی فرمانبرداری کرو کیونکہ واللہ! یہ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور بہت جلد مبعوث ہوں گے اور لوگوں کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی دعوت دیں گے۔ جب یہ نبوّت کا اعلان کریں گے تو بلا تامّل اِن کی پیروی کرو۔ پھر پوچھا کہ کیا اِن کے چچا ابوطالب کا کوئی فرزند پیدا ہو چکا ہے جس کا نام علیؑ ہے؟ اُن لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ وہ بولا کہ وہ پیدا ہو چکے ہیں یا پھر عنقریب پیدا ہونے والے ہیں۔ سب سے پہلے وہی اِن (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں گے۔ اُن کے وصی ہونے سے متعلق میں نے کتابوں میں پڑھا ہے۔ وہ سیّدِ عرب نبیِ آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذوالقرنین ہوں گے اور جنگوں میں شمشیر زنی کا حق ادا کریں گے۔ ملاءِ اعلیٰ میں اُن کا نام علی (علیہ السلام) ہے۔ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُن کا رُتبہ سب سے بُلند ہوگا۔ فرشتے اُن کو فلاح یافتہ، روشن اور شجاع کہتے ہیں۔ وہ جس طرف رُخ کریں گے یقیناً فتح پائیں گے۔ وہ تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) میں آسمان کے آفتاب سے زیادہ مشہور ہوں گے۔

(کمال الدین ج ۱ ص ۲۱۹ / شیخ الصدوق)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام سے عقد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس برس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و کردار، صدق و دیانت اور پاکبازی و شرافت کی شہرت عام ہو چکی تھی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق و امین کہتے تھے۔ حضرت خدیجہ بنتِ خویلد بھی انتہائی پاکیزہ نفس، خوش اَخلاق، خوبصورت، نیک سیرت اور بنو قریش کی سب سے زیادہ دولت مند خاتون تھیں۔ اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَخلاق و کردار سے متاثر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شادی کا پیغام بھیجا۔

نفیسہ بنت منیہ کہتی ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام سے مراجعت فرما ہو کر مکّہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت خدیجہ اپنے بالا خانہ پر تشریف فرما تھیں۔ دیکھا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور تمازتِ آفتاب سے بچانے کے لیے دو فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے دِل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقد و تزویج کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس ارادہ کی تکمیل کو سعادتِ دارین سمجھا چنانچہ خود سلسلہ جنبانی شروع کرتے ہوئے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا۔ میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں شادی کا پیغام لے کر حاضر ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قبول فرمایا۔ نفیسہ نے واپس جا کر حضرت خدیجہ علیہا السلام کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی کا مژدہ سنایا تو اُنہوں نے ایک شخص کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ فلاں وقت اپنے خاندان کے اکابرین کے ساتھ میرے غریب خانہ پر تشریف لائیے، اور ایک آدمی اپنے چچا عمرو بن اسد کی طرف روانہ کیا کہ نکاح کے ولی بن کر عقد کریں، پس وہ بھی پہنچے اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف لے آئے۔ بروایتے اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کی چالیس سال تھی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہ کا عقد اُن کے والد خویلد نے کیا مگر یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اُن کی وفات حربِ فجارِ ثانی سے قبل ہوئی اور نکاح کا انعقاد پانچ سال بعد ہُوا۔ ابوالحسین بن فارس

کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب نے نکاح پڑھایا اور یہ خطبہ پڑھا:

''سب تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اولادِ ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) ہونے کا شرف بخشا اور گلستانِ اسماعیل (علیہ السلام) کے نونہال بنایا، معد بن عدنان کے اصل سے اور مَضر کے عنصر و جوہر سے عالمِ عناصر کی طرف منتقل فرمایا۔ اپنے حرم کا محافظ و نگران اور اپنے گھر کا مجاور و خادم بنایا اور ہمیں ایسے گھر سے مشرف فرمایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ہمیں ایسا حرم عطا فرمایا جو مقامِ امن و اطمینان ہے اور ہمیں لوگوں پر حکومت عطا فرمائی۔'' حضرت ابوطالب نے مزید فرمایا، ''میرے یہ بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شرف و فضل کی اُن بُلندیوں پر فائز ہیں جن کا موازنہ آپ سے کیا جائے تو سب پر حاوی ہو جائیں۔ اگرچہ مال کی اِن کے ہاں قلت ہے مگر مال تو ڈھلتی چھاؤں ہے اور تغیّر پذیر ہے (لہٰذا اِسکا کیا اعتبار؟) اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت تم میں سے کون نہیں چاہتا؟ اِنہوں نے خدیجہ بنت خویلد (علیہا السلام) کو دعوتِ نکاح دی ہے اور اُس کے لیے حق مہر صرف کیا ہے جس کا معجّل (فوری طور پر ادا کیا گیا یعنی نقد) اور مُؤجّل (غیر معجّل، مہلت دیا گیا یعنی واجب الادا) میرے ذمہ ہے۔ بخدا کچھ عرصہ بعد اِن کی عظمت، شان اور بُلندی، مرتبہ کمالِ عروج پر ہوگی اور ہر ایک پر ظاہر و عیاں ہوگی۔'' (کتاب: ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۸۳)

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح پڑھانا اور مندرجہ بالا خطبہ دینا اُن لوگوں کے لیے دعوتِ فکر ہے جو آپ کے ایمان کے بارے میں کوئی منفی رجحان رکھتے ہیں۔ کیا یہ الفاظ کسی غیر مسلم یا ناقص الایمان شخص کے ہو سکتے ہیں؟ اور جب ایک عام مسلمان کا نکاح کوئی غیر مسلم نہیں پڑھا سکتا تو نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو باعثِ ایمان ہیں، کا نکاح کوئی غیر مسلم کیسے پڑھا سکتا ہے؟

حضرت خدیجہ کا مہر بارہ اونس سونا اور پچیس اُونٹ مقرر ہُوا جسے حضرت ابوطالب نے اُسی وقت ادا کر دیا۔ (مسلمانانِ عالم ص ۳۸ طبع لاہور، چودہ ستارے) یہ واقعہ ۵۹۵ء کا ہے۔ روایت ہے کہ جب تک حضرت خدیجہ علیہا السلام زندہ رہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کوئی شادی نہیں کی تھی

بعض لوگوں کا یہ کہنا بے بنیاد اور غلط ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے دو شادیاں کی تھیں اور دونوں خاوندوں سے آپ کی اولاد بھی تھی۔ ابنِ شہر آشوب کہتے ہیں کہ احمد بلاذری، ابوقاسم کوفی، ابوجعفر اور مرتضیٰ نے اپنی اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت خدیجہ علیہا السلام سے شادی کی تو وہ باکرہ (کنواری/دوشیزہ) تھیں''۔

(الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۱۶۴)

حضرت خدیجہ علیہا السلام کے پہلے سے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونے کا شوشہ ممکن ہے اُنہیں لوگوں کا چھوڑا ہُوا ہو جن کے آباؤ اجداد نے ہر حیلہ کیا کہ کسی طرح عرب کی سب سے زیادہ خُوبرو، زِیرک و دانا اور مالدار خاتون کے ساتھ رشتہء ازدواج قائم کر سکیں مگر وہ اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے اور اپنی ناکامی کو اپنے لیے باعثِ رسوائی سمجھنے لگے، چنانچہ جب وہ گوہرِ نایاب چالیس سال آغوشِ صدف میں رہنے کے بعد تاجِ رسالت کی زینت بنا تو یہ لوگ اُس کی تابندگی ماند کرنے کی کوششِ ناکام میں آپ کے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونے کا پروپیگنڈہ کرنے لگے اور اس کا استدلال اُن لوگوں کے نزدیک آپ کی چالیس سالہ عمر ہی تو ہے۔ یعنی آپ کی پہلی شادی نوجوانی میں ہوئی مگر آپ بیوہ ہوگئیں، پھر دوسری شادی ہوئی، پھر بیوہ ہوگئیں۔ حتیٰ کہ چالیس سال کی عمر میں پہنچ گئیں تب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقد کیا اور عرب میں چونکہ کم عمری میں ہی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی تھی اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش کی سب سے زیادہ حسین و دانا اور مالدار عورت چالیس سال تک غیر شادی شدہ رہے؟

اگر ہم اس دلیل پر ذرا سا غور کریں تو حیرت انگیز طور پر یہ دلیل اُنہیں لوگوں کے خلاف جاتی

نظر آتی ہے جو اِسے اپنے موقف کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔یعنی حضرت خدیجہ علیہا السلام جیسی حسین وجمیل، اوصافِ حمیدہ کی حامل، اعلیٰ حسب ونسب کی مالک اور فہم وادراک سے مالا مال ایک دولت مند خاتون کا کئی لوگوں کے رشتوں کو ٹھکراتے ہوئے چالیس سال تک غیر شادی شدہ رہنا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ اُن جیسی عظیم المرتبت خاتون کو اپنے سے بڑھ کر کوئی عظیم ترین شخصیت نظر آتی تو وہ شادی پر آمادہ ہوتیں۔پس چالیس سال تک کوئی ایسی ہستی ملی نہ ہی شادی کی۔

حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہر ماں کی اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے فاطمہ علیہا السلام کی اولاد کے، پس میں ہی اُن کا ولی ہوں اور میں ہی اُن کا نسب ہوں''۔(مناقبِ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام علامہ طاہر القادری، طبرانی، المعجم الکبیر، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد، ہیثمی، مجمع الزوائد، تہذیب الکمال، ہندی، کنز العمال، سخاوی، سبل السلام، مناوی، فیض القدیر، عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الالباس وغیرہ)۔اِسی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب جابر بن عبداللہ اور حضرت عمر بن خطاب نے بھی روایت کیا ہے۔مزید براں حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے،''میرے نسب اور رشتہ کے سوا قیامت کے دن ہر نسب اور رشتہ منقطع ہو جائے گا''۔(مناقب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام، ڈاکٹر طاہر القادری) اِس حدیثِ مبارکہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابنِ عباس نے بھی روایت کیا ہے۔پس! رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی آل پاک) کا سلسلہ ہی جناب سیدۃُ النساء حضرت فاطمہ علیہا السلام سے شروع ہوتا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خاتونِ جنّت علیہا السلام نے جس بطنِ مطہر میں قیام فرمایا ہو وہاں کبھی کوئی ''آمیزش'' ہوئی ہو؟ یہ ناممکن ہے کیونکہ خود اللہ سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے: ''إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا'' (اے اہل بیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر نجاست کو تم سے دُور رکھے اور تمہیں پوری طرح پاک رکھے۔آیت ۳۳ سورۃ الاحزاب)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرتِ ازواج سے متعلق ایک منفی خیال اور اُس کی تردید

بعض عاقبت نااندیش لوگ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کثیر الازواج ہونے سے متعلق یہ منفی خیال رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رجحان ازدواجی تعلقات کی طرف بہت زیادہ تھا۔ شانِ رسالت میں گستاخی کا ارتکاب کرنے والے ملعون مصنفین اور فلم ساز بھی اِس بیہودہ خیال کی عکاسی کرتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد، غلط اور کم علمی، کم عقلی، تعصب اور بدبختی پر مبنی ہے۔ اگر چشمِ خیال میں ذرا بھی بینائی باقی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کثیر الازواج ہونے کے پیچھے کئی مصلحتیں اور حکمتیں دکھائی دیتی ہیں۔

رشتہء ازدواج یعنی نکاح یا شادی کیا ہے؟ اگر ہم تھوڑا سا غور اِس پر بھی کر لیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرتِ ازواج کا فلسفہ باآسانی سمجھ میں آجائے گا۔

نکاح سُنّتِ مُوکدہ اور بعض علماء کے نزدیک واجب عمل ہے۔ اسلام میں تجرُّد کی زندگی گذارنا یعنی ازدواجی رشتے کے بغیر رہنا ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ اگرچہ بعض دیگر مذاہب میں تجرُّد کو ایک خاص مقام حاصل ہے مگر دینِ اسلام نے جہاں دوسرے مذاہب کے کئی غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر سماجی رسوم و رواج کو ختم کر کے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بہترین قوانین وضع کیے ہیں وہاں رشتہء ازدواج کو لازمی قرار دے کر نہ صرف کئی غیر سماجی اور غیر اخلاقی افعال کی راہیں مسدود کی ہیں بلکہ بہترین اور صحت مند معاشرے کی تشکیل میں بھی ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

جنسی ضروریات دیگر ضروریاتِ زندگی کی طرح انسانی زندگی میں بہت نمایاں مقام رکھتی ہیں۔

اگر اِن کی تکمیل کا جائز اور صحت مند ذریعہ میّسر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ انسان کا رجحان ناجائز اور غیر اخلاقی ذرائع کی طرف ہوگا جو کئی سماجی اور قانونی مسائل کا سبب بنتا ہے۔ مثلاً فریقین کے درمیان باہمی اعتماد کا فقدان، غیر یقینی صورتِ حال، عدم تحفظ، حقیقی قرابت داری کا خاتمہ، وراثت کا مسئلہ اور تاریک مستقبل وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے معاشرے میں مرد چاہے غیر شادی شدہ ہو، رنڈوا ہو یا بیوی کو طلاق دے چکا ہو، ایک نارمل زندگی گذار سکتا ہے مگر عورت کے لیے ایسی صورتِ حال کا سامنا کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ زمانے بھر کے تمام مسائل اُس کا گھر دیکھ لیتے ہیں جیسے کہ چیلوں کے درمیان چڑیا کا گھونسلہ۔ اسلام نے نکاح کے ذریعے ایسے تمام مسائل کا نہایت عمدہ حل پیش کیا ہے۔ پس اللہ ربُ العزت کا ارشاد ہوتا ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (سورۃ نُور آیت ۳۲)

(اور نکاح کر دیا کرو اپنی (قوم کی) بے شوہر عورتوں اور اپنے نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا، اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل (وکرم) سے اِنہیں مالدار بنا دے گا اور اللہ تو بڑی کشادگی والا واقف کار ہے)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کا آغاز ''وَاَنْكِحُوا'' کے لفظ سے ہوتا ہے، جو کہ گرامر یعنی دستورِ زبان کی اصطلاح کے مطابق صیغہ اَمر کہلاتا ہے یعنی یا تو نکاح ایک واجب عمل ہے یا پھر سُنّتِ مُوکدہ ہے۔

(ازدواج اور اخلاقیات در اسلام/ سیّد محمد رضوی)

اور دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط

(اُس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر

تمہارے درمیان محبت اور رَحمت قرار دی ہے۔سورۃ روم آیت ۲۱)

اور فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ میری اُمت کے بہترین افراد وہ ہیں جو نکاح کرتے ہیں اور اپنے لیے ہمسروں کا انتخاب کرتے ہیں اور (برخلاف اِس کے) میری اُمت کے بدترین افراد وہ ہیں جو ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور اپنی زندگی مجرّدوں کی طرح گزارتے ہیں۔ (اسلامی ازدواج/ ورڈ اسلامک نیٹ ورک، جوان کے لیے تحفہ/ شہب رضوی)

اِسی طرح نکاح کے باوجود تجرُّد کی زندگی گذارنے کی بھی مذمت کی گئی ہے۔روایت ہے کہ عثمان بن مازون، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی تھے۔ایک دن اُن کی زوجہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عثمان دنوں میں روزے رکھتا ہے اور راتوں کو عبادت میں مصروف رہتا ہے۔یعنی ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ بیان کیا کہ اُس کا شوہر شب و روز عبادت میں مشغول رہنے کی وجہ سے اُس کے ازدواجی حقوق ادا نہیں کرتا۔ یہ سُن کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہو گئے اور اتنا بھی صبر نہ کیا کہ اپنی نعلین مبارک پہن لیں، فوراً عثمان بن مازون کے گھر پہنچے۔عثمان نماز میں مشغول تھے، فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمان! اللہ نے مجھے رہبانیت کی تبلیغ کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اُس نے مجھے ایک سادہ اور سیدھی شریعت کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں بھی روزے رکھتا ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں اور اِس کے ساتھ ساتھ اپنی ازواج کے ساتھ قریبی تعلقات بھی برقرار رکھتا ہوں۔ جو کوئی میری سُنّتوں کو پسند کرتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اِن کی متابعت کرے اور نکاح میری سُنّتوں میں سے ایک ہے۔''

(وسائل الشیعہ ج ۴ ص ۱۰) حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن مظعون (یا عثمان بن مازون، یہ نام دونوں طرح سے کتب میں آیا ہے۔مؤلف) کے سینے پر اپنا دستِ مبارک رکھتے ہوئے فرمایا کہ میری سُنّت سے منہ نہ پھیرو، اِس لیے کہ جو شخص بھی میری سُنّت سے اِعراض کرے

گا قیامت کے روز فرشتے اُس کا راستہ روک لیں گے اور اُسے میرے حوض کی طرف نہیں آنے دیں گے۔ (ابواب المقدمات، ازدواج در اسلام/آیت اللہ مشکینی) مندرجہ بالا گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ رشتہء ازدواج ایک اہم انسانی اور سماجی ضرورت ہے جس کی تکمیل کے لیے دِین میں اصرار کیا گیا ہے۔ اب رہا نبی گرامی ﷺ کی کثرتِ ازواج کا سوال، تو عرض ہے کہ:

اوّل: آپ ﷺ کی کثرتِ ازواج کے پیچھے کوئی ''فطری تقاضا'' یا ''طبعی رجحان'' قطعاً نہیں تھا۔ آپ ﷺ ہمارے جیسے کوئی عام انسان نہیں بلکہ ایک ایسی عظیم شخصیت ہیں جن کی ہستی کو خداوند متعال نے تمام انسانوں کے لیے ایک عمدہ نمونہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات (پیروی کے لئے) بہترین نمونہ ہے۔ سورۃ الاحزاب آیت ۲۱) اور پھر ارشاد ہوتا ہے: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (اور بے شک آپ (ﷺ) خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔ سورۃ القلم آیت ۴)

دوّم: چند کنیزوں کے علاوہ جن میں حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ بھی شامل تھیں، آپ ﷺ کی گیارہ ازواج تھیں، ان میں سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے (جن کی زندگی میں آپ ﷺ نے کوئی اور عقد نہیں کیا) اور حضرت عائشہ کے، آپ ﷺ کی تمام ازواج بیوگان تھیں۔ ایک زوجہ جن کا نام زینب بنتِ جحش اسدیہ تھا کے بارے میں روایت ہے کہ وہ مطلقہ تھیں۔ اگر حضور ﷺ کی کثرتِ ازواج کے پیچھے کوئی ''فطری خواہش'' کارفرما ہوتی تو آپ ﷺ ایسی خواتین پر خوبصورت اور کنواری دوشیزاؤں کو ترجیح دیتے۔ آپ ﷺ خدا کے رسول اور اُمت کے راہنما و پیشوا تھے اس لیے کسی بھی شخص کے لیے آپ ﷺ کو اپنی نوجوان بیٹی دے کر آپ ﷺ سے رشتہء قرابت استوار کرنا باعثِ فخر ہوتا مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔

سوّم: حضور ﷺ محبوبِ خدا اور وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں۔ اگر آپ ﷺ کا میلانِ طبع اِس طرف

ہوتا تو کیا پروردگارِ عالم اپنے محبوب کے لیے ایسا کوئی خصوصی انتظام نہ فرماتا؟ اگر وہ قادرِ مطلق، اپنے محبوب ﷺ کے لیے جنّت سے خوان، آپ ﷺ کے نواسوں کی خاطر جنّت سے لباس، اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کے واسطے جنّت سے دُنبہ اور آدم علیہ السلام کے بیٹوں شیث علیہ السلام اور یافث کے لیے جنّت سے ''نزلہ'' اور ''منزلہ'' نامی حوریں بھیج سکتا ہے تو اپنے محبوب ﷺ کا شوق دیکھتے ہوئے آپ ﷺ کے لیے بھی جنّت سے حُوریں بھیج سکتا تھا۔ مگر یہاں تو ایسا رجحان تھا ہی نہیں چنانچہ ایسا کوئی انتظام ہُوا نہ جنّت سے کوئی حُور بھیجی گئی۔

چہارم: آپ ﷺ نے جن بیوگان سے نکاح فرمایا اُن میں صاحبِ اولاد خواتین بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے اُن کے ساتھ عقد صرف اِس لیے کیا کہ وہ بیوگی کی تکلیف دہ زندگی سے اور اُن کے بچّے یتیمی کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔ جیسا کے آپ ﷺ کی ازواج کے تاریخی پس منظر سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

پنجم: اُن بیوگان کو سماجی تحفظ اور اُن کے یتیم بچوں کو کفالت و سرپرستی مُہیّا کر کے آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے بیواؤں اور یتیموں کو سہارا دینے کی ترغیب پیدا کی تا کہ لوگ سُنّتِ نبوی ﷺ سمجھتے ہوئے اِس عملِ خیر کو بخوشی انجام دیں۔ یاد رکھیں ایک آدھ بیوہ سے نکاح کر لینے سے شاید وہ ترغیب پیدا نہ ہوتی جو زیادہ بیوگان سے نکاح کرنے سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اِس اَمر کے پیشِ نظر کہ لوگ اِس عمل میں کہیں شرعی، اخلاقی اور سماجی حدود سے تجاوز نہ کر جائیں، شریعتِ محمدی ﷺ نے ایک سے زیادہ ازواج رکھنے کے اصول وضع کر دیئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) حضرت خدیجۃُ الکبریٰ بنتِ خویلد: آپ قبیلہ قریش کی ایک نہایت مدبر اور عظیم خاتون تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنّتی عورتوں میں سب سے افضل سیّدہ فاطمۃُ الزہرا علیہا السلام، حضرت مریمؓ بن عمران، حضرت آسیہؓ اور حضرت خدیجہ بنت خویلد علیہا السلام ہیں۔ خواتین میں سب سے پہلے علی الاعلان ایمان لانے والی خاتون بھی آپ ہی ہیں۔ آپ کا انتقال بِعثت کے دسویں سال ماہِ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی ہوگیا۔ آپ کی حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا۔ آپ حجون میں مدفون ہیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بیوی پر اتنا رشک نہیں کیا جتنا خدیجہ پر کیا۔ اگر میں اُن کے زمانے میں ہوتی تو میرا کیا حال ہوتا! اور یہ سب اس لیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنہیں بہت یاد کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بکری ذبح کرتے تو خدیجہ کی کسی سہیلی کو تلاش کرتے اور (اُس بکری کا گوشت) ہدیہ کرتے۔ (ترمذی ج ا حدیث نمبر ۱۲۹۸)

(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ: یہ خاتون سکران بن عمرو بن عبدشمس کی بیوہ تھیں، ابتدائی دور میں اسلام قبول کر چکی تھیں، مکّہ کے مخدوش حالات کی بنا پر شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی مگر وہیں شوہر کا انتقال ہوگیا۔ شوہر کی وفات کے بعد مکّہ واپس نہیں جاسکتی تھیں کیونکہ اِن کے قبیلہ کے تمام افراد مشرک تھے اور واپسی کی صورت میں اُن کی طرف سے کئی قسم کے خطرات لاحق تھے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ رَحمت میں پناہ حاصل کی۔

رمضان المبارک ۳ قبل ہجرت/ فروری ۶۱۹ء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا، اُس وقت

ان کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی۔ (پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بروایتے حضرت سودہ، حضرت خدیجہ کی وفات کے ایک سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ (مجمع الفضائل)

(۳) حضرت عائشہ بنت ابوبکر: حضرت عائشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں سب سے کم عمر تھیں۔ شوال ۳ قبل ہجرت/ مارچ ۶۱۹ء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور رخصتی چار سال بعد شوّال ۱ ہجری/ اپریل ۶۲۳ء میں ہوئی۔ (پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ ان کا انتقال تقریباً ستر سال کی عمر میں ہُوا۔ (مجمع الفضائل)

(۴) حضرت اُمِ سلمہ ہند: آپ کا نام ہند بنتِ ابی اُمیہ مخزومیہ اور کنیت اُمِ سلمہ تھی۔ آپ کی والدہ کا نام عاتکہ بنتِ عبدالمطلب تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ آپ عبداللہ ابوسلمہ بن عبدالاسد کی بیوہ تھیں۔ (مجمع الفضائل) آپ نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ طیّبہ واپس آئیں۔ ابوسلمہ غزوہ اُحد میں شریک تھے۔ لڑائی کے دوران جو زخم آئے کچھ عرصہ مندمل رہنے کے بعد دوبارہ تازہ ہو گئے اور وفات کا سبب بنے۔ حضرت اُمِ سلمہؓ صاحبِ اولاد بھی تھیں۔ آپ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد میں لے لیا تا کہ آپکو بیوگی کا اور آپکی اولاد کو یتیمی کا درد نہ سہنا پڑے۔ آپ بہت نیک سیرت، رحم دِل اور آلِ رسول علیہم السلام سے محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ کربلا میں آلِ رسول علیہم السلام پر ڈھائی جانے والی قیامت کے بعد تک حیات رہیں۔ آپ کا وصال چوراسی سال کی عمر میں مدینہ طیّبہ میں ہوا۔ آپ کو جنّت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(۵) حضرت حفصہ بنتِ عمر بن خطاب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے حضرت حفصہ، خنیس بن عبداللہ بن خذافہ سہمی کی زوجیت میں تھیں۔ (مجمع الفضائل) وہ شرکاءِ بدر میں سے تھے، اُن کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو بیوگی کے عذاب سے بچانے کے لیے اپنا دامنِ رَحمت وا کیا اور عقد میں لے لیا۔ روایت ہے کہ اِن کے پہلے شوہر خنیس کی وفات کے بعد حضرت عمر نے حضرت عثمان کو اِن سے نکاح کرنے کی پیش کش کی مگر

اُنہوں نے کوئی مثبت جواب نہ دیا، پھر حضرت ابوبکر سے ملاقات کی اور کہا کہ اگر آپ راضی ہوں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کردوں مگر وہ بھی خاموش رہے اور کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ حضرت عمر کہتے ہیں، ''اِس پر میں غصہ میں آ گیا اور یہ غصہ اس سے بھی زیادہ تھا جتنا کہ عثمان کے انکار پر تھا، اس کے بعد چند راتیں نہیں گذریں تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام بھیجا اور میں نے حفصہ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا''۔ حضرت حفصہ کا انتقال سنہ ۴۱، ۴۵ یا ۴۷ ہجری میں مدینہ میں ہُوا۔ (اُمہات المومنین/گل احمد عطاری) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شعبان ۳ ہجری/فروری ۶۲۵ء میں نکاح کیا تھا۔ (پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(۶) حضرت زینب بنتِ جحش اسدیہ: اِن کا اصل نام برہ تھا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل فرما کر زینب رکھا۔ اِن کی والدہ امیمہ بنتِ عبدالمطلب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ حضرت زینب پہلے حضرت زید بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ زید نے اِن کو طلاق دے دی، عِدّت پوری ہونے کے بعد اِن کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہُوا۔ چنانچہ اللہ ربُ العزت نے ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ○

(جب زید نے اُس عورت (زینب) سے اپنی حاجت پوری کر لی (شادی کے بعد طلاق دے دی) تو ہم نے اُس خاتون کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نکاح میں دے دیا تاکہ اہلِ ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح کرنے) کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہ جائے جب وہ اُن سے (اپنی) حاجت پوری کر چکے ہوں (اور اُنہیں طلاق دے کر فارغ کر چکے ہوں) اور اللہ کا حکم تو بہرحال ہو کر رہتا ہے۔) (آیت نمبر ۳۷ سورۃ الاحزاب)

حضرت زینب کا وصال ۵۳ سال کی عمر میں سنہ ۱۲ ہجری یا ۲۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہُوا۔ یہ

جنّت البقیع میں مدفون ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ازواجِ رسول ﷺ میں سب سے پہلے اِن کی وفات ہوئی۔ آپ حضرت عمر کے عہدِ خلافت تک زندہ رہیں۔ (مجمع الفضائل)

(۷) حضرت جویریہ بنتِ حارث: اِن کا نام برہ بنت حارث بن ابی ضرار تھا، حضور ﷺ نے تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔ اِن کا والد حارث، قبیلہ بنی المصطلق کا سردار تھا۔ یہ جنگِ بنی المصطلق کے گرفتار شدگان میں سے تھیں۔ اِن کے ساتھ دو سو قیدی اور بھی تھے۔ یہ ایمان لے آئیں اور حضور ﷺ نے اِن کو آزاد کر دیا اور پھر ازراہِ کرم عقد کیا، تب تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ اِن کے قبیلے کے کئی لوگ رسول اللہ ﷺ کا یہ حُسنِ سلوک دیکھتے ہوئے مسلمان ہو گئے۔ حضرت جویریہ کے والد حارث کو یہ معلوم نہ تھا کہ جویریہ پر قسمت مہربان ہو گئی ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آ چکی ہیں۔ وہ بیٹی کی رہائی کے لیے فدیہ کا بہت سا مال اُونٹوں پر لاد کر مدینہ طیّبہ کی جانب روانہ ہُوا۔ مقامِ عقیق پر پہنچ کر دو بہترین اُونٹوں کو گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی مال لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہُوا اور درخواست کی کہ میری بیٹی کا فدیہ لے کر اُسے رہا کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حارث! دو اُونٹ تو تم عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا آئے ہو؟ حارث پر کلامِ نبی ﷺ کا ایسا اثر ہُوا کہ فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ جب اُسے معلوم ہُوا کہ اُس کی بیٹی کو رسول اللہ ﷺ نے سایۂ رحمت میں لے لیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ حضرت جویریہ کا انتقال سنہ ۵۰ ہجری یا سنہ ۵۶ ہجری میں مدینہ طیّبہ میں ہُوا۔

(۸) حضرت اُمِ حبیبہ رملہ بنتِ ابوسفیان: رسول اللہ ﷺ نے ذوالحجہ ۶ ہجری/ اپریل، مئی ۶۲۸ء میں اِن سے نکاح فرمایا۔ (پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ) یہ خاتون ابوسفیان بن حرب بن اُمیّہ کی بیٹی اور عبیداللہ بن جحش کی بیوہ تھیں۔ اِن کی ایک بیٹی کا نام حبیبہ تھا اُسی سے اِن کی کنیت اُمِ حبیبہ ہُوئی۔ یہ شوہر کے ساتھ ہجرتِ حبشہ میں شریک ہوئیں مگر اُس نے وہاں پہنچ کر عیسائی مذہب

اختیار کرلیا۔شوہر کے مرتد ہوجانے کے بعد اُس کے ساتھ رہنا یا اپنے باپ ابوسفیان کے گھر جانا ممکن نہ رہا۔ایک طرف دیوار تھی تو دوسری طرف آگ،شوہر کے ساتھ رشتہ ختم ہوگیا تھا اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے میکے والے خون کے پیاسے ہوگئے تھے۔ایسے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد کرکے اپنی پناہ میں لیا۔مروی ہے کہ عمرو بن اُمیّہ ،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اُمِ حبیبہ کا رشتہ لینے بادشاہ نجاشی کے پاس حبشہ پہنچے۔نجاشی نے وکیل کے تعیّن اور عقد نکاح کے سلسلے میں اپنی کنیز ابرہہ کو اِن کے پاس بھیجا تو اِنہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور دیگر مسلمانوں کو مدعو کرکے تواضع کی ،خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو مثقال سونا یا چار ہزار درہم سکہ رائج الوقت مہر مقرر کرکے حضرت اُمِ حبیبہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ بارگاہِ رسالت میں میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دِین پر ہوں اور ہمیشہ درود وسلام بھیجتا رہتا ہوں۔ حضرت اُمِ حبیبہ کا انتقال سنہ ۴۰ یا ۴۴ ہجری میں شام میں ہُوا۔(اُمہاتُ المومنین/گُل احمد عطاری)

(۹) حضرت صفیہ بنت حیّی بن اخطب: حضرت صفیہ بنت حیّی بن اخطب،سلام بن مسلم کے بعد کنانہ بن ربیع کی زوجیت میں آئیں۔(مجمع الفضائل) مروی ہے کہ حضرت صفیہ بنی اسرائیل سے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں،اِن کا شوہر جنگِ خیبر میں قتل ہوگیا تھا اور یہ گرفتار ہوکر آئی تھیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رَحم فرماتے ہوئے آزاد کردیا اور عقد کرکے اسیروں کے ساتھ احترام اور مہربانی کے ساتھ پیش آنے کا درس دیا۔ایک روایت کے مطابق جنگِ خیبر کے بعد یہ وحید کلبی کے حصّہ میں آئیں تھیں لیکن لوگوں نے کہا کہ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور قبیلہ کے سردار کی بیٹی بھی ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اِنہیں سردارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص کیا جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن سے عقد فرمایا۔اِن کا انتقال مختلف اقوال کے مطابق سنہ ۳۶ ہجری، ۵۲ ہجری یا ۵۵ ہجری میں ہوا۔(اُمہاتُ المومنین/گُل احمد عطاری)

(۱۰) حضرت زینب بنتِ خزیمہ بن حرث اُمُ المساکین: آپ پہلے عبیدہ بن حرث بن عبدالمطلب کی زوجیت میں تھیں۔ (مجمع الفضائل) ''نقوشِ عصمت'' میں ہے کہ یہ عبداللہ بن جحش کی بیوہ تھیں جو جنگِ اُحد میں مارے گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہِ ترحم اِن سے عقد کرلیا تاکہ مسلمان عورتوں میں بے کسی اور لاوارثی کا احساس پیدا نہ ہو۔ اِن کا لقب '' اُمُ المساکین'' تھا کیونکہ یہ غرباء پروری میں خاصی شہرت رکھتی تھیں۔ یہ بہت کم عرصہ تک، بروایتے دوماہ، چھ ماہ یا آٹھ ماہ تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہیں اور ماہِ ربیع الآخر سنہ ۴ ہجری میں وفات پا گئیں۔

(۱۱) حضرت میمونہ بنت حارث الہلالیہ: اِن کا اصل نام برہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل کر کے میمونہ رکھا۔ یہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہِ کرم اِن کو قبول فرمالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اِن کا عقد ماہِ ذیقعدہ سنہ ۷ ہجری میں عمرۃ القضاء میں ہوا۔ اِن کی ایک بہن اُمُ الفضل، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی زوجہ تھیں، دوسری بہن اسماء بنتِ عمیس حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی بیوی تھیں اور تیسری بہن زینب بنتِ عمیس حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت میمونہ کا انتقال سنہ ۳۸ ہجری میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دورِ خلافت میں ہوا۔ بروایتے یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری زوجہ تھیں اور اِن کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا۔ اِن کی نمازِ جنازہ اِن کے بھانجے حضرت ابنِ عباسؓ نے پڑھائی اور دیگر بھانجوں نے تدفین کی۔

(نقوشِ عصمت، علامہ ذیشان حیدر جوادی/ چودہ ستارے، نجم الحسن کراروی، اُمہاتُ المومنین، مجمع الفضائل)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پسند کے مطابق ازواج کو رکھنے اور چھوڑنے کا اختیار

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج میں سے جن کو چاہیں رکھیں اور جن کو ناپسند فرمائیں اُنہیں چھوڑ دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی زوجہ کو طلاق نہیں دی سوائے حضرت حفصہ بنت عمر کے جنہیں صرف ایک طلاقِ رجعی دی تھی (اُمہاتُ المومنین/ گل احمد عطاری) لیکن بعد میں رجوع فرمالیا تھا۔ باقاعدہ طلاق نہ دینے کی یہ وجوہات سمجھ میں آتی ہیں:

اوّل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَحمۃٌ لِّلعالمین ہیں اور عالمین کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیشہ رَحمت و برکت ہی حاصل ہوئی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کسی زوجہ کو طلاق دے دیتے تو معاشرتی و معاشی حوالے سے اُس خاتون کے لیے کئی مسائل پیدا ہو جاتے اور ممکن ہے کہ وہ مسائل اُس خاتون کے لیے باعثِ زَحمت بن جاتے کیونکہ ایک دفعہ اُمُ المومنین بن جانے کے بعد وہ باقی مردوں کے لیے حرام ہو جاتی اور دوسرا نکاح نہ کرسکتی، ہمیشہ ایک مطلقہ عورت کی زندگی بسر کرتی، ملامت آمیز نگاہوں کا سامنا کرتی اور ہزیمت بھری زندگی گزارتی۔ جیسا کہ ارشادِ رب العزت ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللهِ عَظِيمًا ○

(اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اذیت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو بیشک یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی (برائی اور گناہ کی) بات ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۵۳)

دوّم: طلاق ایک ایسا حلال فعل ہے جو ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی

ناپسندیدہ فعل کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں۔

سوّم: اگر آپ ﷺ اپنی کسی زوجہ کو طلاق دیتے تو طلاق کا فعل سنّتِ رسول ﷺ بن جاتا، مسلمان اپنی بیویوں کو بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق دیتے اور اپنے اس فعل کو سُنّتِ رسول ﷺ گردانتے، اِس طرح مسلم معاشرے میں طلاق کی شرح خوفناک حد تک بڑھ جاتی اور سماج میں عدم توازن وعدم تحفظ اور بگاڑ پیدا ہو جاتا۔

طلاق ایک ایسا ذاتی فعل ہے جو زوجین کے درمیان باہمی نا اتفاقی، عدم توازن، بداعتمادی یا ایسی شدید رنجش جو کہ ناقابل مفاہمت ہو، کی بنیاد پر انجام پاتا ہے۔ حضور ﷺ کا اِس فعل سے اجتناب، آپ ﷺ کے اعلیٰ ترین کردار واوصاف کے حامل ہونے اور بہترین اور کامل راہبر و راہنما ہونے کی ایک علامت ہے۔ ایک قائد کی نجی زندگی، اُس کا کردار اور عمل اُس کی قوم کے لیے ایک نمونہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ تو تمام عالم کے قائد اور راہنما ہیں لہٰذا آپ ﷺ سے کسی بھی ناپسندیدہ فعل کا سرزد نہ ہونا اِس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ انسانیت کے لیے واقعی ایک بے مثال نمونہ ہے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ..... اللہ عزوجل نے جب یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

"تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ"

(اے محبوب ﷺ! (آپ کو اختیار ہے کہ) اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں دور کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں۔ سورۃ الاحزاب ۵۱)

تو میں نے رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا کی قسم! آپ (ﷺ) کا پروردگار آپ (ﷺ) کو فوراً وہ عطا فرما دیتا ہے جس کی آپ (ﷺ) خواہش فرماتے ہیں۔

(سنن نسائی ج ۲ حدیث ۳۲۰۴)

حضرت عائشہ مزید فرماتی ہیں کہ جس وقت یہ اختیار دیا گیا تو آپ (ﷺ) میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے آغاز کیا اور فرمایا کہ میں تم کو ایک بات بتانے والا ہوں لیکن تم (اِس بارے میں) اپنے والدین کی رائے اور مشورہ کے بغیر فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول کریم (ﷺ) کو اِس بات کا عِلم تھا کہ میرے والدین کبھی بھی مجھ کو آپ (ﷺ) سے الگ ہونے کا حکم نہیں دیں گے۔ پھر رسول کریم (ﷺ) نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ○ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ○ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○

اے پیغمبر (ﷺ)! اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اِس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور اُس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر (یعنی بہشت) کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں اُن کے لیے خدا نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے پیغمبر (ﷺ) کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ (الفاظ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے کی) حرکت کرے گی۔ اس کو دوگنی سزا دی جائے گی۔ اور یہ (بات) خدا کو آسان ہے۔ (آیت ۲۸ تا ۳۰ سورۃ الاحزاب)

جب آپ (ﷺ) اس آیت کی تلاوت سے فارغ ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ کیا اِسی سلسلہ میں آپ (ﷺ) مجھ کو میرے والدین سے مشورہ کرنے کا حکم فرما رہے ہیں؟ میں تو خدا اور اُس کے رسول (ﷺ) اور آخرت کی خواہش رکھتی ہوں۔ (سنن نسائی ج ۲ حدیث ۳۲۰۶)

اولادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی جن کے نام حسبِ ذیل ہیں:

۱) حضرت قاسم طیّب: آپ کی ولادت بِعثت سے قبل مکّہ میں ہوئی اور آپ دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

۲) حضرت عبداللہ: آپ طاہر کے نام سے بھی مشہور تھے۔ بِعثت سے پہلے مکّہ میں آپ کی ولادت ہوئی اور بچپن میں ہی انتقال فرما گئے۔

۳) حضرت ابراہیم: آپ سنہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۸ رجب ۱۰ ہجری کو انتقال فرما گئے۔ آپ کی قبر جنّت البقیع میں موجود اور مشہور ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت ماریہ قبطیہ تھا۔

۴) سیّدۃُ النساء حضرت فاطمۃُ الزہرا علیہا السلام: آپ علیہا السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔ آپ ہی کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل آگے بڑھی اور آپ کی اولاد کو سیادت کا شرف حاصل ہُوا اور وہ قیامت تک ''سیّد'' کہلائی جائے گی۔

مشہورِ زمانہ امریکی انسائکلو پیڈیا ''مائکروسافٹ انکارٹا انسائکلو پیڈیا'' کے الفاظ ہیں:

Muhammad's(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) sons all died in infancy, and the only daughter to survive him was Fatima(علیہا السلام), who married Ali(علیہ السلام), the fourth caliph."

(Microsoft ® Encarta ® Encyclopedia 2005 © 1993-2004 Microsoft Corporation)

یعنی حضرت محمّد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام فرزند عہدِ طفولیت میں ہی انتقال کر گئے تھے اور صرف ایک صاحبزادی باقی رہیں جن کا نام حضرت فاطمہ (علیہا السلام) تھا، آپ علیہا السلام چوتھے خلیفہ حضرت علی (علیہ السلام) سے بیاہی گئیں۔

جناب ابراہیم کے علاوہ جن کی والدہ کا نام حضرت ماریہ قبطیہ تھا، تمام اولاد حضرت خدیجہ طاہرہ علیہا السلام کے بطن سے تھی۔ تین لڑکیاں، اُمِ کلثوم، رقیہ اور زینب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پروردہ تھیں۔ جن کے بارے میں بعض مؤرّخین کا خیال ہے کہ وہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کی بیٹیاں تھیں اور بعض کا خیال ہے کہ اُن کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔ اور حقیت یہی ہے کہ وہ ہالہ ہی کی بیٹیاں تھیں۔

علامہ نجم الحسن کراروی صاحب ''چودہ ستارے'' میں لکھتے ہیں کہ ''مناقب شہر آشوب'' میں ہے کہ جناب خدیجہ کے ساتھ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی ہوئی تو آپ باکرہ (کنواری/ دوشیزہ) تھیں۔ یہ تسلیم شدہ اَمر ہے کہ قاسم، عبداللہ یعنی طیّب وطاہر اور فاطمہ زہرا علیہا السلام بطنِ خدیجہ علیہا السلام سے رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولادیں تھیں۔ اِس میں اختلاف ہے کہ زینب، رقیہ واُمِ کلثوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لڑکیاں تھیں یا نہیں۔ یہ مسلّم ہے کہ یہ لڑکیاں ظہورِ اسلام سے قبل کافروں کے ساتھ بیاہی گئی تھیں جن کے نام عتبہ، عتیبہ پسران ابولہب اور ابولعاص ابنِ ربیع تھے جیسا کہ مواہب الادینہ ج ا ص ۱۹۷ طبع مکتبہ الازہر مصر ومروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۲۹۸ طبع مصر سے واضح ہے۔ یہ مانا نہیں جا سکتا کہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی لڑکیوں کو کافروں کے ساتھ بیاہ دیتے لہٰذا یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ یہ عورتیں ہالہ بنتِ خویلد ہمشیرہ جناب خدیجہ کی بیٹیاں تھیں۔ اِن کے باپ کا نام ابوالہند تھا۔ علامہ معتمد بدخشانی نے مرجاء الانس میں لکھا ہے کہ یہ لڑکیاں زمانہء کفر میں ہالہ اور ابوالہند میں باہمی چپقلش کی وجہ سے جناب خدیجہ کے زیرِ کفالت اور تحتِ تربیت رہیں اور ہالہ کے انتقال کے بعد مطلقاً اُنہیں کے ساتھ ہوگئیں اور حضرت خدیجہ کی بیٹیاں کہلائیں۔ اِس کے بعد جنابِ خدیجہ کے توسّط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسلک ہوکر اُسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں کہلائیں جس طرح جناب زید محاورہِ عرب کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے

کہلاتے تھے۔ میرے نزدیک اِن عورتوں کے شوہر دستورِ عرب کے مطابق دامادِ رسول کہے جانے کا حق تو رکھتے ہیں لیکن یہ کسی طرح نہیں مانا جاسکتا کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صُلبی بیٹیاں تھیں۔ کیونکہ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ۲۵ سال کے سِن میں حضرت خدیجہ (علیہا السلام) سے ہُوا، تیس سال کی عمر تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور چالیس سال کے سِن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوّت فرمایا۔ اِن لڑکیوں کا مشرکوں سے نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چالیس سال کی عمر سے پہلے ہو چکا تھا اور اس دس سال کے عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کا اور اِن تین لڑکیوں کا پیدا ہونا تحریر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مدارج النبوّت میں تفصیل موجود ہے۔ بھلا غور تو کیجیے کہ دس سال کی عمر میں چار پانچ اولادیں بھی پیدا ہوگئیں اور لڑکیوں کی اتنی عمر بھی ہوگئی کہ اُن کا نکاح مشرکوں سے ہوگیا۔ کیا یہ عقل وفہم میں آنے والی بات ہے کہ چار سال کی لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہوگیا؟ حضرت عثمان سے بھی ایک لڑکی کا نکاح حالتِ شرک ہی میں ہُوا تھا جیسا کہ مدارج النبوّت میں مذکور ہے۔ اِس حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ تھیں بلکہ ہالہ ہی کی تھیں اور اس عمر میں تھیں کہ اِن کا نکاح مشرکوں سے ہُوا۔

(الانوار والبدع، مناقب آل ابی طالب، بحار الانوار، رجال المامقانی اور فاموس الرجال، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، چودہ ستارے، نجم الحسن کراروی، نقوشِ عصمت، سوانح حیاتِ سیدہ)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی ولادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی، جانشین اور جاں نثار بھائی علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی ولادت ۱۳ رجب سنہ ۳۰ عامُ الفیل ۶۰۰ء بروز جمعۃ المبارک خانہ کعبہ میں ہوئی۔ مؤرّخین میں آپکی خانہ کعبہ میں ولادت پر کوئی اختلاف نہیں بلکہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے کوئی خانہ کعبہ میں پیدا ہُوا اور نہ آیندہ کبھی ہوگا۔ (مستدرک امام حاکم) تواریخ میں آپ کی ولادت کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ جناب فاطمہ بنتِ اسد کو جب ولادت کے آثار نظر آئے تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورہ پر خانہ کعبہ کے قریب گئیں اور اُس کا طواف کرنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئیں پھر بارگاہِ الٰہی میں عرض پیرا ہوئیں،'' خدایا! میں مومنہ ہوں، تجھے ابراہیم (علیہ السلام) بانیِ خانہ کعبہ اور اِس مولود کا واسطہ جو میرے بطن میں ہے، میری مشکل دُور فرما''۔ ابھی دُعا کے جملے ختم نہیں ہوئے تھے کہ دیوارِ کعبہ شق ہوگئی اور جناب فاطمہ بنتِ اسد خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوگئیں۔ دیوارِ کعبہ پھر جوں کی توں ہوگئی۔ (مناقب ص ۱۳۲، وسیلۃ النجات ص ۶۰)

پس خانہ کعبہ کے اندر علی علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ آپ دُنیا میں تشریف لائے مگر آنکھیں نہیں کھولیں۔ جناب فاطمہ بنتِ اسد سمجھیں کہ بچّہ بے نُور ہے لیکن تیسرے دن سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور علی علیہ السلام کو آغوشِ رسالت میں لیا تو اُنہوں نے آنکھیں کھولیں اور پہلی نظر جمالِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈالی، سلام عرض کیا اور تلاوتِ صحفِ آسمانی شروع کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گلے لگایا اور یہ کہہ کر کہ اے علی! جب تم میرے ہو تو میں بھی تمہارا ہوں، اپنی زبانِ اطہر دہنِ علی علیہ السلام میں دے دی۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دہنِ امامت میں بارہ چشمے جاری ہوگئے اور علی علیہ السلام خوب سیراب ہوئے اسی لیے اِس دن کو'' یوم

التروبہ'' کہتے ہیں کیونکہ ''تروبہ'' کے معنی سیرابی کے ہیں۔(کشف الغمہ ص ۱۳۲)

حضرت علی علیہ السلام خانہ کعبہ سے چوتھے روز باہر لائے گئے۔آپ پاک و پاکیزہ، طیب وطاہر اور مختون پیدا ہوئے۔آپ کی پیشانی کبھی کسی بُت کے سامنے نہیں جھکی اِسی لیے آپ کو کرم اللہ وجہہٗ بھی کہا جاتا ہے۔ (چودہ ستارے، نُور الابصار، صواعق محرقہ، کشف الغمہ)

آپ علیہ السلام کی والدہ نے آپکا نام حیدر اور والد نے اسد رکھا۔خاندان والوں نے زید رکھنا چاہا لیکن حضرت ابوطالب کی دعا پر آسمان سے ایک تختی نازل ہوئی جس پر مرقوم تھا کہ اس بچے کا نام، نامِ خدا پر علی رکھو، تاکہ خدا کے نام کی برکت سے اِس کی بلندی برقرار رہے اور اِس کی بقا سے نامِ خدا کی بقا وابستہ رہے''۔(نقوشِ عصمت)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے والد حضرت ابوطالب کی آغوش میں پرورش پائی تھی اور حضرت علی علیہ السلام کو آغوشِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پروان چڑھنے کا شرفِ عظیم حاصل ہوا۔پس علی علیہ السلام نے اس کا حق یوں ادا کیا کہ اپنے بابا حضرت ابوطالب کی طرح اپنی زندگی رسول اللہ کے نام وقف کردی اور اسلام کی پہلی نمازِ باجماعت ہو یا دعوتِ ذوالعشیرہ، غزوۂ اُحد و بدر و حنین ہوں یا خیبر کا ناقابلِ تسخیر قلعہ، یا حیاتِ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بھی اہم اور نازک لمحہ، آپ علیہ السلام اپنے رسول، اپنے ہادی، اپنے معلم اور اپنے بھائی کی حفاظت کے لئے ڈھال کی طرح آگے، بہترین معاون کی طرح شانہ بشانہ اور اطاعت کے لیے پیچھے پیچھے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب اپنی کتاب السیف الجلی علیٰ منکر ولایۃ علی (علیہ السلام) میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب التفہیمات الالٰہیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اس اُمتِ مرحومہ میں فاتح اوّل ولایت کا دروازہ سب سے پہلے کھولنے والے فرد حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں پہلا فرد جو ولایت (سب سے اعلیٰ و اقویٰ طریق) کے باب جذب کا

فاتح بنا اور جس نے اس مقامِ بلند پر (پہلا) قدم رکھا وہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ذات گرامی ہے، اسی وجہ سے روحانیت و ولایت کے مختلف طریقوں کے سلاسل آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، حضرت امیر علیہ السلام کا رازِ ولایت آپ کی اولاد کرام میں سرایت کر گیا چنانچہ اولیائے اُمت میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی طور پر حضرت علی علیہ السلام کے خاندانِ امامت سے (اکتسابِ ولایت کے لئے) وابستہ نہ ہو۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں، ''اِس نکتہ کو شاہ اسماعیل دہلوی نے بصراحت یوں لکھا ہے، ''حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے لئے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ علیہ السلام کے فرمانبرداروں کا زیادہ ہونا اور مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسی باقی خدمات کا'' آپ کے زمانہ سے لے کر دُنیا کے ختم ہونے تک'' آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔ اہلِ ولایت کے اکثر سلسلے بھی جنابِ مرتضیٰ علیہ السلام ہی کی طرف منسوب ہیں، پس قیامت کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ مرتبے والے ہونگے، حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا لشکر اس رونق اور برزگی سے دکھائی دے گا کہ اِس مقام کا تماشہ دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا۔ یہ فیضِ ولایت کہ اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جس کا منبع و سرچشمہ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام مقرر ہوئے اِس میں سیدۂ کائنات حضرت فاطمۃ الزہرہ علیہا السلام اور حضرات حسنین کریمین علیہما السلام بھی آپ کے ساتھ شریک کئے گئے ہیں اور پھر اُن کی وساطت سے یہ سلسلۂ ولایتِ کبریٰ اور غوثیتِ عظمیٰ اُن بارہ آئمۂ اہلبیت (علیہم السلام) میں ترتیب سے چلایا گیا جن کے آخری فرد سیدنا امام محمد مہدی علیہ السلام ہیں۔ جس طرح سیدنا مولا علی علیہ السلام اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فاتحِ ولایت کے درجہ پر فائز ہوئے، اُسی طرح سیدنا امام مہدی علیہ السلام اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خاتمِ ولایت

کے درجہ پر فائز ہونگے۔ اِس موضوع پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ آپ لکھتے ہیں، ''اور ایک راہ وہ ہے جو قربِ ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب واوتاد اور بدلا اور نجباء اور عام اولیاء اللہ اِسی راہ سے واصل ہیں، اور راہِ سلوک اِسی راہ سے عبارت ہے، بلکہ متعارف جذبہ بھی اِسی میں داخل ہے؛ اور اس راہ میں توسط ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور اُن کے سردار اور اُن کے بزرگوں کے منبعِ فیض حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں؛ اور یہ عظیم الشان منصب اُن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں قدم مبارک حضرت علی علیہ السلام کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ علیہا السلام اور حضرات حسنین کریمین علیہما السلام اِس مقام میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر علیہ السلام اپنی جسدی پیدائش سے پہلے اِس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے، جیسا کہ آپ علیہ السلام جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جسے بھی فیض و ہدایت اِس راہ سے پہنچی اِن کے ذریعے سے پہنچی، کیونکہ وہ اِس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اِس مقام کا مرکز اِن سے تعلق رکھتا ہے، اور جب حضرت امیر علیہ السلام کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کریمین علیہما السلام کو سپرد ہوا اور اُن کے بعد وہی منصب آئمہ اثنا عشرہ میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے تفویض ہوا، اور اِن بزرگوں کے زمانہ میں اور اِسی طرح اِن کے انتقال کے بعد جس کسی کو فیض اور ہدایت پہنچی ہے اِنہی بزرگوں کے ذریعہ پہنچی ہے؛ اگرچہ اقطاب و نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں، اور سب کے ملجا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کئے بغیر چارہ نہیں ہے،'' حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام بھی کارِ ولایت میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوں گے۔

(السیف الجلی علیٰ منکر ولایۃ علی علیہ السلام / ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت گذاری

روایت ہے کہ جناب سیّدُ المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۳۸ سال کی عمر میں ''کوہِ حرا'' جسے ''جبلِ نور'' بھی کہتے ہیں، کے ایک غار کو عبادت گذاری کے لیے مخصوص فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتے اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر راحت محسوس کرتے۔ یوں تو دو دو چار چار شب و روز وہاں رہا کرتے لیکن ماہِ رمضان سارے کا سارا وہیں گذارتے تھے۔ (چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی)

کتاب الرحیق المختوم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستو اور پانی لے کر مکّہ سے کوئی دو میل دُور کوہِ حرا کے ایک غار میں تشریف لے جاتے۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ موجود رہتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کا پورا مہینہ اِس غار میں گذارتے، آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور کائنات کے مشاہد اور اِس کے پیچھے کارفرما قدرتِ نادرہ پر غور فرماتے۔ (الرحیق المختوم/مولانا صفی الرحمن مبارکپوری)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستو اور پانی یعنی انتہائی سادہ غذا پر گذارا کرتے اور اُس میں سے راہگیروں کی شکم سیری بھی فرماتے۔ ''بخاری'' میں ہے کہ جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف نہ لاتے۔

غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت گذاری کا زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کا وہ دور تھا جس میں انسان اپنی ہی ہستی کے مدار میں چکر لگاتا رہتا ہے۔ اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنے گھر اور اپنے اردگرد کے ماحول میں مگن رہتا ہے اور دولت و شہرت کے حصول میں گامزن رہتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض ایک انسان ہی نہ تھے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے سردار، رہبر و راہنما اور اللہ کے نبی بھی تھے۔ (لفظ ''تھے'' کا استعمال اس لیے کیا گیا ہے کہ بات ماضی کے حوالے سے

ہو رہی ہے ورنہ ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ''ہیں'') آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوصاف کی اُن بُلندیوں پر براجمان تھے کہ اُس مقامِ اعلیٰ تک کوئی اور پہنچ ہی نہیں سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی گھریلو اور معاشرتی ذمہ داریوں کو بھی نبھاتے تھے اور عبادتِ الٰہی اور غور وفکر کے لیے آبادی سے دُور گوشۂ تنہائی میں بھی جاتے تھے۔ اُس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریکِ حیات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ہونا اور اردگرد کسی مقام پر موجود رہنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''تبرُّد'' وغیرہ قطعی نہیں اختیار کیا تھا بلکہ اپنے عبادت وریاضت کے ساتھ ساتھ اپنے اہل خانہ کو بھرپور وقت دیتے تھے۔ دوسری طرف اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریکِ حیات کا نہایت عمدہ کردار سامنے آتا ہے یعنی جنابِ خدیجہ طاہرہ علیہا السلام نے عام بیویوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے باہر اتنا وقت گذارنے پر نہ صرف یہ کہ کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہترین معاون و مددگار بھی ثابت ہوئیں۔ حضرت خدیجہ کبریٰ علیہا السلام اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جاتیں اور ستو اور پانی ختم ہو جانے پر جبلِ نُور سے نیچے تشریف لاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اشیائے خوردو نوش لے کر پھر پہاڑ پر جاتیں۔ ۱۲ فٹ لمبا اور ۵ فٹ ۳ انچ چوڑا غارِ حرا مکہ سے ۲ میل دُور، سطح سمندر سے ۲۵۰۰ فٹ اور زمینی سطح سے ۸۹۰ فٹ بلند تقریباً ۶۰۰ قدم کی انتہائی دشوار گذار چڑھائی پر واقع ہے۔ اس کا نصف قطر (Radius) ۸۶۳ فٹ سے کچھ زیادہ ہے۔

جنابِ خدیجہ طاہرہ علیہا السلام جو مکہ کی سب سے مالدار خاتون تھیں اور جنہوں نے بہت ناز ونعم سے ایک نہایت پُرآسائش زندگی گزاری تھی، اپنے شوہر اور نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں باپیادہ یہ مشکل ترین سفر کرتیں لیکن طبعِ نازک پر یہ کٹھن سفر کبھی گراں نہیں گذرا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

پہلی وحی اور آغازِ بعثت

بعثت کا لفظ عام طور پر رسالت کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی آغازِ بعثت کا مطلب آغازِ رسالت لیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازل سے اللہ کے رسول ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا آغاز، آغازِ بعثت سے نہیں ہوتا بلکہ آغازِ بعثت سے مُراد وہ موقع ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف اعلانِ رسالت کا حکم ہُوا۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چالیس سال ایک یوم تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں مشغولِ عبادتِ پروردگار تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں میں آواز آئی ''یا مُحَمَّدُ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔ پھر آواز آئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ اِدھر اُدھر دیکھا، ناگاہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ایک نورانی مخلوق پر پڑی۔ وہ جناب جبرائیل علیہ السلام تھے۔ اُنہوں نے کہا، ''اِقْرَأْ'' یعنی ''پڑھیے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مَا اَقْرَءُ'' یعنی ''کیا پڑھوں؟'' اُنہوں نے عرض کیا ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○'' یعنی پڑھیے اپنے رَب کا نام لے کر جس نے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) خلق فرمایا (سورۃ علق)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کچھ پڑھ دیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علمِ قرآن پہلے سے حاصل تھا۔ جبرائیل علیہ السلام کی اِس تحریکِ اقراء کا مقصد یہ تھا کہ نزولِ قرآن کی ابتدا ہو جائے۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے وضو اور نماز کی طرف اشارہ کیا اور نماز کی تعدادِ رکعت کی طرف بھی متوجہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور نماز ادا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے جو نماز ادا فرمائی وہ ظہر کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ دونوں نے اظہارِ ایمان کیا اور نمازِ عصر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے باجماعت ادا کی۔ یہ اسلام کی پہلی نمازِ باجماعت تھی،

اِس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام اور حضرت خدیجہ علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام مامو م تھے۔ عفیف کندی نے اپنی روایت میں چشم دید گواہ کی حیثیت سے بیان کیا ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے ،بعثت کے فوراً بعد، اِس عالم میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے جناب خدیجہ علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے اور اُس وقت کوئی اور اسلام نہیں لایا تھا۔ اِس روایت کو علامہ ابن عبدالبر قرطبی نے ''استیعاب'' ج ۲ طبع حیدر آباد دکن میں، غلام ابنِ اثیر جزری نے ''اسد الغابہ'' ج ۲ طبع مصر میں، علامہ ابنِ جریر طبری نے ''تاریخ کبیر'' ج ۲ طبع مصر میں اور علامہ ابنِ کثیر نے ''تاریخ کامل'' ج ۲ میں درج کیا ہے۔ (چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی)

اِس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ابنِ عفیف کندی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں تجارت پیشہ آدمی تھا حج کے لیے مکہ آیا تو حضرت عباس بن عبدالمطلب کے پاس کچھ مال خریدنے کے لیے آیا۔ ہم منیٰ میں تھے کہ قریب ہی نصب ایک خیمہ سے ایک عظیم شخصیت برآمد ہوئی۔ اُنہوں نے وقت کا اندازہ لگانے کے لیے سورج کی طرف دیکھا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پھر اُس خیمہ سے ایک خاتون نکلیں اور اُن کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ پھر ایک نوخیز نوجوان بھی اُسی خیمہ سے نکلا جو بلوغت کے قریب پہنچا ہُوا تھا۔ وہ بھی اُن کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے حضرت عباس سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ میرے بھتیجے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ کہنے لگے کہ یہ اُن کی زوجہ خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ میں نے جوان کے متعلق استفسار کیا تو اُنہوں نے بتایا کہ یہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچازاد بھائی علی (علیہ السلام) ابن ابی طالب ہیں۔ میں نے پھر پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ نماز پڑھ رہے ہیں اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں، ابھی تک اس دعویٰ میں اُن کی تصدیق و تائید صرف اِن کی زوجہ (خدیجہ

الکبریٰ علیہا السلام) اور چچا زاد بھائی (علی علیہ السلام) نے کی ہے۔ (کتاب: ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں سورۃ علق کی تفسیر کے باب میں علامہ حسین بخش لکھتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان مشہور قول ہے کہ سورۃ العلق "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝" سب سے پہلے نازل ہُوا البتہ بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سورۃ مدثر نازل ہُوا اور بعض سورۃ فاتحہ کے متعلق رائے رکھتے ہیں لیکن یہ روایت کہ جب پہلی دفعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ڈر گئے اور لحاف میں چُھپ گئے، یہ شانِ نبوّت کے خلاف ہے اور ہمارے عقیدے کی رُو سے اِس روایت کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ پہلی دفعہ غارِ حرا میں جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئے تو وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبادت سے فارغ ہو کر جب گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہ طاہرہ سے ذکر فرمایا اور حضرت خدیجہ علیہا السلام نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ادائے امانت، صلہ رحمی اور صدق بیانی میں اپنی نظیر آپ ہیں لہٰذا یہ اللہ کے فضل و کرم کے آثار ہیں جن کا ظہور ہو رہا ہے۔ پھر حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے سامنے جب اِس کا تذکرہ ہُوا تو اُس نے بھی یہی رائے ظاہر کی۔ جب دوسری دفعہ جبرائیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے "بِسْمِ اللّٰه" سے لے کر "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" تک پورا سورۃ فاتحہ پڑھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا "اِقْرَاء" یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پڑھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وحی لے کر پلٹے اور ورقہ بن نوفل نے قرآن کی آیات سنیں تو فوراً ایمان لایا اور کہنے لگا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یقیناً حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی پیشین گوئی کا نتیجہ ہیں اور شریعتِ موسوی کی طرح مالکِ شریعت ہیں۔ اگر میری زندگی باقی رہی تو میں ہر طرح سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نصرت کا فریضہ ادا کروں گا۔ چنانچہ اُس کی موت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کو جنّت کے باغات میں دیکھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کے ساتھ شادی کرنے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی عمر مبارک پوری چالیس برس ہوئی تو غارِ حرا میں عبادت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غائبانہ آواز سُنی اور حضرت خدیجہ علیہا السلام سے اِس کا تذکرہ کیا۔ دوسرے دن غارِ حرا میں تشریف لے گئے تو جبرائیل علیہ السلام ایک حسین ترین شکل میں سامنے آئے، اللہ کا سلام اور پیغام پہنچایا کہ آپ جن و اِنس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں لہٰذا اُن کو دینِ حق کی تبلیغ فرمائیں اور عقیدۂ توحید و نبوّت اور ولایت کی دعوت دیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پر مارا تو پانی کا شیریں چشمہ جاری ہُوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس میں سے کچھ پانی پیا اور وضو کیا۔ اِس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے سورۃ العلق کی آیات پڑھیں اور واپس چلے گئے۔ واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس درخت، پتھر اور کنکر کے پاس سے گذرتے تھے وہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ'' کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کرتا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ علیہا السلام سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ (تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف)

اکثر کتابوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کی اِس فصل کے بارے میں ایسے ناموزوں مطالب نظر آتے ہیں جو جعلی، وضعی اور گھڑی ہوئی روایات پر مبنی ہیں، مثلاً یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزولِ وحی کے پہلے واقعہ پر بہت ہی پریشان ہوئے اور ڈر گئے...... اور جب جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے مُحمَّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! پڑھیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو پڑھا ہُوا نہیں ہوں۔ تب جبرائیل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آغوش میں لے کر دبایا اور پھر کہا، ''پڑھیے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہُوا نہیں ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ (تفسیرِ نمونہ) اِسی قسم کی روایات کے حوالے سے بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب ''اُمّی'' کے معانی ''اَن پڑھ'' اخذ کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب اُمّی کی وضاحت

اُمّی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوبصورت القاب میں سے ایک ہے جسے بعض لوگ اپنی کم علمی، کم فہمی یا کم بختی کی بنا پر غلط معانی پہناتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اُمّی کا مطلب ''اَن پڑھ'' ہے اور اِسی مطلب کو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی منسوب کرتے ہیں اور استدلال یہ پیش کرتے ہیں کہ جب پہلی وحی آئی تو جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا، ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ''، یعنی پڑھیے! اپنے رَب کا نام لے کر جس نے پیدا کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو پڑھنا نہیں آتا۔ اور یہ مکالمہ ایک مرتبہ نہیں دو یا تین مرتبہ ہوا پس ثابت ہُوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھنا نہیں آتا تھا۔

میں جب اِس طرح کی غیر منطقی روایات پڑھتا ہوں تو مجھے سخت تعجب ہوتا ہے کہ ایسا کہنے والے ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کا شہر ہیں، پھر اچانک وہ بھول جاتے ہیں اور یہ کہنے لگتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اَن پڑھ تھے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی اَن پڑھ تھے تو جبرائیل علیہ السلام نے کیوں کہا کہ پڑھو! کیا اُنہیں معلوم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنا نہیں جانتے؟ چلو کوئی بات نہیں وہ بھی تو فرشتے تھے، اللہ کی ایک مخلوق، کمپیوٹر کی طرح پروگرامڈ (Programmed) ایک ایسی مخلوق جسے جو پروگرام خالق کائنات نے دے دیا بس اُسی پر چلتے جانا ہے، بغیر کسی ردوبدل کے، وہ فرشتے تھے معاذ اللہ خدا تو نہیں تھے لہٰذا جب اللہ جل شانہٗ نے فرمادیا کہ جا کر میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہہ دو، تو کہہ دیا۔ تو جہ طلب نکتہ اِس ساری بحث میں یہ ہے کہ وہ اللہ جو علیم وخبیر ہے وہ بھی کیا یہ نہیں جانتا تھا (معاذ اللہ) کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑھنا نہیں جانتے؟ اور پھر اپنے مقرب فرشتے کے ذریعے، اُس سے جو پڑھنا نہیں جانتا، یہ کہہ رہا ہے کہ پڑھو!..... چنانچہ یہ کہہ کر کہ اللہ واقعی یہ نہیں جانتا تھا (معاذ اللہ) دائرۂ

اسلام سے خارج ہونا پڑے گا یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپ ﷺ کو ''اَن پڑھ'' کہنا سراسر جہالت ہے۔

ہاں! اتنا ضرور ہے کہ آپ ﷺ نے کسی انسان، کسی مکتب یا کسی ادارے سے قطعاً کوئی تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ اللہ کریم نے آپ ﷺ کی تخلیق کے ساتھ ہی آپ ﷺ کو تمام علوم سے سرفراز فرما دیا، یہی وجہ ہے کہ سبھی علوم کے چشمے آپ ﷺ کی ذاتِ باکمال سے ہی پھوٹتے ہیں۔ آپ ﷺ خود فرماتے ہیں کہ میں علم کا شہر ہوں۔

عبداللہ محمد بن خالد برقی نے جعفر بن محمد صوفی سے روایت کی ہے۔ جعفر بن محمد صوفی کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام محمد تقی علیہ السلام سے سوال کیا کہ نبی ﷺ کو اُمّی کے لقب سے کیوں یاد کیا جاتا ہے؟ آپ نے پوچھا کہ لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے وہ آپ ﷺ کو اُمّی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ (جو یہ کہتے ہیں) وہ جھوٹے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی کتابِ حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

''هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○''

(وہی ہے جس نے اُمّیوں میں سے ایک رسول اُٹھایا خود اِنہی میں سے جو اِن کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور اِن کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور اِن کو کتابِ اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور اِن کو دانائی سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ سورۃ جمعہ آیت ۲)

سوچنے کی بات ہے کہ جو شخص خود لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو وہ دوسروں کو کیسے پڑھائے گا؟ اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہتر (۷۲) زبانوں میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ راوی کا کہنا ہے کہ یا

شاید آپ نے فرمایا کہ تہتر (۷۳) زبانوں میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمّی کے لقب سے اِس لیے یاد کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ کے باشندے تھے اور مکّہ ہی اُمُ القریٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا''

(اور تا کہ ڈراؤ تم اہلِ مکّہ کو۔ سورۃ انعام آیت نمبر ۹۲)

یہی روایت حضرت امام محمّد باقر علیہ السلام سے بھی بیان کی گئی ہے۔ (علل الشرایع، شیخ الصدوق/ص ۹۴)

❁

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ
صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ○

❁

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْکَامِلِ
وَعَلٰی اٰلِہٖ کَمَا لَا نِھَایَۃَ لِکَمَالِکَ وَعَدَدَ کَمَالِہٖ ○

❁

ہوائف، جمادات، نباتات

اور حیوانات وغیرہ کی گواہی

نصر بن سفیان ہذلی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ہم نے شام جاتے ہوئے زرقا و معان کے درمیان قیام کیا۔ رات کے وقت زمین و آسمان کے بیچ ایک سوار پکار پکار کر کہہ رہا تھا، ''اے سونے والو! اُٹھو یہ سونے کا وقت نہیں، احمد مُرسل (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہو چکے ہیں اور شیاطین کو انتہائی دُور دراز بھگا دیا گیا ہے۔'' یہ آواز ہم سب نے سُنی۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ سواد بن قارب کو اُن کے تابع ایک ''جنّ'' نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور و بعثت کی خبر دی۔ سواد کا بیان ہے کہ اُس نے مجھے سوتے ہوئے پاؤں کی ٹھوکر مار کر جگایا اور کہا، ''اے سواد بن قارب اُٹھ اگر تجھ میں ذرا بھی شعور ہے تو اُسے کام میں لا اور کہانت کو چھوڑ کر دینِ اسلام میں داخل ہو جا کیونکہ لوی بن غالب کی اولاد سے ایک نبی مبعوث ہو چکے ہیں جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اُسی کی عبادت کا حکم دیتے ہیں''۔ میں نے اُس کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا اور کہا کہ مجھے سونے دو۔ دوسری رات ہوئی تو پھر ایسا ہُوا۔ میں نے کوئی توجہ نہ دی اور اُسے کہا کہ مجھے سونے دو۔ تیسری رات وہ جنّ پھر آیا اور حسبِ سابق مجھے ٹھوکر مار کر جگایا اور کہا، ''میں نے تجھے بار ہا کہا ہے، عقل سے کام لے اور غفلت کے پردوں سے باہر آ، لوی بن غالب کی نسل سے نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہو چکے ہیں جو اللہ کی طرف اور اُس کی عبادت و اطاعت کی طرف بلاتے ہیں۔ پس تُو فوراً بنی ہاشم کی طرف جا جو مکّہ مکرّمہ کے ٹیلوں اور پہاڑوں کے درمیان ہیں۔'' اُس جنّ کے بار بار متنبہ کرنے پر میرے دِل میں اسلام کی محبت و رغبت پیدا ہو گئی اور صبح ہوتے ہی میں مکّہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں مجھے معلوم ہُوا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما گئے ہیں۔ میں مدینہ طیّبہ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گیا۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ بعثتِ نبوی کی پہلی خبر ایک جنّ کے ذریعہ مدینہ طیّبہ پہنچی۔ وہ ایک عورت پر عاشق تھا۔ اکثر اُس کے گھر پہنچ جاتا اور برائی کا ارتکاب کرتا۔ ایک دن وہ غائب ہو گیا اور کچھ عرصہ غیر حاضر رہنے کے بعد اُس کی دیوار پر آ بیٹھا۔ عورت نے اُس کے غائب ہو جانے اور خلافِ معمول اِس طرح دیوار پر بیٹھنے پر تعجب کا اظہار کیا تو وہ بولا، ''اب وہ ہستی ظہور پذیر ہو چکی ہے جس نے ہمارا انسانوں کے گھروں میں رہنا ممنوع اور بدکاری کو حرام قرار دیا ہے''۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت امام علی بن حسین علیہ السلام سے یہ روایت یوں منقول ہے کہ بنی النجار کی ایک عورت کے پاس ایک جنّ آیا کرتا تھا۔ جب سیّدِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو وہ اُس کے گھر کی دیوار پر آ پڑا۔ عورت نے پوچھا آج پہلے کی طرح نہیں آیا، کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ وہ ذات ظہور فرما چکی ہے جس نے شراب اور بدکاری کو حرام فرما دیا ہے۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ خریم بن فالک نے کہا کہ میں اپنے چوپائیوں کی تلاش میں تھا کہ مجھے ابرق غراف کے مقام پر رات آ گئی۔ میں نے بُلند آواز سے کہا میں اِس وادی کے عزت و عظمت والے جن کی سفہاء اور بیوقوف جنوں کے شر سے پناہ لیتا ہوں تو ناگاہ غیب سے ندا آئی، ''اے جوان! اللہ ذوالجلال کی پناہ لے جو برتری کا مالک ہے اور انعامات وافضال سے نوازنے والا ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خیرات و فیوض کے مالک ہیں اور نجات کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ نماز اور روزہ کا حکم دیتے ہیں اور لوگوں کو بداعمالیوں اور بدکرداریوں سے سختی کے ساتھ الگ کرتے ہیں۔'' (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

عبداللہ عمانی نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک بُت عمان کے ایک قریہ میں نصب تھا۔ چند قبائل اُس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اُس کے مجاور کا نام مازن تھا۔ ایک رات ہم نے اُس کے قریب قربانی کی تو میں نے بُت کے اندر سے یہ آواز سُنی ''اے مازن! سُن اور خوش ہو جا کہ خیر ظاہر اور غالب ہو گیا اور شر پوشیدہ اور ذلیل ہو گیا۔ قبیلہ ''مَضر'' سے ایک نبی مبعوث ہو گئے ہیں جنہوں نے لوگوں کو خدائے برتر کا دِین عطا کیا ہے۔ لہٰذا اب پتھر سے تراشے ہوئے معبود کو ترک کرتا کہ تُو جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جائے۔'' (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ابو عمر ہذلی کا بیان ہے کہ میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ ''سواع'' کے پاس قربانیاں لے کر پہنچا۔ میں نے اُس کے لیے ایک فربہ گائے کو ذبح کیا تو گائے کے اندر سے یہ آواز آئی ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے جو زنا کو اور بتوں کے لیے ذبیحہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ آسمانوں کو جنّات (شیاطین) کی آمد و رفت سے محفوظ کر دیا گیا ہے اور اُنہیں شہبِ ناریہ سے نشانہ بنایا جاتا ہے۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مجاہد سے مروی ہے کہ ہمیں ابنِ عنبس نامی ایک بوڑھے نے بتایا کہ میں اپنی گائے ہانکے ہوئے جا رہا تھا کہ میں نے اُس کے اندر سے آواز سنی ''اے آلِ ذریح! کھلی اور واضح بات ہے کہ ایک ہستی بآوازِ بُلند لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پکار رہی ہے'' ہم مکّہ مکرمہ پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعویٰ نبوّت فرما چکے تھے۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ مکّہ مکرمہ میں تھا۔ ہم ایک طرف کو نکلے جدھر پہاڑ اور درخت تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس درخت یا پتھر کے پاس سے گذرتے تھے وہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ کہہ کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتا۔

اس روایت کی تائید حضرت جابر بن سمرہ نے بھی کی ہے۔ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا کہ میں مکہ میں جس پتھر کی طرف سے گزرتا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ کی آواز آتی تھی۔

حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مکہ میں ایک پتھر تھا جو مجھے اُن راتوں میں سلام کیا کرتا تھا جب میں مبعوث ہوا۔ میں اُسے اب بھی پہچانتا ہوں۔

(جامع ترمذی ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۰۰)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے خطبہء قاصعہ میں فرمایا کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت سے فرمایا کہ اگر تُو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور مجھے اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جانتا ہے تو باذنِ خدا اپنی جگہ سے چل کر میرے پاس آ جا۔ پس قسم اُس خدا کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث برسالت کیا ہے، ایک آواز پیدا ہوئی اور وہ اپنی جگہ سے اُکھڑا۔ اُس کی شاخیں طائر کے پروں کی طرح دونوں طرف پھیل گئیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کھڑا ہُوا۔ اُس کی بعض بُلند شاخیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جھک گئیں اور بعض میرے شانوں پر۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو ازراہِ تمرُّدی کہنے لگے، ''اِسے حُکم دیجیے کہ آدھا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے حُکم دیا تو وہ بیچ میں سے دولخت ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلا آیا۔ اس پر وہ کہنے لگے۔ ''اسے کہیے کہ اپنے بقیہ آدھے حصّے سے جا مِلے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم پا کر وہ اپنے بقیہ حصّے سے جا ملا تو وہ کہنے لگے، ''یہ شخص ساحر اور کذاب ہے''۔ (معاذ اللہ)۔

(کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب/مترجم مولانا سید ظفر حسن)

حضرت ابنِ عباس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک۔ اُنہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اِس درخت کو بُلا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخت کو بلایا

تو وہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جھک گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوطالب بول پڑے، ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کے سچّے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں''۔ پھر انہوں نے اپنے بیٹے علی (علیہ السلام) سے کہا کہ اے علی! تم اپنے ابنِ عم کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔

(کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب/مترجم مولانا سید ظفر حسن)

ایک روایت ہے کہ حارث بن کلدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اُس درخت کو بُلا کر دکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو وہ درخت کلمہ پڑھتا ہُوا سامنے آ گیا۔

(کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب/مترجم مولانا سید ظفر حسن)

باروایتے مالک بن صیف نے کہا کہ اگر میرا فرش گواہی دے تو ایمان لے آؤں گا۔ ابولبابہ بن عبداللہ بولا کہ میرا کوڑا گواہی دے تو ایمان لاؤں گا۔ کعب بن اشرف کہنے لگا کہ میرا گدھا گواہی دے تو ایمان لاؤں گا۔ خالقِ کائنات کے حکم سے فرش نے شہادتین کو بیان کیا تو لوگوں نے کہا یہ تو کُھلا جادو ہے۔ پس فرش بُلند ہُوا اور اُن سب کو پٹخ دیا۔ ابولبابہ کے کوڑے نے شہادتین دیں اور اُس کے ہاتھ سے لپٹ گیا، وہ اوندھے مُنہ گر پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے نصیحت فرمائی چنانچہ اُس نے خوفزدہ ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ کعب اپنے گدھے پر سوار ہُوا تو اُس نے اُسے زمین پر پٹخ دیا اور کہا کہ تُو بُرا بندہ ہے، معجزات دیکھتا ہے مگر ایمان نہیں لاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب سے فرمایا کہ تیرا گدھا تجھ سے بہتر ہے یہ تجھے اپنے اُوپر کبھی سوار نہیں ہونے دے گا۔ کعب نے تنگ آ کر وہ گدھا ثابت بن قیس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ (کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب)

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک اعرابی حاضر ہوا۔ اُس کے پاس ایک گوہ تھی۔ کہنے لگا، ''یا محمدؐ! جب تک یہ گوہ اسلام نہ لائے گی میں ایمان نہیں لاؤں گا''۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس گوہ سے فرمایا، ''بتا تیرا رب کون ہے؟'' اُس نے جواب دیا، ''میرا رب وہ ہے جس کی حکومت وسلطنت زمین وآسمان میں ہے، جس کے عجائب بحر میں ہیں اور جس کے غرائب بَر میں ہیں اور جس کو ارحام کے متعلق علم ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''بتا کہ میں کون ہوں؟'' اُس نے کہا، ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسولِ خدا ہیں اور قیامت تک تمام لوگوں کی زینت اور اُن کے قائد ہیں۔ جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لایا اُس نے فلاح پائی اور صاحبِ سعادت ہوا'' اعرابی نے کلمہ شہادتین پڑھا اور ہنس کر بولا، ''میں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دشمن بن کر آیا تھا لیکن اب دوست بن کر جا رہا ہوں''۔ اُس اعرابی کا نام سعد بن معاذ سلمٰی تھا۔ سعد نے اپنے گھر پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور یہ واقعہ بیان کیا۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ (کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب)

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہودیوں نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ان پہاڑوں سے اپنی نبوّت کی تصدیق کرا دیجیے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پہاڑ کو حکم دیا تو وہ متحرک ہُوا، اُس میں بھونچال آیا، پانی جاری ہُوا اور آواز آئی اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ سَیِّدُ الْخَلْقِ اَجْمَعِیْن ۔ پھر حکم دیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا، نیچے کا حصّہ اُوپر ہو گیا اور اُوپر کا حصّہ نیچے آ گیا۔ پھر فرمایا اے پہاڑ! بحقِ مُحمّدؐ وآلِ مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کلام کر۔ چنانچہ اُس میں سے ایک گونج سنائی دی۔ یہودی کہنے لگے مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں کو پہاڑ کے اندر چھپا رکھا ہے اور وہی بول رہے ہیں۔ قریش نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور علی (علیہ السلام) کی طرف پتھر پھینکے لیکن پتھروں نے اُنہیں سلام کیا۔ تب اُن میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ضرور زمین کے اندر بھی انسان چھپائے گئے ہیں جو یہ کلام کر رہے ہیں۔ ایسا کہنے والے دس لوگ تھے جن کے سروں پر پتھر برسے اور وہ

ہلاک ہو گئے۔ اُن کے قبیلے والے آہ وفغاں کرتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے عزیزوں کو جادو سے مار ڈالا۔ خدا کے حکم سے اُن مُردوں نے کلام کیا اور کہا کہ مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچّے ہیں اور تم جھوٹے ہو۔ ابوجہل کہنے لگا کہ یہ تو بہت بڑا جادو ہے۔

(کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت زید بن ارقم اور حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک ہرنی پکڑ رکھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُدھر سے گذر ہُوا تو ہرنی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور فریاد کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں دو بچوں کی ماں ہوں جو بھوکے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آزاد کروا دیجیے، میں اُنہیں دودھ پلا کر لوٹ آؤں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تُو واپس نہ آئی تو؟ اُس نے کہا کہ خدا میرے اُوپر عذاب نازل کرے اگر میں نہ لوٹوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے (اپنی ضمانت پر) آزاد کرا دیا۔ پس وہ اپنے بچوں کے پاس پہنچی اور تمام ماجرا بیان کیا۔ اُس کے بچوں نے کہا کہ ہم دودھ نہیں پئیں گے جب تک کہ تیرے ضامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشانی میں ہیں۔ پس وہ اپنے بچوں کو لے کر حاضر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں گر پڑی۔ اُس کے دونوں بچے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک پر سر رگڑنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر یہودی کے آنسو نکل آئے اور وہ اسلام لے آیا۔ کہنے لگا کہ میں نے اِس ہرنی کو آزاد کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرنی کے گلے میں ایک پٹہ ڈال دیا اور فرمایا کہ تمہارا گوشت شکاریوں پر حرام ہے۔ حضرت زید روایت کرتے ہیں کہ میں نے اُس ہرنی کو دیکھا کہ جنگل میں تسبیح الٰہی کرتی تھی اور کہتی تھی، ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ''۔

محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ ایک شخص، اپنے باپ کی وصیت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے

ریشمی کپڑوں سے لدے ہوئے سترہ اُونٹ اور سترہ حبشی غلام لے کر البطح سے چلا۔ وہ مکہ میں آپ ﷺ کو تلاش کر رہا تھا کہ ابوالبختری نے ابوجہل کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ وہ رہے۔ کثیر بن عامر ابوجہل کے قریب آیا تو کہا کہ نہیں! تم وہ نہیں ہو۔ آخر کار وہ حضور ﷺ تک پہنچ گیا۔ آپ ﷺ کے دست و پا کو بوسہ دیا اور تمام مال آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ ابوجہل اس پر سخت سیخ پا ہُوا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ اے آلِ غالب یہ مال کعبہ کا ہے اور اگر تم نے اِس معاملہ میں انصاف نہ کیا تو میں اپنے سینے میں تلوار گھونپ لوں گا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور اپنی تلوار بے نیام کر کے مکہ کے اطراف میں پروپیگنڈا کرنے لگا۔ حتیٰ کہ اُس نے ستر ہزار لوگ لڑائی کے لیے جمع کر لیے۔ حضرت ابوطالب نے بھی بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب کو اکٹھا کیا۔ ابوجہل نے حضرت ابوطالب سے کہا کہ تمہارے بھتیجے نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں اور اب عرب کو خون ریزی پر آمادہ کر رہا ہے۔ حضرت ابوطالب نے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ کہنے لگا کہ مُحمّدؐ (ﷺ) نے فلاں شخص پر جادو کر کے اُس کا مال ہتھیا لیا ہے۔ حضرت ابوطالب کہنے لگے کہ ٹھہرو! مجھے مُحمّدؐ (ﷺ) سے معلوم کرنے دو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (مال بردار) اُونٹوں کو پکارا جائے اگر وہ اُسے جواب دے دیں تو اُس کے اگر مجھے جواب دیں تو میرے اور کل صبح یہ امتحان ہو جائے۔ ابوجہل وہاں سے کعبہ میں آیا اور وہاں پر رکھے ہوئے ہبل نامی بُت کے آگے سجدہ ریز ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ اے ہبل! میں چالیس سال سے تیری عبادت کر رہا ہوں اور کبھی تجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ تُو میری حاجت پوری کر اُونٹ مجھے جواب دیں اور میں مُحمّدؐ (ﷺ) کی شماتت (نقصان پر خوش ہونا) سے بچ جاؤں، تب میں تیرے لیے سفید موتیوں کا قبہ، جواہرات کا تاج، سونے کے کنگن اور چاندی کی جوتیاں بنواؤں گا۔ الغرض صبح ہوئی اور جب اُس نے اُونٹوں کو

آواز دی تو کسی نے کوئی جواب نہ دیا مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکارا تو ہر ناقہ نے سات بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کی گواہی دی۔ (کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے کچھ سنگریزے طلب فرمائے۔ علی علیہ السلام نے سنگریزے اُٹھا کر دیئے تو اُن سے آواز آئی: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا۔ بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔ آیت ۸۱: سورۃ بنی اسرائیل) پس بُت خانوں کے بُت گر پڑے اور مکہ والے کہنے لگے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا ساحر کسی کو نہیں پایا (معاذ اللہ)۔ (کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب/مترجم مولانا سید ظفر حسن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں کس طرح یقین کروں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس خوشے سے کہوں اور وہ گواہی دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تب تمہیں یقین آ جائے گا؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو وہ خوشہ درخت سے ٹوٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گر پڑا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے حکم دیا کہ واپس چلے جاؤ تو وہ واپس چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

(جامع ترمذی ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۰۴)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

دعوتِ ذوالعشیرہ

تحریکِ اسلام کی پہلی منزل ''دعوتِ ذوالعشیرہ'' تھی۔ دعوتِ ذوالعشیرہ کا واقعہ سنہ ۴ بعثت کا ہے۔ بعثت یعنی اعلان نبوّت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سال تک نہایت رازداری کے ساتھ فرائضِ نبوّت کی انجام دہی فرمائی۔ پھر حکمِ خدا آیا کہ اب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھلے عام تبلیغ فرمائیں چنانچہ تبلیغِ دین کا باقاعدہ آغاز اسی منزل سے ہوتا ہے۔ تاریخ ابوالفداء کے ترجمہ میں مولانا کریم الدین حنفی لکھتے ہیں، ''واضح ہو کہ تین برس تک پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دعوت طرفِ اسلام خفیہ کرتے رہے مگر جب کہ یہ آیت نازل ہوئی ''وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ○'' (آیت نمبر ۲۱۳: سورۃ الشعراء) یعنی ڈرا اپنے کنبے والوں کو جو قریب رشتہ کے ہیں۔ اُس وقت حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بموجب حکمِ خدا کے اظہار کرنا دعوت کا شروع کیا۔ بعد نازل ہونے اِس آیت کے پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے علی (علیہ السلام) سے ارشاد کیا کہ اے علی! ایک پیمانہ کھانے کا میرے واسطے تیار کر اور ایک بکری کا پیر اُس پر چھوا لے اور ایک بڑا کانسہ دودھ کا میرے واسطے لا اور عبدالمطلب کی اولاد کو میرے پاس بُلا کر لا تا کہ میں اُس سے کلام کروں اور سناؤں اُن کو وہ حکم کہ جس پر جنابِ باری تعالیٰ سے مامور ہُوا ہوں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے وہ کھانا ایک پیمانہ بموجبِ حکم تیار کر کے اولادِ عبدالمطلب کو، جو قریب چالیس آدمی تھے بُلایا، اُن آدمیوں میں حضرت کے چچا ابوطالب اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس بھی تھے۔ اُس وقت حضرت علی علیہ السلام نے وہ کھانا جو تیار کیا تھا لا حاضر کیا۔ سب کھا پی کر سیر ہو گئے۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے ارشاد کیا کہ جو کھانا اُن سب آدمیوں نے کھایا وہ ایک آدمی کی بھوک کے موافق تھا۔ اِس اثنا میں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاہتے تھے کہ کچھ ارشاد کریں کہ ابولہب جلد بول اٹھا اور یہ کہا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بڑا جادُو کیا۔ یہ سنتے

ہی تمام آدمی الگ الگ ہو گئے، پھر چلے گئے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ کہنے نہ پائے تھے۔ یہ حال دیکھ کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا کہ اے علی (علیہ السلام) دیکھا تُو نے! اِس شخص نے کیسی سبقت کی۔ مجھ کو بولنے ہی نہ دیا۔ اب پھر کل کو کھانا تیار کر جیسا کہ آج کیا تھا اور پھر بُلا کر (سب کو) جمع کر۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے دوسرے روز بھی موافق ارشادِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ کھانا تیار کر کے سب لوگوں کو جمع کیا۔ جب وہ کھانے سے فراغت پا چکے تو اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا کہ تم لوگوں کی بہت اچھی قسمت اور نصیب ہے کیونکہ ایسی چیز میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں کہ اِس سے تم کو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور لے آیا ہوں تمہارے پاس دُنیا اور آخرت میں اچھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو تمہاری ہدایت کا حکم فرمایا ہے، کیا کوئی شخص تم میں سے اِس اَمر کا اقتدا کر کے میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ بننا چاہتا ہے؟ اُس وقت سب موجود تھے اور حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک ہجوم تھا اور حضرت علی (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دشمنوں کو نیزہ ماروں گا اور آنکھیں اُن کی پھوڑوں گا اور پیٹ اُن کے چیروں گا اور ٹانگیں اُن کی کاٹوں گا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وزیر ہوں گا۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس وقت علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کی گردن پر ہاتھ مبارک رکھ کر ارشاد کیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے تمہارے درمیان، اِس کی سُنو اور اطاعت قبول کرو۔ یہ سُن کر سب قوم کے لوگ از روئے تمسخر ہنس کر کھڑے ہو گئے اور ابو طالب سے کہنے لگے کہ اپنے بیٹے کی بات سُن اور اطاعت کر، یہ تجھے حکم ہُوا ہے....الخ۔

(چودہ ستارے، ترجمہ تاریخ ابوالفداء/ مولانا کریم الدین حنفی ص ۳۳ تا ۳۶ طبع لاہور)

مؤرّخ ابوالفداء کی تحریر پر علامہ نجم الحسن کراروی صاحب نے اپنی تصنیف چودہ ستارے میں وضاحتی نوٹ میں لکھا ہے کہ آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ○ آیت نمبر ۲۱۳ سورۃ الشعراء)

کے نزول کی تفصیل حضرت علی علیہ السلام کی خلافتِ بلافصل کی بنیاد قائم کرتی ہے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور عمل نے ثابت کر دیا کہ حضرت علی علیہ السلام ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہء اوّل اور خلیفہء بلافصل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا تھا جس کی تجدید اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں فرماتے رہے یہاں تک کہ غدیرِ خم میں آخری حج کے موقع پر آخری اعلان فرمایا اور واضح کر دیا کہ میرے بعد علی ابنِ ابی طالب ہی میرے جانشین اور خلیفہ ہیں۔ مؤرّخ ابوالفداء نے اسلام کی اِس پہلی اور بنیادی دعوتِ تبلیغ کی مناسب وضاحت فرمادی ہے اور صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ اِسی بنیادی دعوت کے موقع پر بنادیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ اِن کی بات کان دھر کر سنو اور اِن کی اطاعت کرو۔

کچھ کم وبیش لفظوں کے ساتھ یہ واقعہ، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۷، تاریخ کامل بن اثیر ج ۲ ص ۲۲۱، لباب التاویل ج ۵ ص ۱۰۶، معالم التنزیل برحاشیہ خازن ج ۲ ص ۱۰۵، خصائص نسائی ص ۱۳، مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۶۰، کنزالعمال ج ۶ ص ۳۹۷، سیرت ابن اسحاق، تفسیر ابن حاتم، دلائل بیہقی، مناقب امام احمد مصنف ابوبکر ابن ابی شیبۃ، تاریخ خمیس، تفسیر ابن مردویہ، تفسیر سراج منیر، تفسیر ثعلبی، تفسیر واحدی، حلیۃ الاولیاء، ذخیرۃ المآل عجلی، مختارہ ضیاء مقدسی، تہذیب الاثار طبری، اکتفاء عاصمی، روضۃ الصفا، حبیب السیر، معارج النبوّت، مدارج النبوّت، ازالۃ الخفا، تاریخ اسلام عبدالحکیم نشتر ج ۱ ص ۴۴ وغیرہ میں موجود ہے اور اِن اسلامی کتب کے علاوہ اس کا تذکرہ اہلِ فرنگ کی تصانیف میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو اپالوجی جان ڈیون پورٹ ص ۵، کارلائل ص ۶۱، خلفاءِ محمدؐ، آیرونگ ص ۳، تاریخ گبٹن ج ۳ ص ۴۹۹، اوکلی ص ۱۵۔ (چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی)

کوئی سیاسی مہم ہو، سماجی معاملہ یا تبلیغِ دِین، عموماً مہم چلانے والا لوگوں کے دروازوں تک جاتا ہے

اور جا کر انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے موقع پر اُس کی حیثیت سائل کی سی ہوتی ہے۔ اسلام کی پہلی اور اہم ترین دعوت، دعوتِ ذوالعشیرہ میں نبی گرامی ﷺ کا اندازِ تبلیغ بالکل مختلف ہے۔ آپ ﷺ کسی کے ہاں سوالی بن کر نہیں جا رہے بلکہ اپنے دولت کدہ پر قریش کے سرکردہ افراد کو دعوت دے رہے ہیں اور نہایت باوقار طریقے سے فرما رہے ہیں کہ تم لوگوں کی قسمت اچھی ہے کیونکہ میں اللہ کی طرف سے ایسی چیز لایا ہوں جس سے تمہیں فضیلت حاصل ہو سکتی ہے، میں تمہارے لیے دُنیا اور آخرت میں اچھائی لے کر آیا ہوں اور خدا تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت کا حکم فرمایا ہے.... الخ۔ آپ ﷺ قریش کے منفی رویّے کے باوجود دوبارہ اور سہ بارہ انہیں بلاتے ہیں، کھانے سے تواضع فرماتے ہیں اور دینِ اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ ﷺ اُن کے رویّے سے دلبرداشتہ ہوتے ہیں نہ اپنا فریضہء تبلیغ ترک کرتے ہیں۔ قریش کے مغرور و متکبر اور گستاخ سرداروں کے سامنے آپ ﷺ کا ثابت قدم رہنا اور اکیلے ڈٹے رہنا آپ ﷺ کے عزمِ صمیم اور قوتِ برداشت کی ایک شاندار مثال ہے۔ اُس وقت آپ ﷺ کی پشت پر صرف تین ہستیاں موجود تھیں۔ پیکرِ وفا شریکِ حیات حضرت خدیجہ علیہا السلام، ضعیف مگر شفیق چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام اور نوعمر بھائی حضرت علی علیہ السلام جن کو آپ ﷺ نے اپنا جانشین، وصی اور خلیفہ قرار دیا۔ یہ کوئی اقربا پروری نہیں تھی بلکہ خالصتاً ''اہلیت'' کی بنیاد پر کیا گیا فیصلہ تھا جسے حضرت علی علیہ السلام نے ابتدا سے لیکر تا بحیاتِ رسول اللہ ﷺ ثابت کیا۔ اس دعوت کے موقع پر اگر علی علیہ السلام کے کردار کا بغور جائزہ لیا جائے تو چند نہایت اہم اور دلچسپ پہلو نظر آتے ہیں، مثلاً رسول اللہ ﷺ علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ میں نے قریش کو مدعو کیا ہے لہٰذا ایک پیمانے کھانے کا اور ایک پیالے دودھ کا انتظام کرو۔ علی علیہ السلام اتنے قلیل کھانے کے حکم پر متعجب ہوتے ہیں نہ ہی سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! مہمانوں کی کثیر تعداد کے لیے اتنا قلیل

کھانا کیسے پورا آئے گا؟ علی علیہ السلام اتنی کم عمری میں بھی یقین کامل کی اُن بُلندیوں پر سرفراز ہیں کہ حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلاتوقف تعمیل فرماتے ہیں۔ دوسری طرف تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ کئی بزرگوں نے اسلام قبول کر لینے کے باوجود آنے والے کئی اہم مواقع پر نہ صرف فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شک کا اظہار کیا بلکہ حکم عدولی بھی کی اور اِس کے باوجود خود کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرب صحابی اور صحیح جانشین قرار دیتے رہے۔ اس دعوت میں حضرت علی علیہ السلام کے کردار کا دوسرا اہم اور دلچسپ پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ انتہائی کم عمری میں قریش کے سورماؤں کے سامنے کھڑے ہوکر بے خوف وخطر کہتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی آنکھیں پھوڑوں گا، اُن کی ٹانگیں کاٹوں گا، نیزہ ماروں گا، پیٹ چاک کروں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وزیر بنوں گا۔ چنانچہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو اپنا وصی، جانشین اور وزیر قرار دیتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قریش کا ظلم وستم

دعوتِ ذوالعشیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوّت کے بعد قریش، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہو گئے۔ اُنہیں یہ گوارا نہیں تھا کہ اُن کے آبائی دِین کے مقابلے میں کوئی نیا دِین پیدا ہو جائے، اُنہیں اُن کے مذہب سے منحرف کیا جائے اور اُن کے ''خداؤں'' کے مقابلے میں ایک اَن دیکھے خدائے واحد کو ''خدا'' تسلیم کیا جائے۔

ابتدا میں اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نئے دِین کی تبلیغ وتقلید سے روکنے کے لیے عام حربے استعمال کیے پھر لالچ دینے کی کوشش کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزم واستقلال کے آگے جب ایک نہ چلی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سختی سے روکنے لگے۔ جوں جوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغِ حق کے لیے قدم بڑھاتے رہے توں توں اُن کی سختیوں اور ظلم وستم میں اضافہ ہوتا رہا اور آخر کار وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن بن گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمنوں میں ابولہب، ابوسفیان اور ابوجہل نمایاں تھے۔ اُنہوں نے بہت سے کافروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے نت نئے طریقے اختیار کرنے لگے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گندگی ڈالتے اور ساحر ومجنوں کہہ کر ستاتے۔ اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان لینے کا ارادہ بھی کیا لیکن اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ابنِ عمرو بن عاص کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا۔ اُس نے اپنی چادر کو بل دے کر رَسّے کی طرح بنایا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں گئے تو وہ رَسّہ نما چادر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن میں ڈال کر بَل دینے لگا۔ گلوئے مبارک دب گیا تاہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطمینانِ قلب کے ساتھ سجدہ ریز رہے۔

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش بھی صحنِ کعبہ میں موجود تھے۔ ابوجہل بولا کہ آج شہر میں فلاں جگہ ایک اُونٹ ذبح ہُوا ہے اور وہاں اُس کی اوجھڑی پڑی ہوئی ہے۔ کوئی جا کر اُسے اُٹھا لائے اور محمد (ﷺ) کے اُوپر ڈال دے۔ شقی القلب عقبہ وہ نجاست بھری اوجھڑی یا بروایتے ''مثیمہ'' یعنی غلیظ آنول اُٹھا لایا۔ جب نبی پاک ﷺ سجدہ میں گئے تو اُس نے وہ اوجھڑی یا آنول آپ ﷺ کی پشتِ اطہر پر ڈال دی۔ اِس پر سب ملعون مِل کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ رسول ﷺ کے ایک صحابی حضرت ابنِ مسعود بھی وہاں موجود تھے، کافروں کا ہجوم دیکھ کر اُنہیں تو جُرأت نہ ہوئی مگر بنتِ رسول سیّدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کو خبر ہوئی تو آپ خانہ کعبہ میں تشریف لائیں، والدِ محترم کی پشتِ پاک سے اُس اوجھڑی کو ہٹا کر دُور پھینکا اور اُن سنگ دلوں کو سخت سُست کہا۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

بعض اوقات وہ ظالم حضور ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھاتے، دروازے پر خون پھینک جاتے، بدنِ اطہر پر پتھر برساتے اور سرِ انور پر کُوڑا کرکٹ ڈال دیتے۔ عظمتِ کردارِ مصطفیٰ ﷺ ملاحظہ ہو کہ آپ ﷺ اُن کو گالی دیتے نہ بددعا کرتے بلکہ صرف اتنا فرماتے کہ اے فرزندانِ عبد مناف! تم حقِ ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو۔

قریشِ مکّہ نے جور و ستم کی انفرادی کوششوں پر ہی اکتفا نہیں بلکہ منظم ہو کر ایذا رسانی کی کمیٹیاں بنا لیں۔ ایک کمیٹی کا سربراہ ابولہب تھا اور مکّہ کے پچیس سردار اُس کے ممبر تھے۔ اُس کمیٹی کا ایک مقصد یہ تھا کہ باہر سے آنے والوں کو منفی پروپیگنڈہ کے ذریعے حضور ﷺ سے بدظن کیا جائے تاکہ وہ لوگ آپ ﷺ کے پیغامِ حق سے متاثر نہ ہو سکیں۔ اِس سلسلہ میں کسی نے رائے دی کہ آپ (ﷺ) کے بارے میں یہ عام کیا جائے کہ آپ (ﷺ) کاہن ہیں، ایک نے کہا کہ دیوانہ مشہور کر دیا جائے، کوئی بولا کہ شاعر کہا جائے، کسی نے مشورہ دیا کہ جادوگر بتایا جائے، وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ)۔ (تاریخ طبری، کتاب: رحمۃ للعالمین/ ﷺ قاضی محمد سلیمان، مدارج النبوّت)

ہجرتِ حبشہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ حق کے نتیجے میں کئی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مظلوم اور معاشرتی استحصال کا شکار طبقہ خاص طور اس دِین رحمت کی طرف راغب تھا۔ تحریکِ اسلام کی یہ کامیابی مشرکینِ مکہ کے لیے بہت تشویشناک تھی، وہ اس تحریک کو ہر قیمت پر ناکام بنانا چاہتا تھے، اپنے اجداد کے دِین کے مقابلے میں کوئی دوسرا مذہب اُنہیں کسی صورت قبول نہیں تھا اس لیے نومسلم لوگوں کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنانے لگے۔

اُس دور میں قبیلے کا سردار اگر کسی کو اپنی جماعت یا پناہ میں لے لیتا تو چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوتا، اُس پر ہاتھ ڈالنا اُس قبیلے کی غیرت وحمیّت کو للکارنا اور دعوتِ مبارزَت دینے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ یہ داعی انقلابِ حق پیغمبرِ اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیاسی تدبّر اور عدم تشدّد کی حکمت عملی تھی کہ مسلمانوں کو اپنی انقلابی سرگرمیوں کے باوجود مختلف خانوادوں اور قبیلوں کی پناہ وحمایت حاصل ہوجاتی تھی اور اس طرح وہ دشمنوں کے مسلح حملوں سے محفوظ رہتے تھے۔

جب مشرکینِ مکّہ کی گستاخیاں، دشمنیاں اور سازشیں عروج پر پہنچ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ اہلِ ایمان کا مکّہ میں زندگی گذارنا بہت مشکل ہوگیا ہے تو مشیّتِ ایزدی کے ایما پر بصیرتِ نبوّت کا فیصلہ یہ ہُوا کہ مسلمانوں کو مکّہ سے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک رحمدل انسان تھا اور اُس کا ملک امن وآشتی کا گہوارہ تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر تم سرزمینِ حبشہ کو نکل جاؤ تو بہتر ہے کیونکہ وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ سرزمینِ صدق ہے، یہاں تک کہ جس تنگیٔ حیات میں تم ہو اُس میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے فراخی پیدا کردے۔ (ابن ہشام ج ا ص ۳۲۳)

چنانچہ سنہ ۵ بعثت میں بروایتے سومرد وزن ہجرت کر کے حبشہ پہنچے۔ مؤرّخین کا بیان ہے کہ اِن ہجرت کرنے والوں میں حضرت جعفر طیارؓ بھی تھے اور وہ اُن میں سربراہِ قافلہ یا امیرِ جماعت کی حیثیت رکھتے تھے۔

مدارج النبوّت میں ہے کہ ماہِ رجب میں گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں خفیہ طور پر ہجرت کر کے حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض لوگ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ تھے اور کچھ بغیر اہل وعیال کے۔ یہ مہاجرین سمندر تک پیدل گئے پھر وہاں سے بذریعہ کشتی یا جہاز حبشہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قریش کو خبر ہوئی تو اُنہوں نے پیچھا کیا لیکن اُن کے بندرگاہ پر پہنچنے سے پہلے ہی جہاز کھُلے سمندر میں جا چکا تھا۔

مہاجرین کی پہلی جماعت میں جس میں بروایتے گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں، مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

(۱) حضرت عثمان بن مظعون (۲) حضرت عثمان بن عفّان (۳) حضرت عثمان بن عفّان کی زوجہ حضرت رقیہ (۴) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۵) حضرت مصعب بن عمیر (۶) حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ (۷) حضرت ابوحذیفہ کی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل (۸) حضرت زبیر بن عوام (۹) حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی (۱۰) حضرت ابوسلمہ کی زوجہ حضرت اُمّ سلمٰی (۱۱) حضرت عامر بن ربیعہ (۱۲) حضرت عامر کی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہ (۱۳) حضرت ابوسبرۃ بن ابی اہم یا حضرت (ابو) حاطب بن عمرہ (۱۴) حضرت سہیل بن بیضا اور (۱۵) حضرت عبداللہ بن مسعود۔ (ابن ہشام ج ۱)

مسلمانوں کی ایک اور جماعت جو ۸۳ مَردوں اور ۱۸ عورتوں پر مشتمل تھی قریش کی نظروں سے بچ کر کشتیوں کے ذریعے حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ بروایتے اِس جماعت میں پیغمبر اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیارؓ بھی تھے۔

حبشہ کا موجودہ نام ایتھوپیا ہے۔ اُس وقت وہاں کا بادشاہ نجاشی تھا۔ نجاشی کا اصل نام بروایتے کمحول یا اصحمہ بن بجری تھا۔ کتاب مدارج النبوّت میں اُس کا نام اصحمہ لکھا ہے۔ نجاشی نسطوری فرقہ کا عیسائی تھا۔ اُس نے مہاجرین کا خیر مقدم کیا اور خوب آؤ بھگت کی۔

کفار کو مسلمانوں کے حبشہ میں امن وچین سے رہنے پر بہت تشویش لاحق تھی چنانچہ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے اُنہوں نے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب کیا جس میں یہ فیصلہ ہُوا کہ مسلمانوں کو واپس لانے کے لئے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس ایک سفارت بھیجی جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے عبداللہ بن عمر اور عمرو بن عاص کو بیش بہا تحائف دے کر ایک جماعت کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال دے۔ عمرو بن عاص اور اُس کے ساتھیوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر اُسے سجدہ کیا، تحفے پیش کیے اور خوشامد کر کے عرضِ مدعا کیا۔ بروایتے اُنہوں نے پہلے درباریوں اور پھر اُن کی وساطت سے نجاشی کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں نے ایک ایسا دِین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور اُن کے آبائی دِین یعنی بُت پرستی، دونوں کے خلاف ہے۔ مسلمان چونکہ اُن کے ہم قوم ہیں اور مرتد ہو گئے ہیں اس لیے اُنھیں اُن کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ اُنہیں اسیر بنا کر واپس اپنے مُلک مکّہ لے جائیں۔

نجاشی ایک صاحبِ دل اور عادل حکمران تھا۔ اُس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ جس قوم نے ہمارے مُلک میں پناہ لی ہو ہم اُسے اُس کے دشمنوں کے حوالے کر دیں۔ اِس کے بعد اُس نے حکم دیا کہ مسلمانوں کو بلایا جائے تا کہ اُن کا موقف بھی معلوم ہو۔ چنانچہ مسلمان مہاجرین دربار میں پہنچے اور بادشاہ کو سلام کیا۔ نجاشی کے مصاحبوں نے پوچھا کہ تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اِس پر حضرت جعفر طیار بن ابی طالبؓ نے جو مہاجرینِ حبشہ کے سردار

تھے، کہا کہ ہم غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے نبی ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔ پھر اُنہوں نے اپنے دِین اور اسلامی احکام کی خوب عمدہ طریقہ سے ترجمانی کی۔

انہوں نے کہا، ''اے بادشاہ ہماری قوم کی یہ حالت تھی کہ ہم سب جاہل تھے، بتوں کی پرستش کرتے، مُردار کھاتے، بُرے کام کرتے، رشتے ناتے توڑ دیتے، پڑوسیوں سے بُرا سلوک کرتے اور ہم میں سے جو طاقتور ہوتا وہ کمزور کو برباد کر دیتا۔ ہماری یہ حالت تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک شخص کو ہماری جانب رحمدل بنا کر بھیجا، جس کے نسب، صداقت، ایمانداری اور پاکدامنی سے ہم واقف تھے۔ اُس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی کہ ہم اُسے ''اَحد'' مانیں اور فقط اُسی کی عبادت کریں، ہم اور ہمارے بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پتھروں اور بتوں کی جو پرستش اختیار کر رکھی تھی، اُسے ترک کر دیں۔ اُس رسول (ﷺ) نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہء رحمی کرنے اور ہمسایوں سے حُسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا اور حرامکاری، قتل وخونریزی کرنے نیز بدی کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر تُہمت لگانے سے منع فرمایا۔ اُس نے ہمیں حکم دیا کہ فقط اللہ کی عبادت کریں اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اُس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا''۔ غرض حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے سامنے اسلام کے جملہ احکام بڑی خوبی سے بیان کیے اور کہا کہ ہم نے اُس رسول (ﷺ) کی تصدیق کی اور اُس پر ایمان لائے مگر ہماری قوم نے اِس وجہ سے ہم پر ظلم وتشدّد کیا اور اذیّتیں دیں۔ ہمیں مجبور کیا کہ ہم پھر بُت پرستی کی طرف لوٹ جائیں۔ جب ہم پر عرصہء حیات تنگ کر دیا گیا تو ہم نے آپ کے مُلک میں پناہ لی۔ اُمید ہے کہ آپ ہم پر ظلم نہیں ہونے دیں گے۔

حضرت جعفرؓ کی یہ گفتگو سُن کر نجاشی نے کہا کہ تمہارے رسول (ﷺ) پر جو کلام نازل ہُوا ہے

اُس میں سے کچھ سُناؤ۔ اُنہوں نے سُورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ نجاشی پر رقّت طاری ہوگئی اور اُسکی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ وہاں موجود پادری بھی آبدیدہ ہوگئے اور یک زبان ہوکر کہنے لگے، ''خدا کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہُوا دونوں ایک ہی مشکوٰۃ (چراغ دان/ فانوس) سے نکلے ہیں''۔ نجاشی نے کہا، ''بے شک یہ چیز (قرآن مجید) اور وہ چیز جو عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے (انجیل) دونوں ایک ہی چراغ کا نور ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی مقدس ہستی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے دی اور فرمایا کہ اُن کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تشریف لائیں گے''۔ اِس کے بعد نجاشی نے قریش کے سفیروں سے کہا کہ میں یہ مظلوم تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

دوسرے دن عمرو بن عاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی اور درباریوں کو مشتعل کرنے کی خاطر کہا کہ اے بادشاہ! حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ معلوم کیجیے پھر فیصلہ دیجیے۔ نجاشی نے مسلمانوں سے دریافت کیا تو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے جواب دیا، ''قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم اللہ تعالیٰ کے بندے، اُس کے رسول اور اُس کی رُوح ہیں''۔ نجاشی نے ایک تنکا اُٹھا کر کہا، ''واللہ، جو کچھ تم نے کہا، حضرت عیسیٰ اس سے سرمُو زیادہ نہیں ہیں''۔ پھر اُس نے قریش کے دونوں سفیروں کو اُن کے تحائف واپس کردیے اور اُنہیں ذلیل ورُسوا کرکے دربار سے نکال دیا۔

''مدارج النبوّت'' کے مطابق کچھ عرصہ بعد ایک جھوٹی خبر پھیلی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مشرکوں کے درمیان صلح ہوگئی ہے۔ یہ خبر حبشہ پہنچی تو مسلمان مہاجرین نے وفورِ مسرت سے اِس کی تصدیق بھی گوارا نہ کی اور اُن میں سے بیشتر واپس مکّہ کی طرف چل پڑے۔ وہ مکّہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہُوا کہ صلح کی خبر نامعتبر اور جھوٹی ہے اور کفار بدستور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سرگرم ہیں۔ چنانچہ

اِن میں سے کچھ چھپتے چھپاتے مکّہ میں داخل ہوئے اور اپنے اعزّہ و اقارب کی حمایت و پناہ میں چلے گئے اور باقی پھر حبشہ لوٹ گئے۔

تحریکِ اسلام کے حبشہ تک پہنچ جانے اور وہاں اپنی سفارت کے ناکام ہوجانے کا قریش کو سخت غم وغصہ تھا، اُن کا ظلم وستم زور پکڑ گیا اور انہوں نے مسلمانوں کا جینا محال کر دیا۔ چنانچہ مزید ایک سو بارہ افراد جن میں اٹھارہ عورتیں بھی شامل تھیں حبشہ کو کوچ کر گئے۔

پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مہاجرینِ حبشہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، کچھ مسلمان جن میں حضرت جعفر طیارؓ بھی شامل تھے، بعض وجوہ کی بنا پر پیچھے رہ گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ ۷ ہجری میں اُنھیں بھی اپنے پاس بلا لیا۔ یہ مہاجرین فتحِ خیبر کے موقع پر واپس آئے، اُن کی واپسی پر جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں حیران ہوں کہ دو خوشیوں میں سے کس کو ترجیح دوں، آیا فتحِ خیبر کی خوشی کو اہم سمجھوں یا جعفر طیار کی واپسی کو۔

(چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی، مدارج النبوّت، پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، طبقات ابن سعد، ابن ہشام)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ

عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

اَکْرَمِ خَلْقِكَ وَسِرَاجِ اُفْقِكَ وَاَفْضَلِ قَآئِمِ

بِحَقِّكَ الْمَبْعُوْثِ بِتَیْسِیْرِكَ وَرِفْقِكَ صَلٰوةً یَّتَوَالٰی تَکْرَارُھَا

وَتَلُوْحُ عَلَی الْاَکْوَانِ اَنْوَارُھَا ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارالارقم میں

سیرت ابنِ ہشام میں مؤرّخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ جب مسلمان حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر تبلیغِ دین فرماتے رہے اور لوگ دینِ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ یہ دیکھ کر کفّار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ناچار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر کوہِ صفا کے اُوپر واقع ارقم بن ابی ارقم بن عبد مناف بن اسد کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مکان میں ایک ماہ تک رہے اور وہاں بھی لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے رہے۔ یہ واقعہ سنہ ۶ بعثت کا ہے۔ (چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی، تاریخ اسلام، سیرت ابن ہشام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دارِ ارقم میں منتقل ہو جانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تدبر اور اعلیٰ حکمتِ عملی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں دشمن پورے شدّومد کے ساتھ یلغار کر رہا ہو اور آپ کے پاس مقابلے کی قوت یعنی وسائل نہ ہوں تو وہاں سے وقتی طور پر ہٹ جانا ہی دانش مندی ہے۔

❁

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَ رِضَاءَ نَفْسِہٖ وَ
زِنَۃَ عَرْشِہٖ وَ مِدَادَ کَلِمَاتِہٖ وَ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ
ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ وَ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَ عِتْرَتِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا ○

❁

معاشرتی مُقاطَعہ

نورِ اسلام کو شب و روز پھیلتا دیکھ کر کفارِ قریش سخت مضطرب تھے۔ اُن کی چیرہ دستی زور پکڑ گئی اور عداوت عروج پر پہنچ گئی۔ بروایتِ ابنِ ہشام وابنِ اثیر وطبری، ابوجہل بن ہشام، شیبہ، عتبہ بن ربیعہ، نصر بن حارث، عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ ایک گروہ کے ساتھ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر کمربستہ ہوئے اور حضرت ابوطالب کے پاس آئے۔ اُنہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک نئے دِین کا اختراع کیا ہے اور وہ ہمارے خداؤں کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے ہیں لہٰذا اُنہیں ہمارے حوالے کردو تاکہ ہم اُنہیں قتل کردیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ۔ حضرت ابوطالب نے اُنہیں ٹال دیا، وہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مشن بلا توقف جاری رکھا یہاں تک کہ وہ پھر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر مُصر ہوئے۔ حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چچا جان! میں جو کہتا ہوں کہتا رہوں گا، میں کسی کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہوسکتا اور نہ کسی لالچ میں ہی آسکتا ہوں، اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تو بھی میں حکمِ خدا کی تعمیل سے نہیں رکوں گا۔ میں جو کرتا ہوں حکمِ خدا سے کرتا ہوں اور وہی میرا محافظ ہے۔ مدارج النبوّت میں ہے کہ حضرت ابوطالب نے جواباً کہا، ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنا کام جاری رکھیں۔ ربِ کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں کوئی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پابند کرسکے گا نہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہاتھ روک سکے گا''۔ اِس ضمن میں حضرت ابوطالب نے ایک شعر کہا جس کا مضمون یہ ہے:

''خدا کی قسم! کبھی بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف کوئی (میلی آنکھ سے) نہ دیکھ سکے گا جب تک کہ میں مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے دِین کو علی الاعلان پھیلایئے، کوئی اندیشہ نہ کیجیے، خوش رہیے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیئے''۔

ابنِ کثیر اور ابنِ ہشام نے روایت کی ہے کہ کفار کچھ عرصہ بعد پھر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم اُنہیں قتل کر دیں اور تم اُن کے بدلے میں بنی مخزوم کا ایک جوان ہم سے لے لو۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ تم کیسی بعید از عقل باتیں کرتے ہو؟ بھلا یہ ہوسکتا ہے کہ تم میرے بیٹے کو قتل کر دو اور میں اُس کے بدلے میں تمہارے لڑکے کو لے کر اُس کی پرورش کروں؟ یہ سُن کر اُن کی آتشِ غضب خوب بھڑک اُٹھی۔ حضرت ابوطالب نے اُنہیں آگاہ کیا کہ کعبہ وحرم کی قسم اگر مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاؤں میں تمہارا کانٹا بھی چبھا تو میں تم سب کو ہلاک کر دوں گا۔ حضرت ابوطالب کے الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اُن کے دِلوں میں لگی آگ کو ایسا بھڑکایا کہ وہ پوری قوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر تیّار ہو گئے۔ حضرت ابوطالب نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانِ گرامی کو غیر محفوظ پایا تو فوراً اپنے حامیوں کو لے کر، جن کی تعداد بروایتِ حیاتُ القلوب چالیس تھی، یکم محرّم سنہ ۷ بِعثت کو ''شعبِ ابی طالب'' کے اندر محصور ہو گئے (واضح رہے کہ شعبِ ابی طالب میں حضرت ابوطالب کا محصور ہونا کوئی بزدلی نہیں تھی بلکہ یہ ایک جنگی حکمت عملی ہے جس کے تحت عموماً قلعے میں یا کسی محفوظ مقام میں محصور ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا جاتا ہے)۔ کفارِ قریش نے حضرت ابوطالب کے اِس عمل پر ایک عہد نامہ مُرتّب کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا۔ اُس عہد نامہ میں بنی ہاشم اور بنی مطلب سے مکمل بائیکاٹ کا عہد تھا اور لکھا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ شادی بیاہ، خرید وفروخت، مِلنا جُلنا، اُٹھنا بیٹھنا حتیٰ کہ گفت وشنید بھی نہیں کرے گا اور مکمل بائیکاٹ رکھے گا۔ اُنہوں نے بازار

والوں سے بھی عہد لیا کہ کوئی چیز اُن کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے۔ اگر حج کے زمانہ میں گردونواح سے آنے والے تاجر شعبِ ابی طالب کے محصورین کے ہاتھ کچھ فروخت کرتے تو وہ اُنہیں بھی روکتے اور وہ سامان زیادہ قیمت دے کر خود خرید لیا کرتے۔ طبری میں ہے کہ اِس عہد نامہ کو منصور بن عکرمہ بن ہاشم نے لکھا تھا۔ عہد نامہ لکھنے کے بعد بحکمِ الٰہی اُس کا ہاتھ شل ہو گیا۔

تاریخ کی کتب میں ہے کہ دشمنوں نے شعبِ ابی طالب کا چاروں طرف سے محاصرہ کر کے اُنھیں نظر بند کر دیا۔ اِس قید کی وجہ سے اہلِ شعب، جن میں بچّے بھی تھے بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ جسمانی اور روحانی اذیت کے علاوہ خوراک کی تنگی نے اُنہیں موت کے دہانے پر پہنچا دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ اہلِ ایمان درختوں کے پتّے کھانے پر مجبور ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اہلِ شعب کے بچّے بھوک سے بے چین ہو کر روتے تو پڑوسیوں کی نیندیں حرام ہو جاتیں۔ رشتہ دار یا احباب چوری چھپے اشیاءِ خوردونوش پہنچانے کی کوشش کرتے مگر قریش اُنہیں سخت سزائیں دیتے۔ رسول اللہ ﷺ پر اِس دوران وحی نازل ہوتی رہی اور آپ ﷺ کارِ رسالت بھی انجام دیتے رہے۔ اِسی حالت میں تین سال گذر گئے۔ تین سال کے بعد ہشام بن عمر بن حرث کے دِل میں یہ خیال آیا کہ یہ سراسر زیادتی ہے کہ ہم اور ہمارے بچّے تو کھاتے پیتے ہیں اور عیش و آرام سے رہتے ہیں مگر بنی ہاشم اور اُن کے بچّے فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ پس اُس نے چند لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر قریش کے اجتماع میں یہ سوال اُٹھایا۔ ابولہب اور اُس کی بیوی اُمِ جمیل نے جسے قرآن میں ''حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (سورۃ لہب)'' یعنی ''ایندھن اُٹھائے پھرنے والی'' کہا گیا ہے، سخت مخالفت کی لیکن اُن کی ایک نہ چلی، عوام کے دِل پسیج چکے تھے۔ اس دوران حضرت ابوطالب تشریف لے آئے اور کہا کہ مُحَمَّدؐ (ﷺ) نے فرمایا ہے کہ تم نے جو عہد نامہ لکھا تھا اُسے دیمک چاٹ گئی ہے اور کاغذ کے اُس حصّے کے سوا جس پر اللہ کا نام لکھا ہے

باقی سب تحریر ختم ہوگئی ہے۔اے قریش!اب ظلم کی انتہا ہوچکی ہے،تم اپنا وہ عہد نامہ دیکھو اور اگر مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کہا سچ پاؤ تو انصاف کرو ورنہ جو چاہے کرو۔ چنانچہ حضرت ابوطالب کے کہنے پر عہد نامہ منگوایا گیا۔حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد من وعن صحیح ثابت ہُوا جس پر قریش شرمندہ ہو گئے ۔ابوجہل، ابولہب اور اُن کے پیروکار چیختے چلاتے رہے کہ عہد نامہ منسوخ نہ کیا جائے لیکن اُن کی ایک نہ سُنی گئی۔مدارج النبوّت میں ہے کہ حضرت ابوطالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرمِ کعبہ میں داخل ہوئے اور دُعا کی:

"اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَ قَطَعَ اَرْحَامَنَا وَاسْتَحِلَّ مَا یُحَرِّمُ عَلَیْنَا"

(ترجمہ:اے اللہ!ہماری مدد فرما ظالموں پر اور قطع رحمی کو دُور فرما اور جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اس کو حلال بنا)

شعب کا حصار ختم ہو گیا۔اس کے بعد ہشام بن عمر بن حرث اور اس کے چار ساتھی، زہیر بن ابی اُمیہ مخزومی، مطعم بن عدی ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد،شعبِ ابی طالب میں گئے اور تمام محصورین کو اُن کے گھروں تک پہنچایا۔

(چودہ ستارے،مدارج النبوّت،تاریخ طبری،تاریخ کامل،روضۃ الاحباب)

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب اپنی تالیف پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسی ضمن میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد قریش اور تلملائے، سٹپٹائے اور اپنی چیرہ دستیوں میں بہت دُور نکل گئے لیکن وہ نہ تو انقلاب پسند مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کر سکے اور نہ ہی اُن کی تحریکِ انقلاب کو دبا سکے۔تحریک جب تک حرکی رہتی ہے یعنی جمود و تعطل کا شکار نہیں ہوتی، وہ زندہ و توانا رہتی اور آگے بڑھتی رہتی ہے، اگرچہ اُس کی رفتار سُست ہی کیوں نہ ہو۔تحریکِ اسلام کے رُوحِ رواں اور قائد چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، اس لیے قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کو دبانے اور خاندانِ بنی ہاشم کی حمایت سے محروم کرنے کے لیے ایک

سقّا کا نہ منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کا مقصد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خانوادے بنو ہاشم کو شہر بدر اور محصور کر کے اُن کا معاشرتی مقاطعہ (Social Boycott) کرنا تھا۔ چنانچہ محرم ۷ قبل ہجرت بمطابق ستمبر ۶۱۵ء میں ایک معاہدہ طے پایا جسے منصور بن عکرمہ نے لکھا اور اُسے کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اُس معاہدے میں بنو ہاشم میں سے صرف ابولہب عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب شریک تھا۔ معاہدے کی بڑی بڑی شقیں یہ تھیں:

(۱) اگر بنو ہاشم (حضرت) محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کریں تو ان کا مکمل معاشرتی مقاطعہ کیا جائے۔

(۲) ان کے ساتھ رشتہ داری اور شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔

(۳) ان کے ساتھ خرید و فروخت اور لین دین ہرگز نہ کیا جائے۔

(۴) انہیں کھانے پینے کی چیزیں مہیّا نہ ہونے دی جائیں۔

(۵) ان سے نہ تو میل جول اور نہ روابط و ضوابط ہی رکھے جائیں۔

(۶) انہیں گلی بازاروں میں گھومنے پھرنے نہ دیا جائے۔

داعیِ انقلاب ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کا خانوادہ بھی سوائے ابولہب کے ایک کٹھن، صبر آزما بلکہ شکیب رُبا آزمائشِ زندگی میں مبتلا ہو گیا۔ یہ تحریکِ اسلام کے لیے ایک انتہائی نازک وقت تھا۔ بنو ہاشم شہر چھوڑنے اور پہاڑ کی گھاٹی میں، جسے شعبِ ابی طالب کہتے ہیں، سکونت پذیر ہونے پر مجبور ہو گئے... وہ شہر جس کی زینت بنو ہاشم تھے، جس میں اُن کی عظمت کے جھنڈے گڑے تھے، جس کے معاملات میں اُن کی آواز وزن رکھتی تھی، اُس میں اُن کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ، جن کے وہ سردار تھے، جو اُن کے مشوروں کے متمنی رہتے تھے اور اُن کی دوستی کو سرمایہء افتخار سمجھتے تھے، بیگانے ہی نہیں دشمن بن چکے تھے۔ بنو ہاشم کا جرم یہ تھا کہ وہ محسنِ اعظم رحمۃً للعالمین ﷺ اور بانیء تحریکِ

اسلام کی حمایت سے دست بردار نہیں ہوتے تھے اور اِس جرم کی پاداش میں اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ اُنہیں بھوکا بھی رہنا پڑتا اور درختوں کے پتے بھی کھانے پڑتے تھے۔ اُنہیں بچّوں کو بھوک سے بلبلاتے اور اپنی حالتِ زار پر دشمنوں کو قہقہے لگاتے اور آوازے کستے بھی دیکھنا پڑتا تھا۔ اُنہوں نے مسلسل تین برس تک سب کچھ دیکھا، سُنا اور سہا لیکن داعیِ انقلاب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قریش کے حوالے نہیں کیا۔ بنو ہاشم اس شکیب رُبا تجربے سے گزرے اور کامیاب رہے۔

انقلاب کی راہیں بڑی کٹھن، دشوار گزار اور ہمت شکن ہوتی ہیں، ان میں سے عزم و ایمان، صبر و استقلال اور تدبّر و حکمت سے گزرنا پڑتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اسی طرح گذرے۔ معاشرتی مقاطعے کے شکیب رُبا تجربے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رویّہ بطریقِ سایہء خداوندی و رحمت تھا۔ اِس کے برعکس قریش کا طرزِ عمل ظالمانہ تھا۔ اِس کا فطری ردِّ عمل مظلوموں کے حق میں ہُوا۔ دراصل انسان کتنا بھی ظالم و سفاک ہو جائے، اُس کی فطرت یا انسانیت بدل نہیں سکتی۔ چنانچہ وہ دن بھی آ گیا جب قریش کے ہی افراد نے ابوجہل وغیرہ کی مخالفت کے باوجود اپنے ہاتھوں سے معاشرتی مقاطعے کا عہدنامہ چاک کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ ہشام عامری جو خانوادۂ بنو ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے خاندان کے سربرآوردہ اشخاص میں تھا، بنو ہاشم کو چوری چھپے غلّہ وغیرہ بھجواتا رہتا تھا۔ اُس کی تحریک پر زہیر جو عبدالمطلب کے نواسے تھے، مطعم بن عدی، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعۃ بن اسود اُس ظالمانہ معاہدے کو چاک کرنے پر آمادہ ہو گئے اور ابوجہل کی مخالفت کے باوجود مطعم بن عدی نے معاہدے کی دستاویز پھاڑ ڈالی اور پھر یہ لوگ مسلح ہو کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور انھیں درے سے نکال لائے۔

(پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، طبقات ابن ہشام، طبقات ابن سعد، تاریخ ابن خلدون)

ایرانیوں کے ہاتھوں رُومیوں کی شکست سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیش گوئی

سنہ ۸ بعثت میں رُومیوں کو ایرانیوں کے ساتھ جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایرانی آتش پرست اور رُومی اہلِ کتاب تھے اس لیے مسلمانوں کو اُن کی شکست کا بہت افسوس ہُوا جبکہ کفارِ مکّہ نے اس پر خوب خوشی منائی۔ مسلمانوں کے دُکھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تسلی و تشفی سے دُور کیا اور فرمایا کہ غم نہ کرو تین اور نو سال کے درمیان (یعنی چند سالوں میں) ایرانیوں کو شکست دے کر رُومی فتح سے ہمکنار ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور نو سال گذرنے سے پہلے ہی ایرانیوں پر رومی غالب آ گئے۔ (چودہ ستارے)

اِس پیشین گوئی کا ذکر قرآنِ مجید میں یوں ہے:

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ط لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ط وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰہِ ط یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ○ (سورۃ الروم)

الف لام میم (اہلِ) رُوم مغلوب ہو گئے۔ نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے۔ چند ہی سال میں پہلے بھی اور پیچھے بھی، خدا ہی کا حکم ہے اور اُس روز مومن خوش ہو جائیں گے (یعنی) خدا کی مدد سے، وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب (اور) مہربان ہے۔)

یہ آیت مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشین گوئی سے پہلے نازل ہوئی ہو یا بعد میں بہرحال اس سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ کلامِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کلام الٰہی ہے یعنی رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ اطہر سے وہی ادا ہوتا ہے جو دراصل خداوند متعال کا کلام ہوتا ہے۔

معجزۂ شقُ القمر

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہء اقدس میں چاند کے دوٹکڑے ہوئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف یا نیچے تھا۔ اس روایت کو صحابۂ کرامؓ کی کثیر جماعت نے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قریش نے حضور ﷺ سے معجزہ طلب کیا اور کہنے لگے کہ اگر آپ (ﷺ) سچے ہیں تو چاند کے دوٹکڑے کریں۔ حضور ﷺ نے چاند کی جانب اشارہ فرمایا تو وہ دوٹکڑے ہوگیا اور لوگوں نے کوہِ حرا کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ گواہ رہنا۔ اس پر کفار (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ بلاشبہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک نے کہا اگر وہ جادو کر سکتے ہیں تو تم پر کر سکتے ہیں تمام روئے زمین والوں پر تو نہیں۔ چنانچہ جب آفاق سے مسافر وہاں آئے اور اُنہوں نے چاند کے دوٹکڑے ہونے کی خبر دی تو ابوجہل نے کہا، "هٰذَا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ" یعنی یہ پرانا جادُو ہے۔ یہ معجزہ قرآن پاک میں بھی بیان کیا گیا ہے اور آیت مبارکہ میں ابوجہل کے کلمات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ ارشادِ خداوندمتعال ہوتا ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (سورۃ القمر)

(قیامت قریب آ گئی اور چاند ٹکڑے ہوگیا۔ اگر وہ کسی نشانی کو دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو پرانا جادُو ہے۔)

ابنِ عبدالبر جو کہ اکابر علماء حدیث سے ہیں، فرماتے ہیں کہ چاند کے ٹکڑے ہونے والی حدیث کو صحابۂ کرام کی جماعتِ کثیرہ اور اِسی طرح تابعین کی بھی جماعتِ کثیرہ نے روایت کیا ہے اور اُن

سے ایک جم غفیر نے۔ اِس طرح یہ روایت ہم تک پہنچی اور اِس کی تائید آیتِ کریمہ نے فرمائی۔ (مدارج النبوّت)

علامہ نجم الحسن کراروی صاحب ''چودہ ستارے'' میں نقل فرماتے ہیں کہ ابنِ عباس، ابنِ مسعود، اَنس بن مالک، حذیفہ بن عمر اور جبیر بن مطعم کا بیان ہے کہ شقُ القمر کا معجزہ کوہِ ابوقبیس پر ظاہر ہُوا جب ابوجہل نے بہت سے یہودیوں کو ہمراہ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ یہ واقعہ سنہ ۹ بعثت میں چاند کی چودھویں رات کو ہُوا تھا۔ (چودہ ستارے)

مندرجہ بالا روایات سے ایسا لگتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو لوگ کوہِ ابوقبیس پر موجود تھے اور چاند اُس وقت کوہِ حرا کے اُوپر تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ اس طرح دو ٹکڑوں میں منقسم ہُوا کہ اُس کا ایک ٹکڑا کوہِ حرا کے دائیں جانب اور دوسرا اُس کے بائیں جانب یا بروایتے نیچے چلا گیا۔ حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اِس معجزہ کے واقع ہونے پر ایمان لانا واجب ہے۔ (سفینۃ البحار)

علامہ محمد محمدی اشتھاروی صاحب فرماتے ہیں کہ بعثت کے چوتھے سال کے آخر میں یا پانچویں سال کے شروع میں جناب سیّدہ فاطمہ علیہا السلام بطنِ مادر گرامی میں تھیں۔ یہ وہی ایام تھے جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مشرکینِ مکّہ کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے لیکن وہ کسی صورت اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس دوران بڑے سخت اور تلخ واقعات بھی رونما ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جناب خدیجہ علیہا السلام بھی ان واقعات کی وجہ سے بہت پریشان ہوتیں۔ ایسے میں جناب فاطمہ علیہا السلام شکمِ مادر سے اپنی والدہ سے ہم کلام ہوتیں اور اُن کو تسلیاں دیتیں۔ شقُ القمر کا واقعہ بھی اسی دوران ہُوا۔ روایات کے مطابق کفارِ مکّہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اکٹھے ہو کر آئے اور کہنے لگے، ''یا محمدؐ! اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا دعویٰ سچ ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) چودھویں کے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دِکھائیں،

پھر ہم مان جائیں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واقعی اللہ کے رسول ہیں"۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہارے لئے یہ کام کردوں تو کیا تم سب ایمان لے آؤ گے؟ وہ سب بولے، "جی ہاں"۔

اُس رات چاند کی چودہویں تاریخ تھی اور وہ پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور اپنے پروردگار سے عرض کیا کہ پروردگار! یہ لوگ مجھ سے معجزہ طلب کرتے ہیں، میری مدد فرما۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا مستجاب ہوئی اور چاند دوٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک مشرک کو آواز دی اور کہا کہ دیکھو! چاند دوٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا ہے، اب گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اور میں اُس کا رسول ہوں۔ مشرکوں نے اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا لیکن اُن کے کفر میں اضافہ ہوگیا، وہ کہنے لگے کہ یہ جادُو ہے۔

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی باتوں سے آزردہ ہوکر گھر لوٹ آئے۔ جناب خدیجہ علیہا السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال خوب گرمجوشی سے کیا۔ وہ بہت خوش تھیں اور کہنے لگیں، "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے مکان کی چھت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ دیکھا اور اِس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ جو معصوم میرے شکم میں ہے اُس نے مجھے مضطرب دیکھ کر کہا، 'یَا اُمَّاہُ! لَا تَخْشٰی عَلٰی اَبِیْ وَ مَعَہُ رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ' یعنی اے میری امی جان! میرے والد کے بارے میں کوئی خوف دِل میں نہ لایئے کیونکہ اُن کے ساتھ مشرق ومغرب کا پروردگار ہے"۔

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا، "اللہ نے کسی بھی نبی کو ایسا معجزہ نہیں دیا جیسا مجھے عطا کیا ہے"۔

(کتاب: اُم المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ مئولف علامہ محمد محمدی اشتہاردی، مترجم سیّد علی شیر نقوی)

معجزۂ شق القمر اور ہندو مہاراجہ

ایک ویب سائٹ ''دینِ اسلام'' پر عالمی شہرت یافتہ پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کا ایک مضمون ''شق القمر اور برصغیر ہندو پاک کی پہلی مسجد'' شائع ہُوا ہے۔ یہ مضمون اِس سے پہلے ایک روزنامہ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس میں بحوالہ کیرالہ میگزین انڈیا ۱۹۴۸ء اور تاریخ از بکستان مؤلف سیّد کمال الدین احمد، ایک ہندو مہاراجہ کی رویتِ شق القمر اور تحقیق و جستجو کے بارے میں بیان کرتے ہیں جس کا خلاصہ یوں ہے کہ شق القمر کا معجزہ ۸ بعثت میں ہُوا، اُس وقت جنوبی ہندوستان کی کیرالہ اسٹیٹ پر ایک ہندو راجہ کی حکومت تھی۔ ایک رات وہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ محل کی چھت پر بیٹھا ہُوا تھا کہ اُس نے چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا۔ یہ منظر دیکھ کر اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اُس نے وہاں موجود اپنے خاندان کے افراد سے اِس منظر کی تصدیق چاہی تو سبھی نے تائید و تصدیق کر دی۔ اگلے دن اُس نے دربار طلب کیا جس میں اہلِ علم، دانشور، پنڈت، نجومی اور جوتشی وغیرہ شریک تھے۔ مہاراجہ نے اُن سے شق القمر کا واقعہ بیان کیا اور اس کی تحقیق و تصدیق کا حکم دیا۔ اُنہوں نے اپنی اپنی تحقیق و جستجو کے بعد شق القمر کی تصدیق کی اور بتایا کہ یہ نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا معجزہ ہے جن کا ذکر ہماری کتابوں میں یوں ہے کہ سرزمینِ عرب پر ایک نبی پیدا ہوں گے جن کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے خیال میں سرزمینِ عرب پر وہ نبی پیدا ہو گئے ہیں اور شق القمر کا یہ معجزہ اُنہیں کے اشارہ پر ہُوا ہے۔ مہاراجہ بہت متاثر ہُوا لیکن مزید اطمینان کے لیے اپنے بیٹے کو عرب بھیجنے کا ارادہ کیا۔ اُس کا جواں سال بیٹا ایک سو مسلح افراد کے ساتھ روانہ ہوا۔ راجہ نے بہت سے قیمتی تحائف دے کر اُسے ہدایت کی کہ اگر اس واقعہ کی تصدیق ہو

جائے تو میری طرف سے یہ تحائف نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش کرنا اور میرا اسلام کہنا۔ اہلِ عرب کی زبانی معجزۂ شق القمر کی تصدیق ہوگئی تو شہزادے کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا اشتیاق ہوا۔ پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہُوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے پیش آئے اور آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ شہزادے نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا، مہاراجہ کے بھیجے ہوئے تحائف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے اور اُس کا سلام پہنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکریہ ادا کیا اور مہاراجہ کے لیے دعائے خیر کے کلمات ادا فرمائے۔ روایت ہے کہ اُسی دن مہاراجہ دِل ہی دِل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا تھا اور بُت پرستی ترک کردی تھی۔ اِدھر یہ شہزادہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مِل کر اتنا متاثر ہُوا کہ مسلمان ہوگیا اور ایک صحابی کی لڑکی سے شادی کرلی۔ اُس کے ساتھ آئے ہوئے سپاہیوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ پھر ایک عرصہ بعد شہزادہ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ جب وہ کیرالہ اسٹیٹ کے قریب پہنچا تو مہاراجہ کے انتقال کی خبر ملی۔ مہاراجہ کے انتقال کے بعد شہزادے کا انتظار کیا جارہا تھا، جیسے ہی وہ اپنی ریاست میں پہنچا اُس کو روایتی شاہانہ طریقے سے باضابطہ مہاراجہ بنادیا گیا۔ اُس نے مصلحتاً اپنے مسلمان ہونے کو چھپایا اور عنانِ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اپنی حکومت کو مستحکم کرنے میں مصروف ہوگیا۔ جب ہر طرف سے اطمینان حاصل ہُوا اور حکومت پر گرفت مضبوط ہوگئی تو اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کردیا اور لوگوں کو بھی اسلام قبول کرنے کی تلقین کی۔ اُن کی ترغیب و تلقین سے بہت سے لوگوں ایمان لے آئے۔ نوجوان مہاراجہ کا مسلمان ہونا اُس کے باپ کا مرہونِ منت تھا۔ اگر وہ شق القمر کے واقعہ کی تصدیق کرنے کے لیے اُسے عرب نہ بھیجتا تو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیاز حاصل کرنے سے قاصر رہتا اور دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوسکتا۔ صحابی رسول ہونے کی حیثیت سے پہلا مسلمان حکمران ہونے کا

اعزاز بھی اُسی کے حصّے میں آیا۔ اُس کے باپ کے لیے بھی حضور نبی کریم ﷺ نے خیر کے دُعائی کلمات ادا فرمائے تھے اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوّت پر وہ غائبانہ ایمان لا چکا تھا اور ایک عظیم مرتبہ پر فائز ہو چکا تھا۔ مہاراجہ کو مسجد بنانے کا خیال آیا تو اُس نے ایک مسجد تعمیر کروائی۔ اُس کا نام کیرمن مسجد (Cherman Mosque) رکھا گیا۔ یہ برصغیر پاک و ہند کی پہلی مسجد ہے جو کیرالہ میں اکرا کالام (Akrakalam) کے مقام پر تعمیر کی گئی۔ یہ علاقہ ساحل سمندر سے منسلک ہے اور مالا بار کہلاتا ہے۔ یہاں پر اِس وقت بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے جو راسخ العقیدہ ہیں۔

(بحوالہ کیرالہ میگزین ۱۹۴۸، تاریخ از بکستان/ مولف سیّد کمال الدین احمد، ویب سائٹ: دین اسلام)

❁

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَ رِضَاءَ نَفْسِہٖ وَ
زِنَۃَ عَرْشِہٖ وَ مِدَادَ کَلِمَاتِہٖ وَ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ
ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ وَ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَ عِتْرَتِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا ○

❁

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات

شعبِ ابی طالب سے نکلنے کے ۸ ماہ اور گیارہ دن کے بعد ماہِ شوال کے وسط میں حضرت ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ (حیواۃ الحیوان) اُس وقت حضرت ابوطالب کی عمر ۸۶ سال تھی۔ (الیعقوبی ج ۲) مدارجُ النبوّت کے مطابق نبوّت (بِعثت) کے دسویں سال حضرت ابوطالب نے وفات پائی۔ مواہب الادینہ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے انچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن گذرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب نے وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ سنہ دس نبوی کے نصف ماہِ شوال میں اور بعض کہتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے۔ اُس وقت حضرت ابوطالب کی عمر ستاسی سال تھی۔ (مدارج النبوّت) حضرت ابوطالب کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت رنج پہنچا اور اُسی رنج وغم اور صدمہ کی وجہ سے اُس سال کو ''عام الحزن'' یعنی غم کا سال قرار دیا۔ (چودہ ستارے) مروی ہے کہ حضرت ابوطالب نے بنی عبدالمطلب کو اپنی وفات کے وقت بلایا اور وصیت کی کہ تم سب ہمیشہ نیکی اور بھلائی پر قائم رہنا، مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات ماننا اور ان کی نصرت واعانت کرتے رہنا تاکہ تم رشد وفلاح پاؤ۔ مواہب الادینہ میں ہشام بن سائب سے منقول ہے کہ جب حضرت ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُنہوں نے قریش کے جوانوں اور اُن کے بڑوں کو اپنے پاس بلایا اور اُنہیں وصیت کرتے ہوئے کہا، ''اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں بزرگی دی ہے، میں تم کو مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق (سچّے) ہیں اور ان میں ہر حُسن وخوبی موجود ہے، میں اِن کے متعلق تمہیں وصیت کرتا ہوں، بلاشبہ وہ ایسی بات لائے ہیں جس کو ہر دِل تو مانتا ہے مگر زبانیں ملامت کے خوف سے انکار کرتی ہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں گویا

دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے فقیروں، درویشوں، بادیہ نشینوں (جنگلوں اور صحراؤں میں رہنے والے) اور کمزور و ناتواں لوگوں کو کہ وہ سب اِن کی دعوت کو قبول کرتے، اِن کے کلمے کی تصدیق کرتے اور اِن کو اپنا بزرگ و راہنما مانتے ہیں، قریش اور اِن کے بڑوں کے سر جھک گئے ہیں، اِن کے مکانات ویران ہو گئے ہیں، کمزور لوگ صاحبِ ثروت اور عظیم بن گئے ہیں اور نصیبہ ور اور بہرہ مند ہو گئے ہیں۔ بلاشبہ اِنہوں نے عرب کو خالص بنا دیا ہے اور اپنی محبت ان کے دلوں میں خوب رچا بسا دی ہے۔ وہ سب اِن کی اطاعت و فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ یہ تمام واقعات آیندہ رونما ہونے والے ہیں گویا میں انہیں ابھی سے دیکھ رہا ہوں۔ تو اے گروہِ قریش! تم اِن سے محبت کرنے والے اور اِن کی نصرت و حمایت کرنے والے بن جاؤ۔ خدا کی قسم! جو بھی اِن کی پیروی اور متابعت کرے گا یقیناً ہدایت یافتہ اور کامیاب ہوگا اور کوئی نیک بخت اِن کی سیرت و خصلت کا انکار نہیں کرے گا۔ اگر میں کچھ عرصہ اور زندہ رہا اور میری اجل میں کچھ تاخیر ہے تو یقیناً میں اِن کی حفاظت و حمایت ہی کرتا رہوں گا اور ہر حادثہ و بُرائی کو اِن سے دُور رکھوں گا''۔ یہ وصیت کی اور اِس جہان سے رخصت ہو گئے۔

(اس وصیّت کا ایک ایک لفظ اُن لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے جنہیں حضرت ابوطالب علیہ السّلام کے ایمان میں کوئی شک ہے۔ مؤلف)

ابنِ اسحٰق سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوطالب کا آخری وقت قریب آیا تو حضرت عباسؓ نے اُن کی طرف دیکھا کہ وہ اپنے لبوں کو جنبش دے رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنے کان اُن کے قریب کیے (غور سے سُننے کی کوشش کی) پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا، ''اے بھتیجے! خدا کی قسم! بلاشُبہ میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھا جسے پڑھنے کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اِنہیں فرما رہے تھے''۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں نے سُنا ہے''۔ (مدارج النبوّت)

حضرت ابوطالب نے حضور ﷺ کی مدح وثناء میں بہت سے اشعار کہے ہیں، مثلاً:

وَشَقَّ لَہٗ مِنِ اسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَھٰذَا مُحَمَّدٌ

(اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام اپنے نام سے مشتق کیا تاکہ آپ ﷺ کو عزت وبزرگی عطا کرے پس صاحبِ عرش محمود ہے اور آپ ﷺ محمد ﷺ ہیں)

''روضۃ الاحباب'' میں ہے کہ حضرت ابوطالب کے عہدِ کفالت میں مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تھا، لوگ جمع ہوکر استسقاء کے لیے حضرت ابوطالب کے گھر گئے۔ وہ گھر سے باہر تشریف لائے، اُن کے ساتھ ایک بچّہ آفتابِ تاباں کی مانند نکلا۔ حضرت ابوطالب نے اُس فرزندِ جلیل کو پکڑ کر خانہ کعبہ کے ساتھ اُس کی پشت ملادی۔ اُس فرزندِ جلیل نے آسمان کی جانب انگشتِ مبارک سے اشارہ کیا تو ہر طرف سے بادل اُمنڈ آئے اور اِتنا برسے کہ ندی نالے بھر گئے، حالانکہ اس سے پہلے آسمان پر بدلی کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ اُس وقت حضرت ابوطالب نے حضور ﷺ کی مدح میں یہ شعر کہا:

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ○ ثِمَالُ الْیَتَامٰی وَعِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ ○

(اور آپ ﷺ کس قدر گورے چہرۂ مبارک والے ہیں کہ جس سے بارش طلب کی جاتی ہے، آپ ﷺ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں وفقیروں کے محافظ ہیں۔)

بروایتے، یہ شعر اُس قصیدے میں سے ہے جسے اُنہوں نے حضور ﷺ کی مدح وثنا میں اُس وقت لکھا جب قریش آنحضرت ﷺ کے خلاف اکھٹے ہوئے تھے اور اسلام لانے والوں سے نفرت کرتے تھے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ قصیدہ ۸۰ اَسّی سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے، حضرت ابوطالب نے اِس قصیدے میں کفارِ قریش کی عداوت پر ملامت ومذمت کی ہے اور حضور ﷺ کی اطاعت کی ترغیب دی ہے۔ ابن الیقین کہتے ہیں، ''اُن کا یہ قصیدہ اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی نبوّت کو بعثت سے پہلے ہی بحیریٰ راہب وغیرہ کے خبر دینے

کی بنا پر خوب جانتے تھے''۔ شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں،'' حضرت ابو طالب نے اِس قصیدے کو بِعثت کے بعد لکھا، میں نے علی بن حمزہ نصری کی وہ کتاب دیکھی ہے جس میں اُنہوں نے حضرت ابوطالب کے اشعار جمع کر کے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر ہی وہ اِس جہان سے گئے''۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عباسؓ نے اپنا سر جھکا کر سنا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے۔ پھر اُنہوں نے حضور ﷺ کو خبر دی اور حضور ﷺ نے اظہارِ مسرت فرمایا۔

(مدارج النبوّت/ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ج ۲، اسد الغابۃ، رحمت اللعالمین/ ﷺ قاضی محمد سلیمان منصور پوری)

حضرت ابو طالب کا حضور اکرم ﷺ کی خدمت و اعانت، حمایت وحفاظت، ایثار ومحبت اور آپ ﷺ کی توصیف و مدحت کرنا، آپ ﷺ کی شان اور مقام و مرتبہ کو کفار کے سامنے برملا بیان کرنا اور بکثرت نعتیہ اشعار کہنا کثیر روایات میں موجود ہے۔ مزید برآں آپ کے خطبات وتقاریر اور دعاؤں میں اللہ وحدہٗ لاشریک کے نام کا بکثرت استعمال بھی روایات میں تواتر کے ساتھ ملتا ہے۔ اِس کے باوجود کچھ نام نہاد علماء کا یہ کہنا کہ حضرت ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے اور حالتِ کفر میں اِس جہان سے گئے تھے یا وہ دِل سے تصدیق کرتے تھے مگر زبان سے اقرار نہیں کیا، یا'' رعایت دیتے ہوئے'' بعض کا یہ کہنا کہ صرف وقتِ رحلت کلمہ پڑھا وغیرہ ہمارے نزدیک سراسر غلط اور بغض وعناد پر مبنی بیانات ہیں اور محض تعصب اور عداوت کا شاخسانہ ہیں۔ نہایت سادہ اور سیدھی سی بات ہے جس پر ہم مختلف زاویوں سے روشنی ڈالتے ہیں:

(۱) اگر حضرت ابوطالب ایمان نہیں رکھتے تھے تو حضور ﷺ کی نصرت وحمایت میں کیوں پیش پیش رہے؟ محض ایک بھتیجے کی محبت میں تو ایسا کیا نہیں جا سکتا۔

(۲) حضرت ابوطالب کا رسول اللہ ﷺ کی خاطر کفار کے ساتھ اتنی بڑی ٹکر لینا کہ ایک طرف تمام مشرکین ہیں اور دوسری طرف تنہا آپ۔ کفر و اسلام کی اس لڑائی میں جس کا دورانیہ دعوتِ

ذوالعشیرہ سے شروع ہو کر آپ کی وفات تک پھیلا ہُوا ہے، آپ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے، کہیں بھی آپ کے عزمِ صمیم میں ذرا سی لچک بھی پیدا نہیں ہوئی، تو پھر کس بات کا خوف تھا کہ دِل سے تو ایمان لے آئے مگر زبانی اقرار نہیں کیا؟ میں تو یہاں پر یہ عرض کروں گا کہ نام نہاد علماء ''زبانی اقرار'' کا رونا روتے ہیں، حضرت ابو طالب علیہ السلام نے تو قدم قدم پر ''عملی اقرار''..... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ..... ''عملی اظہار'' کیا ہے اپنے ایمانِ کامل کا۔

(۳) اگر آپ کفر پر تھے تو اپنے کلمات و خطبات اور دُعاؤں میں جا بجا اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارکہ کیوں استعمال کیا، کسی بُت یا غیر اللہ کا نام اپنی زبان پر کیوں نہیں لائے؟

(۴) نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجہ طاہرہ علیہا السلام سے نکاح بھی حضرت ابو طالب نے ہی پڑھایا (سیرت النبی/ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علامہ شبلی ص ۹۹ طبع لاہور سنہ ۱۹۶۵)، جس کے ابتدائی الفاظ ہیں، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ زَرْعِ اِبْرَاھِیْمَ وَ ذُرِّیَّۃِ اِسْمَاعِیْلَ... الخ ''یعنی تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں نسلِ ابراہیم (علیہ السلام) اور ذریتِ اسماعیل (علیہ السلام) سے قرار دیا (الیعقوبی ج ۲)۔ نکاح کے اِس خطبہ میں بھی حضرت ابو طالب علیہ السلام سب سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا کر رہے ہیں پھر اللہ کے انبیاء ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی نسل اور ذریت میں سے ہونے پر فخر کر رہے ہیں اور آخر میں اللہ کے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح پڑھا رہے ہیں۔ کیا کسی کافر سے یہ توقع کی جاسکتی ہے؟ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ، میرا، آپ کا یا کسی بھی عام مسلمان کا نکاح کوئی کافر نہیں پڑھا سکتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح کوئی غیر مسلم یا مشرک کیسے پڑھا سکتا ہے؟

(۵) بعض کہتے ہیں کہ قریش نے آپ سے کہا کہ کیا آپ اپنے باپ دادا کے دِین سے منحرف ہو گئے ہیں؟ تو آپ نے کہا کہ نہیں، میں عبد المطلب کے دِین پر قائم ہوں۔ دینِ عبد المطلب کیا تھا؟ کیا حضرت عبد المطلب (معاذ اللہ) دینِ حق پر نہیں تھے؟ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ

سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد اور دادیاں، نانیاں آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین تک سب کے سب مسلمان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور کبھی کسی مشرک مرد وزن کے صلب و رحم میں قرار نہیں پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد وجدّات کے نسب میں کسی قسم کا شُبہ نہیں ہے۔ خاصہ وعامہ کے طریقہ سے متواتر احادیث اِس پر دلالت کرتی ہیں اور اِن احادیثِ متواترہ سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد تمام کے تمام انبیاء، اوصیا اور حاملانِ دِینِ خُدا رہے ہیں۔ (حیاۃ القلوب)

علماء کرام کا بیان ہے کہ حضرت ابوطالب پر شرک کی تہمت لگانے کا سبب محض بغضِ علی علیہ السلام تھا اور علی علیہ السلام سے بغض کی وجہ تاریخ کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے۔ پس حضرت ابوطالب کا قصور یہ تھا کہ وہ علی علیہ السلام کے والد تھے۔

حضرت خدیجۃُ الکبریٰ پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونے کی تہمت بھی اسی طرح تھی۔ اُن کا قصور یہ تھا کہ وہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی والدہ تھیں۔

حضرت ابوطالبؑ کے بعد قریش کی دست درازیاں

حضرت ابوطالبؑ کے انتقال کے بعد قریش نے جب یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی مضبوط حامی اور مددگار نہیں رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دستِ ظلم وتعدی دراز کر دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساحر و مجنوں کہہ کر پکارتے، گالیاں بکتے، مذاق اُڑاتے، جسمِ اطہر پر غلاظت پھینکتے، راہ میں کانٹے بچھاتے اور ہر طرح کی ذہنی وجسمانی کوفت پہنچاتے۔ اُن کی ایذا رسانی اس قدر بڑھ گئی کہ بروایتِ تاریخ خمیس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔

ایک دفعہ ایک بدبخت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر کیچڑ پھینک دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسی حالت میں گھر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی جنابِ سیّدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر دھویا، سر اقدس دھوتے ہوئے سیّدہ علیہا السلام زار و قطار رونے لگیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''پیاری بیٹی! تم کیوں روتی ہو، تیرے باپ کی حفاظت اللہ خود فرمائے گا۔ (تاریخ طبری)

اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات

حضرت ابوطالب کی وفات کے صرف تین دن بعد اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ بھی انتقال فرما گئیں۔آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔(الیعقوبی ج ۲) حضرت خدیجۃُ الکبریٰ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پچیس سال کی رفاقت رہی۔(مدارج النبوّت) آپ مکّہ میں مدفون ہیں۔

تین دنوں میں شفیق چچا اور غمگسار شریکِ حیات کی یکے بعد دیگرے اموات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنجیدہ اور ملول کر دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پیاری ہستیوں کی وفات کے سال کو ''عامُ الحزن'' یعنی غم کا سال قرار دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس واقعہ کے بعد اپنے ''رَحمت کدہ'' سے، جسے صاحبِ کتابِ مدارجُ النبوّت نے ''بیتُ الحزن'' کہا ہے، بہت کم نکلتے تھے۔(مدارج النبوّت)

شفیق وجانثار چچا اور پیکرِ مہر ووفا بیوی کی موت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گوشہ نشین ہوجانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گہرے حزن وملال کی عکاسی کرتا ہے۔یہ تو بعید از قیاس ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ماحول اور مقصد سے کوئی دلچسپی نہ رہی ہو لیکن گمانِ غالب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رَحمت کدہ پر رہ کر بچھڑنے والی اُن گراں قدر ہستیوں کا غم مناتے ہوں گے۔یہ انتہائے غم ہی تو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال کو غم کا سال قرار دیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک یہ غم چند روزہ نہیں تھا بلکہ ایک عرصہء طویل پر محیط تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام چاہنے والے پورا سال یہ غم منائیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف میں

جب مکّہ کے ظالموں کا ظلم حد سے تجاوز کر گیا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادیِ طائف کا قصد فرمایا۔ یہ وادی مکّہ سے ستّر میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اُس وقت قبیلہ بنی ثقیف وہاں آباد تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی زمین بھی وہیں پر تھی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خدمتگار زیدؓ بن حارثہ کو ہمراہ لے کر عازمِ سفر ہوئے۔ راستے میں بنی بکر اور بنی قحطان میں ٹھہرنا چاہا مگر کوئی صورت نہ بن آئی اور بالآخر طائف چلے گئے۔ خلافِ توقع وہاں پر سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا۔ دس یوم اور بروایتے ایک ماہ بمشکل گذرا تھا کہ غلاموں، اوباشوں اور درندہ صفت غنڈوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھراؤ کیا اور شدید زخمی کر کے شہر سے باہر نکال دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس پر اتنے پتھر لگے کہ جسمِ اطہر ایڑیوں تک لہولہان ہو گیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکّہ سے پہلے ایک شب کی مسافت پر واقع بطن نخلہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو مکّہ روانہ کیا کہ کسی حامی کو تلاش کریں، مگر کوئی ہمدرد و غمگسار نہ ملا۔ پھر مطعم بن عدی نے ہامی بھر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ واپس تشریف لائے۔ (چودہ ستارے۔ روضۃ الاحباب)

کتاب ''رحمۃٌ لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں قاضی محمد سلیمان لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدل طائف پہنچے تھے۔ طائف میں بنو ثقیف آباد تھے۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے اُن سے ملے اور اُنہیں اسلام کی دعوت دی۔ اُن میں سے ایک بولا، ''میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوا دوں اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خدا نے رسول بنایا ہو''۔ دوسرے نے بدزبانی کی، ''کیا خدا کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا، جنہیں سواری بھی میسر نہیں، رسول

بنانے کو اور کوئی نہ ملا تھا؟ اُس نے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا''۔ تیسرے نے بدکلامی کرتے ہوئے کہا،'' میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کبھی بات ہی نہیں کروں گا کیونکہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کے رسول ہیں جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں، تب تو یہ بہت خطرناک بات ہے کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کلام کو رد کروں اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جھوٹ بولتے ہیں تو مجھے شایان نہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات کروں''۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسرے لوگوں کے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ شروع فرماتے تو اُن بدبختوں کے سکھلائے ہوئے غلام اور آوارہ لڑکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برساتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لہولہان ہو جاتے، خون بہہ بہہ کر پاپوشِ مبارک (نعلین پاک، جوتے) میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں نکالنا مشکل ہو جاتا۔ ایک دفعہ بدمعاشوں اور اوباشوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، چیخ وپکار کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک احاطے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ یہ جگہ عتبہ وشیبہ فرزندانِ ربیعہ کی تھی۔ اُنہوں نے دُور سے دیکھا تو صلہ رحمی کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنے غلام عداس کے ہاتھ انگور بھیجے۔ عداس نے وہ انگور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا اور ''بسم اللہ'' پڑھ کر وہ انگور کھانے لگے تو عداس نے حیرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا اور کہا،'' یہ ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے دریافت فرمایا،''تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟'' عداس نے جواب دیا،''میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''کیا تم مردِ صالح یونس بن متی (علیہ السلام) کے شہر کے باسی ہو؟'' عداس نے کہا،'' کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جانتے ہیں کہ یونس بن متی (علیہ السلام) کون تھے؟ اور کیسے تھے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا، ''وہ میرے بھائی تھے، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں''۔ عداس یہ سنتے ہی جھکا اور آپ ﷺ کے سرِ اقدس، دستِ مبارک اور پائے اطہر کا بوسہ لیا۔ عتبہ وشیبہ نے دُور سے اپنے غلام کو ایسا کرتے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ لو! یہ تو ہاتھ سے نکل گیا۔ پس جب عداس واپس آیا تو وہ کہنے لگے کہ کم بخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اُس شخص کے ہاتھ پاؤں اور سر چومنے لگا؟ عداس نے کہا کہ جناب! آج اُس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں ہے، اُس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جو صرف نبی ہی جان سکتا ہے۔ اُنہوں نے عداس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار کہیں اپنا دِین نہ چھوڑ دینا، تیرا دِین اُس کے دِین سے بہتر ہے۔ (طبری ۱/۷۵)

طائف میں ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے، اللہ کے رسول ﷺ کو اتنے زخم آئے کہ آپ ﷺ نڈھال ہو کر زمین پر آ رہے۔ حضرت زیدؓ نے آپ ﷺ کو اپنی پشت پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے۔ اس سفر میں اتنی تکالیف اور ایذا رسانیوں کے باوجود ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ اتنے رنج وغم اور مصائب کے باوجود پاک پیغمبر ﷺ کا دِل اطہر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی عظمت اور محبت سے لبریز تھا۔ اُس وقت آپ ﷺ نے دُعا فرمائی، ''الٰہی! میں اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تُو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ عاجزوں کا مالک تُو ہی ہے اور میرا مالک بھی تُو ہی ہے۔ الٰہی! مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ کیا بیگانہ ترش رُو کے یا دشمن کے؟ لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اِس کی کوئی پروا نہیں کیوں کہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نُور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دِین ودُنیا کے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ تیرا غضب مجھ پر اُترے یا تیری رضامندی مجھ پر وارد ہو، مجھے تو بس تیری ہی رِضا اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے''۔ (ابن ہشام، زاد المعاد)

جناب رَحمۃً لِّلعالمین ﷺ کا صبرِ جمیل ملاحظہ ہو کہ ایسے اذیت ناک موقع پر بھی ظالموں کو بُرا بھلا نہیں کہہ رہے اور نہ ہی اُن کے لیے بددعا کر رہے ہیں بلکہ اللہ کریم کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اِس ظلم کی کوئی پروا نہیں کیوں کہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے پس تیرا غضب مجھ پر اُترے یا تیری رِضا مجھ پر وارد ہو، مجھے تیری ہی رِضا اور خوشنودی درکار ہے۔

روایت ہے کہ آپ ﷺ نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں اِن لوگوں کی تباہی و بربادی کے لیے کیوں بددُعا کروں؟ اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو (نہ سہی) اُمید ہے کہ اِن کی آیندہ نسلیں ضرور خدائے اَحد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔ (بخاری، مسلم)

مدارجُ النبوَّت میں حضور ﷺ کے سفرِ طائف کے باب میں ہے کہ مکّہ میں رہنا دشوار ہو گیا تو حضور ﷺ دعوتِ اسلام کی خاطر قبیلہ بنی بکر بن وائل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے وہاں پہنچ کر دعوتِ اسلام دی مگر اُنہوں نے قبول نہ کی۔ آپ ﷺ وہاں سے قبیلہ قحطان تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے چند دن مہمان نوازی کی پھر نگاہیں پھیر لیں۔ چنانچہ حضور ﷺ طائف اور ثقیف کی جانب متوجہ ہوئے۔ حضرت زیدؓ بن حارث آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ ایک ماہ ثقیف میں رہے، اُنہیں دعوتِ اسلام دی مگر اُنہوں نے بھی قبول نہ کی بلکہ غلاموں اور بچوں کو ایذا رسانی کے لیے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ ﷺ کا تعاقب کرتے، شور وغوغا کرتے، گالیاں بکتے اور پتھر مارتے۔ ظالموں کے پتھراؤ سے آپ ﷺ اتنے زخمی ہوتے کہ جسم مطہر سے بہتا ہوا خون پاؤں تک جا پہنچتا اور پائے اقدس لہو سے تر بتر ہو جاتے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہ بدبخت پتھر برساتے تو حضور ﷺ زمین پر آ رہتے اور دستِ مبارک سے اپنے پائے نازک سہلاتے، پھر کھڑے ہوتے اور جب چلتے تو وہ بدکردار پھر پتھر مارتے اور قہقہے

لگاتے۔حضرت زیدؓ خود کو حضور ﷺ کی ڈھال بنائے رکھتے تھے، ایک سنگ باری میں اُن کا بھی سر پھٹ گیا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ (ﷺ) پر روزِ اُحد (جنگِ اُحد کا دن) سے زیادہ سخت و شدید دن کوئی اور بھی آیا؟ فرمایا کہ بلاشبہ تمہاری قوم کی جانب سے مجھ پر سخت ترین مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے مگر روزِ عقبہ (سفر طائف کے دوران) جب میں عبد یالیل بن کلال کے سامنے آیا اور منصبِ جلیل ظاہر کر کے اُسے دعوتِ اسلام دی تو اُس نے قبول نہ کی، میں مغموم و محزون وہاں سے چل دیا در آنحالیکہ ''قران الثعالیب'' پہنچا تو میں نڈھال تھا۔(مدارج النبوّت میں لکھا ہے کہ.....''مجھے ہوش نہ تھا''۔''ہوش میں نہ تھا'' جیسے الفاظ کا استعمال رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے لیے مجھے مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ''ہوش میں نہ ہونا'' ایک محاورہ ہے جس کے کئی مطالب نکلتے ہیں۔میں نے اس محاورہ کو نڈھال ہوجانے کے معانی میں لیتے ہوئے اسی لفظ کو استعمال کیا ہے۔ مؤلف) اس کے بعد میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔پھر میں نے غور سے دیکھا تو اُس میں جبرائیل (علیہ السلام) کو پایا۔اُنہوں نے مجھے مخاطب کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی قوم کی بدزبانی اور بدسلوکی ملاحظہ کی ہے۔اُس نے آپ (ﷺ) کی خدمت میں ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کو بھیجا ہے اور اُسے آپ (ﷺ) کا تابع فرمان کر دیا ہے کہ آپ (ﷺ) جو چاہیں اُسے حکم فرمائیں۔اِس کے بعد ملک الجبال نے مجھے سلام عرض کیا اور کہا کہ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، دُنیا جہان کے پہاڑ میرے قبضہ و اختیار میں ہیں۔حق تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی قوم کی بدزبانی اور بدسلوکی کی وجہ سے مجھے آپ (ﷺ) کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ (ﷺ) جو چاہیں مجھے حکم فرمائیں، اگر آپ (ﷺ) حکم

فرمائیں تو میں پہاڑوں کو اِن (گستاخ) لوگوں پر گرا کر اِنہیں کچل دوں اور ہلاک کر دوں؟ میں نے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ اِنہیں ہلاک کیا جائے بلکہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ اِن کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اُس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اُس کا شریک نہ بنائیں گے۔

صاحبِ مواہب فرماتے ہیں کہ طائف میں حضور ﷺ کی اقامت دس روز رہی اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ ﷺ وہاں ایک ماہ تک رہے۔ (مدارج النبوّت)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جنّات کی حاضری

طائف سے مکّہ جاتے ہوئے حضور ﷺ نے وادیٔ نخلہ میں قیام فرمایا۔ رات کے وقت آپ ﷺ تلاوتِ قرآن فرما رہے تھے کہ نصیبین سے یمن جانے والے چند جنّات، جن کی تعداد بروایتے سات یا نو تھی، کلامِ خدا سُن کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُنہیں دعوتِ اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ پھر وہ آپ ﷺ کے حکم سے اپنی قوم کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر کہا کہ ہم نے بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے، ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہیں بنائیں گے۔

(روضۃ الاحباب، مدارج النبوّت)

یہ واقعہ قرآن پاک میں یوں آیا ہے:

إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ○ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ○

جنات کے ایک گروہ نے (قرآن کو) توجہ کے ساتھ سنا پھر (جا کر اپنی قوم سے) کہا کہ ہم نے بڑا عجیب قرآن سنا ہے۔ جو بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور اب ہم کسی کو بھی اپنے پروردگار کا شریک نہیں بنائیں گے۔ (آیت ۱، ۲ سورۃ جن)

اس واقعہ کا ذکر سورۃ الاحقاف میں بھی ہے۔ ارشادِ ربّی ہوتا ہے:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ○ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ○

ترجمہ: اور (اے حبیب ﷺ! وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے جنات کے کچھ افراد کو آپ (ﷺ) کی طرف متوجہ کیا تاکہ وہ غور سے قرآن سنیں۔ پس وہ اُس جگہ پہنچے (جہاں قرآن پڑھا جارہا تھا) تو (آپس میں کہنے لگے) خاموش ہوکر سنو لہٰذا جب (قرآن) پڑھا جاچکا تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔ اُنہوں نے کہا اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (اور جو) حق اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ (سورۃ الاحقاف آیت ۲۹، ۳۰)

مواہب الادینہ میں حضرت ابن مسعودؓ سے یوں منقول ہے کہ کچھ جِنّات نے قرآن سنا لیکن وہ حضور ﷺ کے سامنے ظاہر نہ ہوئے اور محض تلاوتِ قرآن سُن کر ہی اپنی قوم کی طرف چلے گئے۔ پھر وہ جوق در جوق آتے رہے، قرآنِ کریم سنتے اور ایمان لاتے رہے مگر ظاہر ہوکر سامنے نہیں آئے۔ (مواہب الادینہ)

منقول ہے کہ حرم کے نزدیکی درختوں میں سے ایک درخت نے حضور ﷺ سے کلام کیا اور خبر دی کہ یارسول اللہ ﷺ! جِنّات کی قوم آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے آئی ہوئی ہے جو مقامِ حجون میں ٹھہری ہوئی ہے (وادی حجون مکّہ مکرمہ کی بُلندی میں واقع ہے)۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ کو اپنے ہمراہ لیا اور اُن سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ مقامِ حجون پر پہنچے تو ایک کھائی میں اُترے، اپنی انگشت مبارک سے زمین پر ایک

دائرہ کھینچا اور حضرت ابنِ مسعودؓ سے فرمایا کہ اس دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا تا کہ کوئی آفت تم تک نہ پہنچے۔ پھر آپ ﷺ نماز میں مشغول ہوئے اور سورۃ طٰہٰ کی تلاوت فرمائی۔ ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار اور دوسری روایت کے مطابق چھ ہزار جِنّات، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے اُنہیں دعوتِ اسلام دی اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔ مروی ہے کہ جِنّات کی قوم نے حضور نبی کریم ﷺ سے نبوّت پر گواہی مانگی تو آپ ﷺ نے ایک درخت کو اپنے پاس بلایا۔ وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں۔ روایت ہے کہ جِنّات نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے اور اپنے جانوروں کے لیے توشہ (زادِراہ/ وہ کھانا جو مسافر ساتھ لے جائے) مانگا تو آپ ﷺ نے جِنّات کے لیے استخوان (ہڈی) اور اُن کے چوپایوں کے لیے سرگین مقرر کی اور فرمایا کہ جب تم ہڈیوں پر خدا کا نام لو گے تو حق تعالیٰ اُن پر اتنا گوشت پیدا فرما دے گا کہ تم سیر ہو جاؤ گے اور جب تم اپنے چوپایوں کے لیے سرگین لو گے تو حق تعالیٰ اُس میں دانے اور غلہ پیدا فرما دے گا۔ اِسی بنا پر شریعت میں ہڈی اور سرگین سے استنجا کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ (مدارج النبوّت)

❁

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا
مُحَمَّدٍ اَکْرَمِ الْکُرَمَآءِ مِنْ عِبَادِكَ وَاَشْرَفِ الْمُنَادِیْنَ لِطُرُقِ رَشَادِكَ
وَسِرَاجِ اَقْطَارِكَ وَبِلَادِكَ صَلٰوۃً لَّا تَفْنٰی وَلَا تَبِیْدُ
تُبَلِّغُنَا بِھَا کَرَامَۃَ الْمَزِیْدِ ○

❁

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ سے عقد

اِسی سال ۱۰ بعثت میں، اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ سے نکاح کیا۔ حضرت سودہ بنت زمعہ بیوہ تھیں۔

قبیلہ خزرج کے ایک گروہ کا قبولِ اسلام

سنہ ۱۱ بعثت ماہِ رجب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقبہ کے قریب منیٰ میں تشریف فرما تھے کہ اہلِ یثرب (مدینہ میں اوس اور خزرج دو قبیلے رہتے تھے، دونوں ایک باپ کی اولاد تھے، اُن کے مسکن کو یثرب کہا جاتا تھا) کے قبیلہ خزرج کا ایک گروہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ یہ گروہ چھ افراد پر مشتمل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سامنے تلاوتِ قرآن کی اور اسلام کے محاسن بیان فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے منصبِ رسالت عطا فرمایا ہے اگر تم میری اطاعت کرو گے تو دُنیا و آخرت میں نیک بخت و سعادت مند رہو گے۔ خزرجیوں نے مدینہ منورہ کے یہودیوں سے پہلے ہی سُن رکھا تھا کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہور و بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال و کردار اور اوصاف کا مشاہدہ کیا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کے ظہور کی باتیں یہودی کیا کرتے ہیں، اِس وقت کو غنیمت سمجھو اور اِن پر ایمان لے آؤ تا کہ مدینہ والوں میں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے۔ پس وہ لوگ ایمان لے آئے اور واپس یثرب جا کر دِینِ اسلام کی تبلیغ جس کے نتیجے میں وہاں کے گھروں میں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔ (چودہ ستارے، مدارج النبوت)

معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(اہلِ سُنّت کی نظر میں)

معراج کا واقعہ ۲۷ رجب ۱۰ نبوّت کو پیش آیا (کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور بروایتے ۲۷ رجب کو اعلانِ نبوّت کے بارہویں سال یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا۔ (چودہ ستارے)

مجمعُ الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابنِ شہر آشوب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج، مکّہ میں، ہجرت سے چھ ماہ قبل، ۱۷ رمضان کی شب، دارِ اُمِّ ہانی بنتِ عبدالمطلب سے اور بعض کے نزدیک خانہ حضرت خدیجہ سے اور کچھ کے مطابق شعبِ ابوطالب سے تھی۔ حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے کہ معراج ۲ ربیع الاوّل کو اعلانِ نبوّت کے دو سال بعد ہوئی۔ (مجمعُ الفضائل)

''الرحیق المختوم'' میں مندرجہ ذیل اقوال درج ہیں:

۱۔ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوّت دی گئی (یعنی اعلانِ نبوّت کا حکم دیا گیا) اُسی سال معراج بھی واقع ہوئی۔ (طبری)

۲۔ (اعلانِ) نبوّت کے پانچ سال بعد معراج ہوئی۔

۳۔ (اعلانِ) نبوّت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو معراج ہوئی۔

۴۔ ہجرت سے سولہ ماہ قبل، (اعلانِ) نبوّت کے بارہویں سال ماہِ رمضان میں معراج ہوئی۔

۵۔ ہجرت سے چودہ ماہ پہلے، (اعلانِ) نبوّت کے تیرہوں سال ماہِ محرم الحرام میں معراج ہوئی۔

۶۔ ہجرت سے بارہ ماہ قبل، (اعلانِ) نبوّت کے تیرہویں سال ماہِ ربیع الاوّل میں معراج ہوئی۔

فرمانِ الٰہی ہے:

''سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی

الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ‘‘ (سورۃ الاسراء: آیت ۱)

(پاک ہے وہ جو اپنے بندۂ خاص کو رات کے تھوڑے عرصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا وہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں تاکہ دکھائیں ہم اُنہیں اپنی نشانیاں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔)

’’مدارجُ النبوّت‘‘ میں ہے کہ اسریٰ کے معنی ہیں ’’لے جانا‘‘۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مکّہ سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ پھر وہاں سے آسمان پر لے جانے کا نام معراج ہے۔ یہ احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے، اِس کا مُنکر فاسق، جاہل، محروم اور کافر ہے کیونکہ یہ اللہ کی کتاب سے ثابت ہے۔ مذہبِ صحیح یہی ہے کہ اسریٰ و معراج سب کچھ بحالتِ بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔ صحابہ، تابعین اور اتباع کے مشاہیر، علماء اور اُن کے بعد محدثین، فقہا اور متکلمین کا اِسی پر ایمان ہے۔ اِس پر احادیثِ صحیحہ اور اخبارِ صریحہ متواتر ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معراج خواب میں رُوح سے تھی۔ اِس کی جمع و تطبیق وہ اِس طرح کرتے ہیں کہ یہ واقعہ متعدد بار ہُوا۔ ایک مرتبہ بیداری میں اور دیگر اوقات خواب میں رُوح سے، کچھ بار مکّہ مکرمہ میں اور کچھ مرتبہ مدینہ طیّبہ میں۔ اِس کے باوجود اِس پر سب متفق ہیں کہ اَنبیاء علیہم السلام کی رویا یعنی خواب وحی ہے جس میں کسی شک وشبہ کو دخل نہیں۔ خواب میں ان کے دِل بیدار اور آنکھیں پوشیدہ (یعنی بند) ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ معراج بحالتِ بیداری اور جسم کے ساتھ ہی تھا۔ مدارجُ النبوّت میں ہے کہ حضرت اَنس نے اُس حال کا مشاہدہ نہیں کیا اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا کیونکہ قصۂ معراج ہجرت سے پہلے کا ہے اور حضرت اَنس رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور اُس وقت وہ سات آٹھ سال کے بچّے تھے۔ جیسا کہ اہلِ علم تصریح کرتے ہیں۔ یہی حال حضرت عائشہ کی حدیث ’’مَا فَقَدَ جَسَدُ مُحَمَّدٍ‘‘ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسمِ اطہر بستر سے گم نہ ہُوا تھا) کا ہے۔ یہ اُن لوگوں کے دلائل ہیں جو کہتے ہیں کہ ’’اسریٰ‘‘ خواب میں ہوئی۔ حضرت عائشہ اُس زمانہ

میں حضور ﷺ کے پاس نہیں تھیں اور نہ قبط وحفظ کی عمر ہی تھی بلکہ ممکن ہے پیدا بھی نہ ہوئی ہوں۔ مدارجُ النبوّت میں تحریر ہے کہ باخبر رہنا چاہیے کہ معراجِ مبارک کی حدیث کو صحابۂ کرام کی جماعتِ کثیرہ نے تواتر معنوی کے مرتبہ میں روایت کیا ہے، اگرچہ بعض خصوصیات میں روایات مختلف ہیں، اِن میں مشہور وہ طویل حدیث ہے جسے امام بخاری ومسلم نے اپنی صحیح میں حضرت قتادہ، حضرت اَنس اور مالک بن صعصہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک سفید چوپایہ لائے جس کا نام براق ہے۔ وہ خچر سے پست اور گدھے سے اُونچا تھا اور منتہائے نظر پر اُس کا قدم پڑتا تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ براق کے دو بازو (پر) تھے جن سے وہ اُڑتا تھا۔ براق کی رکاب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں اور لگام حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ جب حضور اکرم ﷺ رکاب میں پائے اقدس رکھنے لگے تو براق نے شوخی کی، اُس وقت جبرائیل علیہ السلام نے براق سے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کیوں شوخی کرتا ہے؟ تجھ پر تمام مخلوق سے زیادہ بزرگ ومکرم حضور اکرم ﷺ سوار ہوا چاہتے ہیں۔ پھر براق نے شوق کا اظہار کیا اور زمین پر بیٹھ گیا اور حضور ﷺ نے اُس کی پشت پر سواری فرمائی۔ کچھ روایات کے مطابق، حضور ﷺ کے پسِ پشت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے تھے۔ ممکن ہے انہوں نے پہلے رکاب تھامی ہو اور پھر حضور اکرم ﷺ نے از راہِ محبت وعنایت انہیں اپنا ردیف بنا لیا ہو، یا یہ کہ پہلے وہ ردیف بنے ہوں اور اُس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی تعظیم وتکریم کے لیے اُتر کر رکاب تھام لی ہو۔

براق ایک نخلستان میں پہنچا تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! یہاں دوگانہ ادا فرمایئے، یہ یثرب کی زمین ہے جسے بعد میں مدینہ منورہ کہا جائے گا۔ جب مدین اور عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ جناب (ﷺ)! یہاں پر دوگانہ ادا فرمایئے۔ وہاں حضور ﷺ نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام

سے دریافت فرمایا کہ یہ بڑھیا کون ہے؟ عرض کیا کہ حضور (ﷺ) بڑھے چلئے۔ پھر آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک جانب ایک شخص کھڑا ہے اور وہ آپ ﷺ کو بُلا رہا ہے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور بڑھے چلیے۔ ایک جماعت پر گزر ہُوا تو اُس نے حضور ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا، وہ کہہ رہی تھی، ''السَّلاَمُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ، السَّلاَمُ عَلَیْکَ یَا آخِرُ، السَّلاَمُ عَلَیْکَ یَا حَاشِرُ'' اس پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! ان کے سلام کا جواب مرحمت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب عنایت فرمایا۔ اُس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ بوڑھی عورت جسے حضور (ﷺ) نے ملاحظہ فرمایا، دُنیا تھی۔ دُنیا کی عمر اتنی باقی ہے جتنی اُس بڑھیا کی عمر باقی ہے اور وہ شخص جس نے حضور (ﷺ) کو مخاطب کیا تھا، ابلیس تھا۔ اگر آپ (ﷺ) اُس کی طرف التفات فرماتے اور اُسے جواب دیتے تو آپ (ﷺ) کی اُمت دُنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور شیطان اُسے گمراہ کرتا اور وہ جماعت جو آپ (ﷺ) پر سلام عرض کر رہی تھی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا گذر موسیٰ علیہ السلام کی قبرِ انور پر ہُوا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، اُنہوں نے کہا ''اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللہ'' یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ پھر حضور ﷺ کا گذر ایسے نیک و بد لوگوں کے گروہوں اور قوموں پر ہوا جو عالمِ برزخ و مثال میں اپنے احوال و افعال کے ثمرات و نتائج میں مشغول و گرفتار تھے۔

آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے اور براق کو مسجد کے دروازے پر باندھا (اُس دروازے کو اب بابِ محمدؐ (ﷺ) کہا جاتا ہے) اور اندر تشریف لے گئے، وہاں دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کی۔ یہاں آپ ﷺ کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ

علیہ السلام تک تمام انبیاء کی ارواحِ مقدسہ بھی متمثل ہوکر حاضر ہوئیں، خدا کی حمد وثناء کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کی۔ سب ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کا اعتراف کیا، اذان کہی گئی، نماز کے لیے اقامت ہوئی اور سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت فرمائی اور تمام انبیاء وملائکہ علیہم السلام نے اقتدا کی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لائے تو جبرائیل علیہ السلام نے ایک پیالہ شراب کا اور ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اختیار ہے کہ جو پیالہ چاہیں نوش فرماسکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کے پیالہ کو پسند فرمایا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فطرت کو اختیار فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ کہا، ''اَصَبْتُ فَاَصَابَ اللّٰہُ بِکَ'' یعنی آپ نے راہِ صواب (نیکی اور راستی کی راہ) کو اختیار فرمایا، اللہ تعالیٰ آپ کے سبب راہِ صواب دکھائے۔ ایک اور روایت کے مطابق جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہوجاتی اور اس کی طرف راغب ہوجاتی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دو پیالے آئے، ایک دودھ کا تھا اور ایک شہد کا۔ ایک روایت میں ہے کہ تین پیالے آئے، ایک دودھ کا دوسرا پانی کا تیسرا شراب کا، اس میں شہد کا ذکر نہیں ہے۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کو ہی پسند فرمایا۔

بروایتے یہ پیالے ''سدرۃُ المنتہیٰ'' کے قریب پیش کیے گئے پھر جنّتُ الفردوس سے ایک سیڑھی لائی گئی جس کے دائیں اور بائیں فرشتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے ذریعے آسمانوں پر پہنچے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن انبیاءِ کرام کو دیکھا جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال اور ملاقات پر مامور فرمایا گیا تھا۔

اس سفرِ معراج میں جو حالات و حکایات روایتوں میں مذکور ہیں وہ یوں ہیں کہ چھٹے آسمان پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گذرے اور اُوپر تشریف لے جانے لگے تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے اور کہا کہ ایک شخص جسے میرے بعد بھیجا گیا اُسے ایسا برگزیدہ فرمایا گیا کہ اُس کی اُمت میری اُمت سے پہلے جنّت میں جائے گی۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سدرۃُ المنتہیٰ کی جانب لے جایا گیا۔ اس جگہ مخلوق کے اعمال اور علوم ختم ہوجاتے ہیں، امرِ الٰہی نزول فرماتا ہے، احکام حاصل کیے جاتے ہیں اور فرشتے یہیں ٹھہرتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھنے اور وہاں سے تجاوز کرنے کی کسی میں تاب وتواں نہیں ہے، سوائے سیّدُ المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ پس حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اسی جگہ رُک گئے اور آپ سے جُدا ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور جُدا ہونے کا یہ کون سا مقام ہے؟ یہ جگہ ایسی تو نہیں کہ دوست، دوست کو چھوڑ کر جُدا ہوجائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر میں ایک انگلی کے برابر بھی آگے جاؤں گا تو جل جاؤں گا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃُ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ساتویں میں ہے اور ان دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کی جڑ تو چھٹے آسمان میں ہے اور شاخیں ساتویں آسمان میں۔

سدرۃُ المنتہیٰ سے چار نہریں نکلتی ہیں، دو ظاہر ہیں اور دو باطن ہیں۔ باطن وہ ہیں جو جنّت میں جاتی ہیں اور ظاہر وہ ہیں جو نیل وفرات کہلاتی ہیں۔ سدرۃُ المنتہیٰ کو انوار ڈھانپے ہوئے ہیں سونے کے پرندوں اور پتنگوں کی مانند اور ہر ایک پتہ پر ایک فرشتہ مامور ہے اور اس مقام کی تعریف وتوصیف حدِ قیاس وعقل سے باہر ہے۔

اس کے بعد بیتُ المعمور نمودار ہُوا اور اُس سے پردہ اُٹھایا گیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں: ثُمَّ رُفِعَ اِلَیَّ الْبَیْتُ الْمَعْمُوْر (پھر بیتِ معمور کی طرف لایا گیا)۔ بیتِ معمور وہ مسجد ہے جو خانہ کعبہ

کے بالکل اُوپر واقع ہے۔(یعنی اگر خانہ کعبہ سے ایک عمودی خط ۹۰ ڈگری کے زاویے سے کھینچا جائے تو وہ سیدھا بیتِ معمور تک پہنچے گا۔مؤلف)۔ یہ وہ گھر ہے جسے آدم علیہ السلام کے لیے زمین پر اُترنے کے بعد بھیجا گیا اور آدم علیہ السلام کے بعد اُٹھا لیا گیا۔آسمان پر اِس کی قدرومنزلت ایسی ہے جیسے زمین پر خانہ کعبہ کی۔فرشتے اِس کا طواف کرتے ہیں اور اِس کی طرف (رُخ کر کے) نماز پڑھتے ہیں۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کو بیتُ المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔آپ کے پاس ایک بہت خوش رو جماعت حاضر تھی، میں نے اُنہیں سلام کیا، اُنہوں نے بھی مجھ پر سلام بھیجا۔

میں نے وہاں اپنی اُمت کو دو جماعتوں میں منقسم پایا، ایک جماعت سفید لباس میں تھی اور دوسری ملگجے کپڑوں میں ملبوس تھی۔سفید لباس والی جماعت میرے ہمراہ بیتُ المعمور آئی اور ملگجے لباس والی جماعت پیچھے رہ گئی۔ میں نے ان سفید لباس والوں کے ساتھ بیتُ المعمور میں نماز پڑھی۔ (یہاں لباس کی سفیدی حُسنِ اعمال سے کنایہ ہے۔)

ایک حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ایک جماعت ایسی دیکھی جو سفید اور خوش رنگ مانندِ قراطیس (کورا کاغذ) تھی اور ایک جماعت اور تھی جن کی رنگت تیرگی و تاریکی مائل تھی۔وہ جماعت ایک نہر پر آئی اور غسل کیا تو اُن کی رنگتیں کچھ صاف ہوگئیں پھر وہ دوسری نہر پر آئی اور غسل کیا تو اُن کی رنگتیں مکمل طور پر اُس جماعت کی مانند ہوگئیں جو سفید اور خوشرنگ تھی۔

حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفید و خوش رنگ چہرے والوں کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں اور وہ تیرہ رنگت والی جماعت کون ہے اور ٹیک لگائے ہوئے کون صاحب بیٹھے ہیں اور

یہ نہریں کون سی ہیں جن میں آ کر انہوں نے غسل کیا؟

جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ٹیک لگائے ہوئے یہ صاحب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سفید لباس والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کی آمیزش سے محفوظ رکھا اور تیرہ رنگ والے وہ ہیں جنہوں نے اعمالِ صالحہ کو اعمالِ بد سے ملا دیا پھر انہوں نے توبہ کی اور حق تعالیٰ نے ان پر رَحمت فرمائی اور نہروں میں یہ پہلی نہر، نہرِ رَحمت ہے اور دوسری نہر، نہرِ نعمت ہے۔

اس کے بعد حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری اور بُلند ہوئی یہاں تک کہ اُن فرشتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو حق تعالیٰ کی تقدیر کی کتابت کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جنّت اور دوزخ کو لایا گیا، اُن صفات و خوبیوں کے ساتھ جو کتاب و سُنّت میں مذکور ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنّت کو رَحمتِ الٰہی کا مظہر اور دوزخ کو حق تعالیٰ کے عذاب و غضب کی جگہ ملاحظہ فرمایا۔ جنّت کھلی ہوئی تھی اور دوزخ بند تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چشمۂ سلسبیل میں غسل فرمایا۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنّت کے درختوں میں سے ایک احسن و طیّب درخت (طوبیٰ) کا پھل کھلایا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشتِ مطہر میں نطفۂ اقدس بن گیا۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر تشریف لائے اور اُمّ المومنین سیّدہ خدیجہ طاہرہ علیہا السلام کے حقوقِ زوجیت ادا فرمائے تو صدفِ مادر میں گوہرِ خاتونِ جنّت سیّدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام قرار پایا۔

جب سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو ملاحظہ فرما چکے تو قربِ الٰہی میں باریابی اور حضوری کا وقت آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس مقام پر پہنچے تو سب سے تعلُّق منقطع ہو گیا، کوئی فرشتہ اور انسان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا رہ گئے۔

ابھی ستر نورانی حجاب ایسے تھے کہ ایک حجاب دوسرے کے ہم مثل نہ تھا۔ روایت ہے کہ ہر حجاب کی تہہ موٹائی میں پانچ سو سال کی مسافت کے برابر تھی اور ابھی اُن کا طے کرنا باقی تھا پس

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سب کو حق تعالیٰ کی مدد اور اعانت سے قطع فرمایا۔ پھر حق جل مجدہٗ سے ندا آئی، ''اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ'' یعنی اے ساری مخلوق سے افضل! قریب ہوجایئے، اے احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! قریب ہوجایئے، اے مُحمَّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! قریب ہو جایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میرے رَب نے مجھے اپنے قریب کیا اور میں اتنا نزدیک ہوگیا کہ دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا، بلکہ اس سے بھی کم۔ پھر میرے رَب نے مجھ سے کچھ دریافت فرمایا تو مجھ میں اتنی تاب نہ تھی کہ جواب دے سکتا۔ اُس وقت (اللہ تعالیٰ نے) اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان بے کیف وحد بڑھایا، میں نے اُس کی ٹھنڈک کو اپنے سینہء گنجینہ میں محسوس کیا۔ اُس وقت مجھے تمام اوّلین و آخرین کا عِلم عطا فرمایا اور طرح طرح کے علوم تعلیم فرمائے جن میں سے ایک عِلم ایسا تھا جس کے ظاہر نہ کرنے کا عہد مجھ سے لیا گیا کہ اسے کسی سے نہ کہوں اور کوئی اس کو برداشت کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا بجز میرے۔ ایک عِلم ایسا تھا جس کے ظاہر کرنے اور چھپانے کا مجھے اختیار دیا اور ایک علم ایسا تھا جس کو اپنی اُمت کے ہر خاص و عام میں تبلیغ کا حکم فرمایا۔ پھر میرے لیے سبز رنگ کا رفرف (دیبا وغیرہ سے بنایا گیا نرم بچھونا) بچھایا گیا جس کا نُور آفتاب کے نُور پر غالب تھا، اُس سے میری آنکھوں کا نُور چمکنے لگا۔ مجھے اُس رفرف پر بٹھایا گیا۔ وہ مجھے لے کر روانہ ہُوا یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا۔ پھر ایک ایسا امرِ عظیم دیکھنے میں آیا جس کی توصیف سے زبانیں قاصر ہیں۔ تب عرش سے ایک قطرہ میرے قریب آیا اور میری زبان پر گرا۔ میں نے اُس کو چکھا، اس سے زیادہ شیریں چیز کبھی کسی نے نہ چکھی ہوگی۔ اُس وقت میں نے تمام چیزوں کو اپنے دِل سے دیکھا اور اپنے پسِ پشت بھی ایسے ہی دیکھنے لگا جیسا اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔

(مدارج النبوّت/ شیخ عبدالحق دہلوی ص ۲۰۹)

معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(اہلِ تشیّع کی نظر میں)

مولانا ظفر حسن صاحب تفسیر القرآن میں سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ مفسرین کا اس پر تو اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا لیکن تاریخ میں اختلاف ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ معراج خانہ کعبہ کے حجرہ سے ہوئی یا حضرت اُمِّ ہانیؓ خواہرِ حضرت علی علیہ السلام کے گھر سے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج روحانی تھی یا جسمانی۔

جو لوگ روحانی معراج کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ خواب میں ایسی عجیب چیزیں تو ایک کافر کو بھی نظر آسکتی ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ذِکر؟۔ دوسرے اگر روحانی معراج ہوتی تو اس اہتمام سے اس کا ذِکر نہ کیا جاتا کہ شروع میں اللہ تعالیٰ ''سُبْحَانَ الَّذِیْ'' کہہ کر اپنی عظمت وجلالت کا اظہار کرتا ہے پھر لفظ ''عَبْدُہٗ'' کا ذِکر کرتا ہے۔ ''عبد'' کا اطلاق جسم ورُوح دونوں پر ہوتا ہے نہ کہ صرف رُوح پر۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آسمانوں پر جانے کے متعلق روایت یہ ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام براق لے کر آئے جس کی شکل گھوڑے کی سی تھی اور اُس کے دو پر بھی تھے۔

سورج کی کرنیں دریاؤں سے لاکھوں من پانی اُٹھا کر آسمان پر لے جاتی ہیں کیا اسی طرح اللہ کی بھیجی ہوئی برقی قوت سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر نہیں جا سکتے تھے؟ اسی برقی قوت کا نام اگر براق رکھا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے؟

مسجدِ اقصیٰ کیا ہے؟ مسلمانوں کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ اس سے مُراد وہی مسجدِ اقصیٰ ہے جو رُوئے زمین پر موجود ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں تک پہنچانے میں کیا اعجازی شان پیدا ہوئی اور کیا عجائباتِ قدرت دکھانے کو خدا نے وہاں تک پہنچایا؟ اس مسجدِ اقصیٰ میں تو آئے دن لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چلے گئے تو کیا کمال دکھایا؟

دراصل مسجدِ اقصیٰ سے مُراد وہ مسجد ہے جو انتہائی سجدہ کی جگہ ہے یعنی عالمِ امکان کی آخری حد جس سے اُوپر کوئی نہیں جاسکتا کیونکہ اس سے بالاتر لامکاں ہے۔ یہی خدا کی سب سے بڑی آیت (نشانی) ہوسکتی ہے کہ خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالمِ امکان کی آخری حد تک پہنچادیا جہاں مقرب فرشتہ جبرائیل بھی نہ جاسکا کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے سدرۃُ المنتہیٰ تک جاکر ساتھ چھوڑ دیا تھا اور یہ کہہ کر علیٰحدہ ہوگئے تھے:

اگر یک سرِ مُوئے برتر پرم　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

(اگر میں ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھوں تو میرے پر جل جائیں گے)

جبرائیل علیہ السلام کو سدرہ پر چھوڑ کر آپ قابَ قوسین (دو کمانوں کا فاصلہ، یعنی نہایت قریب) کے مقام تک پہنچے... سدرہ سے آگے بڑھنے میں راویوں نے کسی براق کا ذکر نہیں کیا اور نہ واپسی کے وقت یہ بتایا کہ وہ بھی براق ہی کے ذریعے سے ہوئی تھی یا کوئی اور صورت تھی۔

کیا یہ خدا سے ملاقات تھی؟ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کیا خدا وہاں بیٹھا تھا جس سے ملنے کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں پہنچے؟ کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا سے ملاقات کی تھی اور اُس سے ہاتھ ملایا تھا؟ استغفراللہ! ایسا خیال اُنہیں کے دِل و دماغ میں گردش کرسکتا ہے جو خدا کے مجسّم ہونے کے قائل ہیں اور قیامت میں خدا کے دیدار کی آرزو رکھتے ہیں۔ خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اِس لیے نہیں بلایا تھا کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کرے۔ جو ذاتِ پاک رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے

اُس کو ملاقات کے لیے وہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ ایسی ملاقاتیں تو ہمارے مادی وجود میں ہی ہوتی ہیں۔ خدا تو جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے مبّرا و منزّہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالمِ امکان ہے، ایک عالمِ نُور ہے۔ رسول ﷺ عالمِ نُور کی مخلوق تھے جہاں وقت جگہ اور جہات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا نے چاہا کہ اپنے حبیب ﷺ کو تمام عالمِ امکان کی سیر کرائے اور اس کی حدِ آخر دکھائے جو عالمِ نُور سے ملی ہوئی ہے اور جہاں قدرتِ الٰہی کے کرشمے عالمِ امکاں سے کہیں زیادہ ہیں۔ وہ خود فرماتا ہے، ''تا کہ ہم اُس کو اپنی آیات (نشانیاں) دکھا دیں'' نہ کہ اپنے (آپ) کو دکھا دیں۔ اور یہ بھی فرماتا ہے کہ ہم نے اُس مسجدِ اقصیٰ کو اپنی برکات سے پرنُور بنا رکھا ہے،

''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیَاتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ''

(پاک ہے وہ جو اپنے بندۂ خاص کو رات کے قلیل عرصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا، وہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں تا کہ دکھائیں ہم اُنہیں اپنی نشانیاں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔ سورۃ الاسراء: آیت ۱)

ایک اعتراض یہ ہے کہ خدا نے رسول ﷺ کو جنّت و دوزخ کی سیر کرائی اور ملائکہ کے مقامات دکھائے تو گویا کسی کو دوزخ میں جلتے اور کسی کو جنّت میں آرام کرتے دکھایا تو یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ کیا رسول ﷺ نے دوزخ میں جا کر لوگوں کے عذاب کی صورت دیکھی تھی؟ یہ تو بعید از عقل ہے۔ اِسی طرح جنّت میں جا کر پھر باہر کیسے آئے؟ حالانکہ اس کی صفت یہ ہے کہ جو جائے گا وہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔ نیز یہ کہ جنّت اور دوزخ میں لوگوں کی حالت کیسے دکھائی؟ جب کہ قیامت کے سوال و جواب سے پہلے نہ کوئی جنّت میں جا سکتا ہے نہ دوزخ ہی میں۔ یہ سیر دُور سے بھی ہوسکتی ہے جنّت و دوزخ کوئی بند مقام نہ تھے کہ اُن کے اندر ہی جا کر دیکھا جائے۔ اُن کے متعلق بوقت

سیر یہ بھی اشارہ سے بتایا جا سکتا تھا کہ یہ جنّت ہے یہ دوزخ ہے، اندرونی حالات سے فرشتہ آگاہ کر سکتا تھا، اب رہا جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات کا مشاہدہ، یہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ جنتیوں اور دوزخیوں پر بعدِ قیامت جو کچھ گزرے گی وہ حضور ﷺ کو قرآن سے معلوم ہو چکا تھا پس اس کے معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ اتنی جلد جا کر واپس آ جائیں کہ بسترِ خواب گرم ہی رہے؟ مشکل یہ ہے کہ لوگ قدرتِ الٰہی کا اندازہ اپنی اپنی صلاحیت سے کرتے ہیں۔ جس خدائے قادر و قیوم نے انسان کی آنکھ میں یہ قوت دی ہے کہ وہ ایک سیکنڈ میں سارے آسمان کا مشاہدہ کر کے پلٹ آتی ہے اور اسی قلیل مدت میں چاند ستارے سب کچھ دیکھ لیتی ہے، اُس خدا نے اگر اپنی ایک خاص مخلوق کو اتنی جلد سیر کروا کر واپس کر دیا تو تعجب کی کیا بات ہے؟ جس خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین پر ملکوت سماوات والارض کو فوراً دکھا دیا تھا، جس خدا نے آصف کو یہ قوت دی تھی کہ وہ پلک جھپکتے سینکڑوں میل دُور سے بلقیس کا تخت اٹھا لائیں، اُس کے لیے کیا دشوار تھا کہ تھوڑی سی مدت میں اپنے محبوب کو تمام عالمِ امکان کی سیر کرا دے؟ اب تو یہ بات سمجھنے میں بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے، انسان کا بنایا ہُوا راکٹ ایک منٹ میں ہزاروں میل سفر طے کر جاتا ہے تو خدا اپنے بندے کو عالمِ امکاں کی سیر کرا کے اتنی جلدی کیوں نہیں واپس لا سکتا؟ فرشتے کی طاقت کو دیکھو جب جناب ابراہیم علیہ السلام منجنیق سے جدا ہو کر آتشِ نمرود کی طرف چلے تو جبرائیل علیہ السلام نے آدھی راہ میں ہی آسمان سے نزول کر کے اُنہیں آ لیا۔ کیا یہ سرعت سمجھ میں آ سکتی ہے؟ ہمارے رسول ﷺ جبرائیل علیہ السلام سے برتر و افضل ہیں، اگر اُن کے لیے ایسا ہُوا تو کیا تعجب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ قدرت کے راز ہیں ان کو انسان سمجھ ہی نہیں سکتا۔

(تفسیر القرآن/مولانا سیّد ظفر حسن)

معراجِ جسمانی یا معراجِ روحانی؟

اِس حد تک تو تمام اہلِ اسلام بلاتفریقِ مذاہب متفق ہیں کہ حضور ﷺ معراج پر تشریف لے گئے۔ ہمارے نزدیک معراج کا عقیدہ ضروریاتِ مذہب سے ہے اور اِس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے جیسا کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ جو معراج کا انکار کرے وہ میری اُمت سے خارج ہے۔

اہلِ اسلام میں معراج کے متعلق تین خیالات پائے جاتے ہیں:

۱۔ معراجِ رویا: پیغمبر ﷺ سے اور اسلام کی قدروں سے آشنا لوگ، دشمنانِ اسلام کی تنقیدات سے مرعوب ہو کر معراج کو خواب کہتے رہے۔

۲۔ معراجِ روحانی: جنہوں نے اس کو خواب کی حقیقت سے آگے بڑھایا وہ اسے معراجِ روحانی کہہ کر آگے نہ بڑھ سکے۔

۳۔ معراجِ جسمانی: مذہبِ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کو معراجِ جسمانی نصیب ہُوا اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

علامہ طبرسی ''مجمع البیان'' میں بیان فرماتے ہیں کہ جو لوگ اِس کو نیند کا واقعہ بتاتے ہیں سراسر غلط کہتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں یہ معجزہ نہیں رہتا اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ناطق ہے۔

معراج کے متعلق ہمارے ہاں متعدد روایات موجود ہیں اور بہت سے صحابہ کرام ان کے راوی ہیں مثلاً حضرت ابنِ عباس، حضرت ابنِ مسعود، حضرت اَنس، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت حذیفہ، حضرت عائشہ، اور حضرت اُم ہانی (رضی اللہ عنہم) وغیرہ البتہ ان روایات میں الفاظ کی کمی بیشی ضرور ہے پس ہم ان روایات کو چار حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) وہ احادیث جن کی صحت کا ہمیں علم ہے کیونکہ وہ تواتر سے منقول ہیں اور اُن میں حضور ﷺ کا (جسمانی طور پر) معراج پر جانا بیان کیا گیا ہے۔ پس ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ خواب میں نہیں بلکہ بیداری کے عالم میں معراج پر تشریف لے گئے۔

(۲) وہ احادیث جن کا مضمون عقلاً ممکن ہے اور اصول بھی اُن کو قبول کرتے ہیں، مثلاً آپ ﷺ کا آسمانوں کی سیر کرنا، انبیاء و ملائکہ کے ساتھ ملاقاتیں کرنا، عرش، سدرۃُ المنتہیٰ اور جنّت و دوزخ وغیرہ کا مشاہدہ کرنا۔

(۳) وہ احادیث جو ظاہراً اصول سے ٹکراتی ہیں لیکن اُن کی تاویل کی جا سکتی ہے مثلاً آپ ﷺ کا جنتیوں کو جنّت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں دیکھنا (اِن میں اصولی مخالفت یہ ہے کہ روزِ جزا سے پہلے لوگ اپنے اپنے اعمال کی جزا و سزا کے لیے جنت یا دوزخ میں کیسے پہنچ گئے؟) پس اِس کی تاویل یہ ہے کہ حضور ﷺ کو اُن کی مثالیں دکھائی گئیں۔

(۴) وہ حدیثیں جو ظاہراً صحیح نہیں ہیں اور نہ ہی اُن کی تاویل کی جا سکتی ہے۔ پس ہم اُنہیں قبول نہیں کرتے مثلاً یہ کہ آپ ﷺ نے اللہ کو دیکھا یا اُس کے ساتھ تخت پر بیٹھے یا آپ ﷺ کے سینۂ اقدس کو شق کیا گیا اور دِلِ اطہر کو دھویا گیا وغیرہ۔ خداوند کریم جسم و جسمانیات اور مخلوق کی تشبیہ سے بُلند و بالا ہے اور حضور ﷺ ہر عیب و کثافت سے طاہر و مطہر پیدا ہوئے نیز دِل کی کثافتوں کو پانی کے ساتھ دھونا غیر معقول بات ہے۔ (تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ج ۸ ص ۲۵۷)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی حَبِیْبِكَ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ ○

براق

براق، گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، اُس کا چہرہ انسان نما، دُم بیل جیسی، گردن کے بال گھوڑے کی طرح اور پاؤں اُونٹ کی مانند تھے۔ وہ جنّت کی زین سے مزیّن تھا، دونوں پُٹھوں کے اُوپر دو پَر تھے اور اُس کے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ حدِ نگاہ تک تھا۔ (تفسیر مجمع البیان)

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند کریم نے براق کو میرے لیے مسخر فرمایا، وہ جنّت کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے، نہ بہت لمبا اور نہ بہت چھوٹا، اگر خدا اُس کو اِذن دے تو وہ ایک ہی دوڑ میں دُنیا و آخرت کا احاطہ کرے۔ براق جنّت کے تمام حیوانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ (تفسیر برہان)

بروایتِ روضۃ الواعظین، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ اُس کا چہرہ انسان نما، رخسار گھوڑے جیسے، گردن کے بال موتیوں کی لڑیوں کی طرح، کان سبز زبرجد جیسے، آنکھیں چمکدار تاروں کی مانند، مضبوط جسم اور ہاتھ پاؤں دراز، آدمیوں کی طرح سانس لیتا ہے، بات سنتا اور سمجھتا ہے، گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ہے (یعنی اُس کا قد و قامت درمیانہ، مناسب اور موزوں ہے)۔ (تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ج ۸ ص ۲۵۷)

واقعہء معراج پر اہلِ مکّہ کا ردِّعمل

تفسیر برہان میں بروایتِ قمی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکّہ میں محوِخواب تھا۔ علی دائیں طرف، جعفر طیار بائیں جانب اور حمزہ میرے سامنے موجود تھے۔ میں نے فرشتوں کے پروں کی آواز سُنی۔ ایک نے پوچھا کہ اے جبرائیل! تجھے کس کے پاس جانا ہے؟ جبرائیل نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اِن کے پاس اور یہی تمام بنی آدم کے سردار ہیں، اِن کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن کان سنتے ہیں اور دِل بیدار رہتا ہے اور یہ (علی علیہ السلام) اِن کے وصی، وزیر، داماد اور خلیفہ ہیں اور وہ اِن کے چچا حمزہ ہیں اور وہ اِن کے چچازاد بھائی جعفر طیار ہیں جن کو دو تر و تازہ پر عطا ہوں گے اور وہ ملائکہ کے ساتھ جنّت میں پرواز کریں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک بادشاہ ہے جس نے گھر بنوایا، دسترخوان لگایا اور دعوت کے لیے قاصد بھیجا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وہ بادشاہ اللہ ہے، دُنیا گھر ہے، جنّت دسترخوان ہے اور دعوت کے لیے بھیجا گیا قاصد میں ہوں۔

پس جبرائیل علیہ السلام نے بڑھ کر براق حاضر کیا، بیتُ المقدس تک سیر کرائی اور انبیاء کرام کے محراب اور نشانیاں دکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی اور راتوں رات واپس بھی پہنچے، واپسی پر قریش کے ایک قافلے کے پاس سے گذر ہوا، اُس وقت قافلے والے ایک گمشدہ اُونٹ کو تلاش کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے برتن سے کچھ پانی پیا اور باقی (مصلحتاً) گرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس پہنچے اور صبح ہوتے ہی قریش کو اپنے سفرِ معراج کا واقعہ سنایا۔ ابوجہل نے لوگوں سے کہا کہ اب موقع ہے اس (واقعہ) سے متعلق سوال کرو۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ ایسے پیچیدہ سوالات کیے جائیں جن کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ دے سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹا ثابت کیا جائے

(نعوذ باللہ)۔ پس اُنہوں نے کہا کہ اے مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم میں سے بعض لوگ بیت المقدس دیکھ چکے ہیں، ذرا بتایئے اُس کے محراب کتنے ہیں؟ ستونوں کی تعداد کیا ہے اور وہاں قندیلیں کتنی آویزاں ہیں؟ اِدھر یہ سوال کیا گیا اور اُدھر جبرائیل علیہ السلام نے چشمِ زدن میں بیت المقدس کا نقشہ اور بروایتے ماڈل، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا جو دوسروں کو دکھائی نہیں دیتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سب کو جواب بالصواب دے دیا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو راستے میں مِلنے والے قافلہ کی روداد سنائی تو کہنے لگے کہ جب وہ قافلہ آئے گا تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قافلہ فلاں تاریخ کو طلوعِ آفتاب کے وقت پہنچے گا اور سب سے آگے سرخ رنگ کا ایک اُونٹ ہوگا۔ پس اُس دن قریش طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی شہر کے باہر جا کھڑے ہُوئے اور قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ اِدھر سورج نے آنکھ کھولی اُدھر قافلہ بھی آپہنچا۔ اُس کے آگے آگے سرخ رنگ کا ایک اُونٹ تھا۔ قریش نے قافلہ والوں سے باز پُرس کی تو اُنہوں نے بتایا کہ واقعی فلاں شب کو ہمارا ایک اُونٹ گم ہُوا تھا اور فلاں مقام پر ہم نے پانی کا برتن رکھا تھا اور صبح کو دیکھا تو اُس میں سے پانی گرایا جا چکا تھا۔ یہ سب کچھ سننے اور یقین کر لینے کے باوجود، ایمان لانے کی بجائے قریش کی سرکشی میں اضافہ ہو گیا۔

روایت ہے کہ معراج پر جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ابوسفیان کے قافلے کے پاس سے ہوا۔ رات تاریک تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال سے لدے ہوئے اُونٹوں کے قریب سے گزرے تو براق کی صرصراحٹ (صرصر، تیز ہوا یا آندھی وغیرہ چلنے کی آواز) سے اُونٹ ڈر گئے اور ایک شخص نے دوسرے کو آواز دے کر بلایا کہ اوفلاں! دیکھ تو سہی اُونٹ ڈر گئے ہیں، فلاں کا بار گر چکا ہے اور فلاں کا اگلا پاؤں ٹوٹ گیا ہے۔ ابوسفیان نے اس خبر کی تصدیق تو کی لیکن اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہا۔ (تفسیر برہان)

تفسیر برہان میں حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے (معراج سے) واپسی پر جبرائیل سے کہا کہ تمہاری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔ اُس نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے اور میری جانب سے خدیجہ کو سلام کہیے گا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پہنچایا تو جناب خدیجہ علیہا السّلام نے کہا:

''اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّلَامُ وَمِنْہُ السَّلَامُ وَاِلَیْہِ السَّلَامُ وَعَلٰی جِبْرَآئِیْلِ السَّلَامُ''

(بیشک اللہ ہی سلامتی ہے اور اُسی سے سلامتی ہے اور اُسی کی طرف سلامتی ہے اور جبرائیل پر سلامتی ہے)

تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اہلِ مکّہ کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا تو مطعم بن عدی نامی ایک شخص کہنے لگا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دو ماہ کا سفر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک گھنٹہ میں طے کر لیا؟ پھر کہنے لگا کہ اپنے سفر کے حالات میں سے کچھ بیان کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے میں ملنے والے ایک قافلہ کا ذکر کیا، قافلے والوں کے اُونٹ کا گم ہونا اور اُن کے پیالہ سے پانی پینا بیان فرمایا۔ اُس نے کہا کہ یہ ایک نشانی ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے قافلہ کا ڈرنا، اُونٹ سے بوجھ کا گرنا اور ایک اُونٹ کی ٹانگ ٹوٹنا بیان فرمایا تو کہنے لگا کہ یہ دوسری نشانی ہے۔ پوچھا کہ وہ اُونٹ کہاں تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مقامِ تنعیم پر اُن کے پاس سے گزرا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُونٹوں کی تعداد تیئس بتائی، اُن پر لدے ہوئے مال کی فہرست سے آگاہ کیا، اُن کے ہمراہ غلاموں کے نام اور حُلیے بیان کیے اور فرمایا کہ طلوعِ شمس کے وقت وہ آن پہنچیں گے، سب سے آگے گھنے بالوں والا اُونٹ ہوگا۔ اُس نے کہا کہ یہ تیسری نشانی ہے۔ پس لوگ تصدیق کے لیے شہر سے باہر پہنچے اور قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ اِدھر ایک نے کہا کہ وہ دیکھو! سورج طلوع ہو رہا ہے تو دوسرا بولا کہ لو! وہ قافلہ بھی آ پہنچا ہے۔ سب مبہوت و حیران رہ گئے۔ سب نشانیوں کی تصدیق ہوگئی لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ (تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ج ۸)

معراج کا سفر نامہ

رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ مکرمہ میں اپنی چچازاد بہن، اور حضرت علی علیہ السلام کی ہمشیرہ جناب اُمِّ ہانی ؓ زوجہ ہبیرہ بن ابووہب مخزومی کے گھر پر آرام فرما رہے تھے جب معراج کا واقعہ پیش آیا۔ بعضوں نے مسجد الحرام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محوِ خواب ہونا بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ حدودِ حرم کے اندر ساری جگہ پر بھی مسجد الحرام کا اطلاق کیا گیا ہے۔

بروایتِ قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تین فرشتے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام) براق کے ساتھ نازل ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں براق کی لگام تھی دوسرے رکاب تھامے ہوئے تھے اور تیسرے براق کی زین کو درست کر رہے تھے۔

بروایتِ عیاشی، جبرائیل علیہ السلام جنّت سے پانی بھی لائے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا۔

''کافی'' میں ہے کہ ذاتِ ربُ العزت نے نُور کی ایک عماری (بیٹھنے کی جگہ، ڈولی، ہودا جو ہاتھی کی سواری کے لیے استعمال ہوتا ہے وغیرہ) کا انتظام فرمایا تھا جو انوارِ عرش میں سے چالیس اقسام کے انوار پر مشتمل تھی۔ اُن انوار کو دیکھنے کی انسان میں تاب وسکت نہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس عماری پر سوار ہو کر آسمان کی جانب روانہ ہوئے تو نُور کی کرنیں آسمانِ اوّل تک پہنچیں۔ پس فرشتے ایک جگہ جمع ہو کر سجدۂ ربانی میں گر گئے اور جبرائیل علیہ السلام نے نعرۂ تکبیر بُلند کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ اوّل پر:

بروایتِ قمی آسمانِ اوّل پر ایک فرشتہ موکّل ہے جس کا نام اسماعیل ہے، اُس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار فرشتوں کا سردار ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی آواز سُن کر اُنہوں نے آسمان کا دروازہ کھولا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شایانِ شان استقبال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

آسمانِ اوّل کی سیر کرائی۔

بروایتِ ابن بابویہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس میں تشریف لائے اور یہاں ستر انبیاء کو نماز پڑھائی پھر جبرائیل علیہ السلام نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کیں اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہے کہ چاہیں تو نبوّت کے ساتھ ساتھ شہنشاہیت بھی لے لیں اور چاہیں تو نبوّت کے ساتھ ساتھ عبدیّت کی زندگی گزاریں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہت کو ٹھکرا کر نبوّت اور عبدیّت کو قبول فرمایا۔

روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ کوفہ میں بھی دو رکعت نماز ادا کی نیز مدینہ طیّبہ اور طورِ سینا پر بھی تشریف لے گئے اور علی الترتیب دو دو رکعت نماز پڑھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی، اُن کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے بچّے تھے جن کی وہ تربیت فرما رہے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ بچّے مومنوں کے ہیں جن کی پرورش حضرت ابراہیم علیہ السلام کرتے ہیں۔ (قمی کی روایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آسمانِ ہفتم پر ہونا مذکور ہے اور اُسی آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات و گفتگو بیان کی گئی ہے) پھر ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمام مرنے والوں کی ارواح کو تُو ہی قبض کرتا ہے؟ اُنہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تُو سب کو دیکھتا ہے؟ عزرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ساری دُنیا میرے قبضہ میں اس طرح ہے جس طرح انسان کے ہاتھ میں ایک سِکّہ ہو تو وہ جس طرح چاہے اُس کو اُلٹ پلٹ کرتا رہے۔ میں دُنیا کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ جھانکتا ہوں اور جب کسی مرنے والے کے غم میں اُس کے گھر والے رو رہے ہوتے ہیں تو میں اُن سے کہتا ہوں کہ مت روؤ، مجھے تمہارے پاس بار بار آنا ہے حتیٰ کہ میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ موت بہت سخت چیز

ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بے شک موت سخت ہے لیکن موت کے بعد کا عالم اس سے بھی سخت تر ہے۔

بروایتِ قمی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانِ اوّل کی سیر کے دوران ایک ڈراؤنی شکل والے فرشتے کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ جہنم کا داروغہ ہے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے اُس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بتایا تو اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایانِ شان فرائضِ استقبال و آداب بجالایا اور جنّت کی بشارت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے حکم دیا کہ جہنم کے مُنہ سے ڈھکنا الگ کرو۔ تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے اُس نے ڈھکنا کھولا تو جہنم کے دیو پیکر شعلے بُلند ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اِسے بند کردو، چنانچہ اُس نے جہنم کا منہ بند کر دیا۔

بروایتِ عیاشی منقول ہے کہ اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ (میرا خیال ہے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُمت کے گناہگاروں کا غم رنجیدہ کرتا ہوگا کہ اُن کی بداعمالیوں کے سبب اُن کا ٹھکانہ وہی جہنم ہوگا۔ مؤلف) اسی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دھماکے کی آواز سنی تو جبرائیل علیہ السلام سے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ اُنہوں نے بتایا کہ آج سے ستّر برس پہلے میں نے جہنم کے کنارے کھڑے ہوکر ایک پتھر اس میں ڈالا تھا اب وہ اس کی تہہ میں پہنچا ہے اور یہ اُسی کی آواز ہے۔ (یعنی جہنم کی گہرائی اتنی زیادہ ہے کہ اُس میں پھینکا گیا پتھر ستّر سال کی مسافت طے کرنے کے بعد اُس کی گہرائی میں پہنچتا ہے اور قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ستّر سال بھی اس جہان کے نہیں بلکہ اُس جہان کے ہوں گے۔ مؤلف)

بروایتِ ابن بابویہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گروہ کو اس حالت میں گرفتارِ عذاب دیکھا کہ جہنم کے زنجیر اُن کی ہنسلیوں میں پڑے ہوئے تھے اور وہ اُن زنجیروں سے لٹک رہے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ اِن لوگوں کو خدا نے حلال (رزق) عطا فرمایا تھا لیکن یہ حلال کو چھوڑ کر حرام کے

پیچھے بھاگتے تھے۔

پھر ایک قوم کو دیکھا جن کی کھالوں کو جہنم کی سلاخوں سے سیا جارہا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق عورتوں کی عصمت دری کرتے تھے۔

پھر دیکھا کہ ایک شخص پر بوجھ لادا جارہا ہے جسے اٹھانے کی اُس میں سقت نہیں تھی، لیکن بجائے بوجھ میں کمی کرنے کے اُس میں مزید اضافہ کیا جارہا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ شخص دُنیا میں قرض اٹھایا کرتا تھا مگر ادا نہیں کرتا تھا، حتیٰ کہ خود اٹھالیا گیا۔

بروایتِ قمی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے آسمان پر دو فرشتے مقرر کیے ہیں جن میں سے ایک ہر وقت با آوازِ بُلند دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو سخی کو زیادہ عطا فرما اور دوسرا ہر وقت یہ بددُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو بخیل کو برباد کر۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت کو ملاحظہ کیا جن کے ہونٹ اُونٹ کے ہونٹوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور اُن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر اُنہیں کے منہ میں ڈالا جارہا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ چغل خور لوگ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گروہ کا مشاہدہ کیا جن کے سروں پر جہنمی ہتھوڑے برسائے جارہے تھے، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سوجاتے تھے۔

پھر کچھ اور لوگوں کو گرفتارِ عذاب دیکھا، اُن کے منہ میں آگ ڈالی جارہی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال کھاجاتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پیٹ بہت بڑے تھے اور وہ آلِ فرعون کی طرح جہنم کی بھٹی میں دھکیلے جارہے تھے، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سُود کھانے والے لوگ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کی ایک جماعت کو یوں عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیر اُن کے

پستانوں سے بندھے ہوئے تھے اور وہ لٹک رہی تھیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ بدکار عورتیں ہیں جو ناجائز بچوں کو اپنے شوہروں کا وارث بنایا کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کا غضب ہے اُس عورت پر جو کسی قوم کے نسب میں ایسے افراد کو داخل کردے جو درحقیقت اُس نسب کے نہ ہوں (یعنی حرام اولاد پیدا کرے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فرشتے کو دیکھا جس کا آدھا جسم آگ کا اور آدھا برف کا تھا۔ برف آگ پر غالب تھی نہ آگ برف پر اور وہ پروردگار کی تسبیح میں مصروف تھا۔ پھر کافی تعداد میں ایسے ملائکہ دیکھے جن کی خلقت عجیب وغریب تھی۔ اُن کے جسم کے ہر حصّے سے الگ الگ لب ولہجہ میں تسبیح وتقدیسِ پروردگار کی صدائیں بُلند تھیں اور خوفِ خدا سے وہ سب گریہ کناں تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے بیان کیا کہ ان کی پیدائش اسی طرح کی گئی ہے اور جب سے یہ پیدا ہوئے ہیں ان میں سے کسی نے بھی اپنے ساتھی فرشتے کو نظر اٹھا کر دیکھا نہ اُس سے بات کی، یہ اُوپر کو دیکھتے ہیں نہ نظر جھکا کر نیچے کی طرف دیکھتے ہیں، اِن کے خشوع وخضوع کا ہمیشہ یہی عالم رہتا ہے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے اشاروں میں سلام کا جواب دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب جبرائیل نے اُن سے میرا تعارف کرایا تو اُنہوں نے تعظیم وتکریم کا فریضہ ادا کیا اور پھر حسبِ معمول عبادت میں مشغول ہوگئے۔

بروایتِ کافی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آسمانِ اوّل کے تمام فرشتے آداب بجالائے تو احوال پُرسی کرتے ہوئے عرض کی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بھائی (علی علیہ السلام) کا کیا حال ہے؟ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واپس تشریف لے جائیں تو (برائے مہربانی) اُن کو ہمارا سلام کہیے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پروردگارِ عالم نے مجھ پر چالیس اقسام کے انوار کا اضافہ کیا جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ دوّم پر:

پھر دوسرے آسمان کی طرف روانگی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُن (چالیس اقسام کے) انوار کی شعاعیں جب اُس (دوسرے) آسمان پر پڑیں تو فرشتوں میں تحیّر اور اضطراب کی لہر پیدا ہوئی پس وہ سب سجدۂ پروردگار میں جُھک گئے اور اُس کی تسبیح و تقدیس بجالائے۔ جبرائیل نے میرا تعارف کرایا تو وہ سب آداب و سلام بجا لائے اور عرض کی کہ زمین پر پلٹ کر علی (علیہ السلام) کو ہمارا سلام کہیے گا۔

بروایتِ قمی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور بے شمار ملائکہ کو الگ الگ انداز میں، جُدا جُدا زبانوں کے ساتھ محوِ تسبیح و تقدیس دیکھا۔ چالیس اقسام کے انوار کا اور اضافہ ہُوا جن میں سے ہر ایک کی نوعیت و شکل دوسرے سے الگ تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ سوّم پر:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیسرے آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ نور کی خیرہ کن شعاعوں کی تاب نہ لا کر فرشتے بحرِ تحیّر میں غوطہ زن ہو کر سجدہ ریز ہوئے اور تسبیح و تقدیسِ پروردگار بجالائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کرایا تو سب ملائکہ تعظیم کے لیے جُھکے، سلام عرض کیا اور احوال پُرسی کرتے ہوئے عرض گذار ہوئے کہ علی کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ زمین پر ہیں۔ اِس آسمان پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی اور اَن گنت فرشتوں کو جُداگانہ انداز میں محوِ عبادت دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ چہارم پر:

بروایتِ کافی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھر چالیس انواع کے انوار کا اضافہ ہُوا جو پہلے انوار سے مختلف تھے

اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانِ چہارم پر پہنچے۔حسبِ سابق ملائکہ نے رسمی کلام کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں پوچھا۔ پھر حکمِ الٰہی ہُوا کہ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! سر بُلند کرو۔ پس تمام حجابات دُور ہُوئے اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمِ بالا کے تمام ممکنات کو ملاحظہ فرمایا۔تب ارشاد ہُوا کہ حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! نیچے دیکھو۔پس پردے ہٹے اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین تک ہر شے کا نظارہ فرمایا،زیرِعرش چشمہءصاد سے وضوکیااوردورکعت نمازادافرمائی۔

بروایتِ قمی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانِ چہارم پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی۔ایک روایت میں چرخِ چہارم پرحضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہونا بھی مِلتا ہے نیز بیتُ المعمور کا بھی اسی آسمان پر ہونا بیان کیا گیاہے اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انبیاءکرام کونماز پڑھانے اورسوال و جواب کرنے کا تذکرہ بھی ہے۔

تفسیرِ برہان میں سورۃ یونس کی تفسیر میں بروایتِ عیاشی،امام جعفرصادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پرتشریف لے گئے تو مناجاتِ پروردگار سے فارغ ہوکربیتُ المعمور پر پہنچے جو چوتھے آسمان پرواقع ہے، وہاں پروردگار نے تمام انبیاء ومُرسلین اور ملائکہ و مقربین کوجمع فرمایا، جبرائیل علیہ السلام نے اذان واقامت کہی اورحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

بروایتِ ابنِ شہرآشوب،حضرت امام مُحمّد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کی رات جب میں چرخِ چہارم پر پہنچا تو جبرائیل (علیہ السلام) نے اذان واقامت کہی،تمام نبیوں،صدیقوں،شہیدوں اورفرشتوں کوجمع کیا گیااورمیں نے اُن کونماز پڑھائی۔

تفسیرِ ثعلبی اورخطیب کی اربعین سے بروایتِ ابن مسعود،حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ شبِ معراج جب میں جبرائیل (علیہ السلام) کے ہمراہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے سُرخ یاقوت کا ایک مکان دیکھا۔جبرائیل (علیہ السلام) نے بتایا کہ یہ بیتُ المعمور ہے جس کوآسمان وزمین

کی خلقت سے پچاس ہزار برس پہلے خالقِ کائنات نے پیدا کیا۔ پس مجھے حکمِ پروردگار ہُوا کہ نماز پڑھاؤ چنانچہ میں نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی، سلام کے بعد ایک فرشتے نے پروردگار کی طرف سے سلام پہنچایا اور پیغام دیا کہ اِن (انبیاء کرام) سے دریافت کرو کہ اِن کی بِعثت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پہلے کس لیے ہوئی؟ پس میں نے اُن سے پوچھا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نبوّت اور علی (علیہ السلام) کی ولایت پر مبعوث ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسمانِ پنجم پر:

قمی کی روایت کے مطابق، چوتھے آسمان کی سیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پانچویں آسمان پر پہنچے جہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں فرشتوں کو دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسمانِ ششم پر:

چھٹے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور لاتعداد ملائکہ کو ملاحظہ فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسمانِ ہفتم پر:

اس کے بعد ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے مِلے، بروایتے بیتُ المعمور اِسی آسمان پر ہے جو فرشتوں کے لیے مقامِ حج ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے آسمانِ ہفتم پر نُور کے ایسے سمندر دیکھے جن کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی، ظلمات کے سمندر بھی دیکھے اور برف کے بھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا بے شک اللہ کی یہ مخلوق عظیم ہے لیکن وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابھی تک ملاحظہ نہیں فرمائی اِس سے بھی عظیم ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خوشنود ہو کر پروردگار کا شُکر ادا فرمائیں کہ جب مخلوق اِس قدر عظیم ہے تو خالق کتنا عظیم ہوگا۔ خالق و مخلوق کے درمیان نوّے ہزار حجابات ہیں، اللہ کی طرف سب سے قریب میرا اور

اسرافیل (علیہ السلام) کا مقام ہے لیکن ہمارے آگے بھی چار حجابات ہیں، حجابِ نور، حجابِ ظلمت، حجابِ غمام اور حجابِ ماء۔

پس آسمان کے عجائبات کا نظارہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المعمور میں نماز ادا کی، چشمۂ کوثر سے پانی پیا اور چشمۂ رحمت میں غسل فرمایا پھر جنّت کی سیر کی، وہاں کے پرندوں کا مشاہدہ فرمایا، انار دیکھے جو حجم میں بہت بڑے تھے، پھر ایک درخت ملاحظہ فرمایا جس کا تنا اتنا بڑا تھا کہ تیز پرواز پرندہ اس کے اردگرد سات سو برس پرواز کرتا رہے تو بھی اُس کا ایک چکر پورا نہ کر سکے۔ جنّت کے ہر مکان میں اُس کی شاخیں موجود تھیں، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ شجرۂ طوبیٰ ہے۔

(تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ج ۸ ص ۲۵۹)

شجرۂ طوبیٰ

شجرۂ طوبیٰ کا ذکر سورۃ رعد کی آیت ۲۹ میں یوں ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ○

(وہ لوگ جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں تو اُن کے لیے طوبیٰ ہے اور اچھا انجام)

طوبیٰ کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں اور سب کا مآل یہ ہے کہ یہ مومنین وصالحین کے لیے جنّت کا ایک انعام ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب دو مومن آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو اُن کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑتے ہیں، جب وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں تو فرشتے اُن کو خیر کی دُعا دیتے ہیں اور جب وہ ایک دوسرے سے گلے مِلتے ہیں تو اُن کو منادی ندا دیتا ہے کہ تمہارے لیے طوبیٰ ہے اور جب وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں تو دو فرشتے اُن کو بشارت

دیتے ہیں کہ اے اللہ کے دوستو! تمہارے لیے جنّت ہے۔

بروایتِ کافی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ دِین والوں کی کئی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں، اور وہ علامتیں ہیں، سچ بولنا، امانت کا ادا کرنا، عہد کو وفا کرنا، صلہ رحمی کرنا، کمزوروں پر رحم کرنا، عورتوں کی بات کم ماننا، لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا، خوش خلقی سے پیش آنا، حلم و حوصلہ سے کام لینا، علم کی اتباع کرنا اور ہر وہ کام کرنا جو اللہ کے قرب کا باعث ہو پس اِن دیندار لوگوں کے لیے طوبیٰ ہوگا۔

طوبیٰ جنّت کا ایک درخت ہے اور اس کی اصل (جڑ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہے۔ ہر مومن کے گھر میں اس کی شاخ ہے اور مومن جس چیز کی خواہش کرے گا وہ اُس شاخ پر پیدا ہو جائے گی۔ طوبیٰ کا حجم اتنا ہے کہ اگر تیز رفتار سوار اُس کے سائے میں ایک سو سال تک دوڑے تو بھی اُسے پار نہ کر سکے اور اگر کوئی بُلند پرواز طائر اُس کے نیچے سے اُوپر کی طرف پرواز کرے تو اُس کی بُلندی تک عمر بھر نہ پہنچ سکے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ طوبیٰ اُس شخص کے لیے ہے جس نے ہمارے غائب (امام مہدی علیہ السلام) کے زمانہ میں ہماری ولاء سے تمسُّک پکڑا اور اُس پر ثابت قدم رہا۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص تین مومنوں کو کھانا کھلائے گا خداوند کریم اُس کو تین جنّتوں سے کھانا کھلائے گا، ایک فردوس سے، دوسرے جنّتِ عدن سے اور تیسرے طوبیٰ سے۔

مروی ہے کہ اِس درخت کا پھل جہاں سے توڑا جائے گا اُس کی جگہ فوراً دوسرا پھل اُگ آئے گا اور وہ جگہ خالی نہ رہے گی۔

روایاتِ اہلبیت علیہم السلام میں ہے کہ طُوبیٰ جنّت کا ایک درخت ہے جس کی اصل امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں ہے۔

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طوبیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اِس کی اصل میرے گھر میں اور شاخیں جنّتیوں کے گھروں میں ہوں گی۔ پھر جب دوبارہ سوال کیا گیا تو فرمایا کہ اِس کی اصل علی (علیہ السلام) کے گھر میں اور شاخیں مومنوں کے گھروں میں ہوں گی۔ کسی نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ (تضادِ بیان) کیوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تعجب نہ کرو کیونکہ جنّت میں میرا اور علی (علیہ السلام) کا گھر ایک ہی جگہ ہوگا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ معراج جب میں جنّت میں داخل ہُوا تو جبرائیل مجھے طوبیٰ کے پاس لے گیا اور اُس کا پھل کھلایا جو میری پشت میں جوہرِ تخلیق بنا۔ پس زمین پر پہنچ کر میں نے خدیجہ (علیہا السلام) سے ملاقات کی تو وہ جو ہر اُن کے بطن میں منتقل ہُوا اور فاطمہ (علیہا السلام) کی ولادت ہوئی لہٰذا جب میں فاطمہ (علیہا السلام) کو پیار کرتا ہوں تو (اُن کے جسمِ اطہر سے) شجرِ طوبیٰ کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔

تفسیر برہان میں بروایتِ موفق بن احمد بلال، منقول ہے کہ ایک روز حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چودھویں کے چاند کی طرح مُنوّر تھا۔ پس عبدالرحمٰن بن عوف نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے چچازاد بھائی علی (علیہ السلام) سے متعلق خوشخبری دی ہے کہ اُس نے علی (علیہ السلام) کی شادی میرے جگر کے ٹکڑے فاطمہ (علیہا السلام) کے ساتھ کردی ہے اور (اس موقع پر) رضوانِ جنّت نے بحکمِ پروردگار، طوبیٰ کو ہلایا تو اُس پر اتنے رقعے پیدا ہوئے جتنے تا قیامت میری اہلبیت (علیہم السلام) کے چاہنے والے ہوں گے اور خداوندِ کریم نے طوبیٰ کے نیچے نورانی فرشتے پیدا کیے ہیں جن کو ایک ایک رقعہ سپرد کیا۔ جب قیامت کے روز تمام انسان محشور ہوں گے تو وہ فرشتے ہر محبِ اہلِ بیت (علیہم السلام) کو ایک ایک رقعہ دیں گے جو جہنم سے برأت نامہ اور جنّت کا پروانہ (ٹکٹ) ہوگا۔ پس

میرے بھائی علی (علیہ السلام) اور میری جگر گوشہ فاطمہ (علیہا السلام) کے طفیل میری اُمت کے بہت سے لوگ جہنم سے نجات پائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانِ ہفتم پر میں نے شجرۂ طوبیٰ کو ملاحظہ کیا پھر جبرائیل سے نُور کے سمندروں کی بابت دریافت کیا تو اُنہوں نے بتایا کہ وہ سرِ اوقاتِ عرش ہیں، اگر درمیان میں یہ حائل نہ ہوتے تو عرش کا نور باقی مخلوق کو ختم کر دیتا۔ پس میں سدرۃُ المنتہیٰ پر پہنچا جس کا ایک ایک پتّا ایک بڑی جماعت کو سایہ دے سکتا تھا۔

(تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف / حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش ج ۸ ص ۱۳۳)

سِدرَۃُ المنتہیٰ

حضرت امام مُحمّد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سِدرَۃُ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اہلِ زمین کے بندوں کے اعمال کو لے کر نگہبان فرشتے مقامِ سِدرہ تک پرواز کرتے ہیں (یعنی یہ آخری حد ہے) اور سِدرہ کے نیچے کچھ بزرگ اور نگہبان فرشتے ان اعمال کو تحریر کرتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ سِدرہ تک پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام رُک گئے اور عرض کیا کہ یا مُحمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری پرواز یہیں تک ہے، میں آگے نہیں جا سکتا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے سِدرہ ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہاں سے آگے خود تشریف لے جائیے''۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے گئے اور جبرائیل علیہ السلام کو پیچھے چھوڑ دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ سِدرہ کی شاخیں عرش کے نیچے اطراف میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نُور نے تجلّی کی اور جب وہ نُور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دِل کو توانائی بخشی اور نگاہ کو قوت دی تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رَب کی نشانیاں دیکھیں، پس سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ رَءَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ○ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ○ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ○ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ○ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ ءَايَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ○

(اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بار اور بھی۔ اُترتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ جہاں جنّت الماویٰ (آرام سے رہنے کا بہشت) ہے۔ جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا (وہ نور) جو چھا رہا تھا۔ نہ آنکھ چندھیائی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ سورۃ النجم آیت ۱۳ تا ۱۷)

حضرت امام محمّد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ سدرۃ المنتہیٰ کا پھیلاؤ دُنیا کے سالوں کے اعتبار سے ایک سو سال کی مسافت کے برابر ہے اور اس کا ایک پتّا ساری دُنیا کے لوگوں کو ڈھانپ سکتا ہے۔

(علل الشرایع، شیخ الصدوق/ص ۲۱۱)

شبِ معراج نمازوں میں تخفیف کی درخواست

محمد بن عصام ؓ نے بیان کیا کہ مجھ سے کہا محمد بن یعقوب نے، اُن کا بیان ہے کہ مجھ سے علی بن محمد بن سلیمان نے روایت کرتے ہوئے اسماعیل بن ابراہیم سے، اُنہوں نے جعفر بن محمد تمیمی سے، انہوں نے حسین بن علوان سے، اُنہوں نے عمرو بن خالد سے اور اُنہوں نے زید بن علی علیہ السلام سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے پدرِ بزرگوار سیّد العابدین علیہ السلام سے عرض کیا، بابا یہ بتائیں کہ جب ہمارے جَد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان کی طرف تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں پچاس نمازوں کا حکم دیا تو اُنہوں نے اس میں تخفیف کی درخواست نہیں کی جب تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن میں تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ نے فرمایا کہ

اے فرزند! رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے جو بھی حکم ملتا آپ ﷺ اُس پر کوئی عذر اور استفسار نہیں فرماتے تھے، مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی اُمت کی شفاعت و سفارش فرما رہے ہیں اور آپ ﷺ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اپنے برادر موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت کو رَد کر دیں، اس لیے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف دوبارہ رجوع فرمایا۔ تخفیف کی درخواست کی اور پچاس کے بدلے پانچ نمازیں کرا لیں۔ زید بن علی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ بابا! پھر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنی اُمت کے لیے پانچ نمازوں میں سے کچھ اور تخفیف کیوں نہ کرا لی؟ فرمایا کہ اے فرزند! آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ اُمت کے لیے تخفیف کے ساتھ ساتھ پچاس نمازوں کا ثواب بھی حاصل ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی خدا کے حضور نیکی لے کر آئے گا اُسے ویسی دس نیکیاں ملیں گی (مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا سورۃ انعام آیت نمبر ۱۶۰) جب آنحضرت ﷺ معراج سے واپس آئے تو جبرائیل امین (علیہ السلام) نازل ہوئے اور کہا، ''یا مُحَمَّد (ﷺ)! آپ (ﷺ) کا رَب آپ (ﷺ) کو سلام کہتا ہے اور یہ بھی فرماتا ہے کہ اِن پانچ (نمازوں) کو ہم پچاس ہی شمار کریں گے پس ہم نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا، ہمارا قول بدلا نہیں کرتا اور ہم اپنے بندوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتے۔

(علل الشرایع، شیخ الصدوق/ص ۱۰۰)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
بِعَدَدِ كُلِّ دَآءٍ وَّدَوَآءٍ وَّبِعَدَدِ كُلِّ عِلَّةٍ وَّشِفَآءٍ ○

مقصدِ معراج

معراج النبی ﷺ کے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں کچھ عمومی اور بعض خصوصی لیکن مستند روایات کے تناظر میں پائے جانے والے خصوصی مقاصد ہمارے نقطہ نظر سے مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:

۱۔ معراج کے بارے میں عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو آسمانوں کی سیر کے لیے معراج پر بلایا۔ یہ خیال کچھ نامناسب سا معلوم ہوتا ہے جس کی مثال یہ ہے کہ ہمارا کوئی دوست ہمیں سیر کی دعوت دے اور پھر ہمیں ہمارے ہی علاقے اور گھر میں گھما پھرا کر اور مختلف اشیاء دکھا کر کہے کہ لو سیر ہو گئی تو کیا ہم اسے سیر کہیں گے؟ ظاہر ہے کہ اسے سیر تو نہیں کہا جا سکتا۔ پس متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں (جن کا تفصیلی ذکر ابتدائی ابواب میں ہو چکا ہے) کہ ہفت آسمان و سدرۃ المنتہیٰ و طوبیٰ و جنّت معلیٰ وغیرہ سب حضور ﷺ کے سامنے بنائے گئے، آپ ﷺ کی خاطر بنائے گئے اور آپ ﷺ کے نور نے انسانی جسم میں ظہور فرما ہونے سے پہلے وہیں قیام فرمایا۔ چنانچہ وہ مقامات آپ ﷺ کے علاقہ اور گھر ہی کی مثل ہیں لہٰذا آپ ﷺ کو اپنے علاقے اور گھر کی سیر کرانے کا فلسفہ عجیب سا لگتا ہے۔ پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ معراج کا شرف کیونکہ کسی اور انسان کو حاصل نہیں ہُوا اور نہ ہی ہو سکتا ہے تو اللہ ربُ العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو اُس مقام ارفع پر بُلا کر آپ ﷺ کے خاص مقام و مرتبہ کو اپنی مخلوق پر ظاہر فرمایا۔

۲۔ اللہ رب ذوالجلال نے اپنے حبیب ﷺ سے محض ملاقات کرنے کے لیے اُن (ﷺ) کو آسمانوں پر نہیں بُلایا کیونکہ وہ خود ہر جگہ موجود ہے حتیٰ کہ رگِ جاں سے بھی قریب تر ہے۔ اس لیے اُسے ملاقات کے لیے اپنے حبیب ﷺ کو افلاک پر بُلانے کی ضرورت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی وجہ یہ رہی ہو گی کہ وہ اپنے مقرب فرشتوں کو اپنا محبوب ﷺ دِکھانا چاہتا ہو گا یا اُن سے ملانا چاہتا

ہوگا جیسا کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک روایت سے ظاہر ہے۔ بروایتِ ابن بابویہ، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے معراج کا مقصد دریافت کیا گیا کہ خدا نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمان پر کیوں بلایا؟ پھر وہاں سے سدرۃُ المنتہیٰ تک اور وہاں سے حجاب ہائے نُور تک؟ اور وہاں کیا کیا باتیں ہوئیں؟ حالانکہ وہ کسی مکان کا پابند نہیں ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ واقعی خدا کسی مکان وزماں کا پابند نہیں لیکن اُس نے اپنے فرشتوں کو شرف بخشنے کے لیے اور آسمانی مخلوق کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے فیضیاب کرنے کے لیے ایسا کیا۔ نیز اپنی عظمت کے عجائبات ظاہر کرنے کے لیے تاکہ زمین پر پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو سمجھائیں۔

۳۔ تیسرا مقصد بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مندرجہ بالا روایت سے ظاہر ہے کہ خالق دو جہاں نے اپنی عظمت کے عجائبات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لیے دِکھائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر پہنچ کر لوگوں کو اُن کے بارے میں بتائیں۔

۴۔ معراج کا ایک مقصد حضرت علی علیہ السلام اور خاتونِ جنّت فاطمہ علیہا السلام کی مناکحت بھی تھا۔ (شجرۂ طوبیٰ کے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طوبیٰ کا پھل کھلایا گیا جو سیّدۃ النساء حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ولادت کا ذریعہ بنا۔ اِس شق میں مقصدِ معراج خاتونِ جنت علیہا السلام کی مناکحت بیان کیا گیا ہے جو بظاہر ایک تضاد معلوم ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ معراج ایک بار نہیں متعدد بار ہوا (مدارج النبوۃ ص ۲۰۹)، اس لئے ہوسکتا ہے کہ مختلف مواقع پر اس کے مقاصد بھی مختلف رہے ہوں۔ مؤلف)۔ احادیثِ مبارکہ اور مختلف فریقینِ اسلام کی روایات میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور خاتونِ جنّت علیہا السلام کی شادی جنّت میں قرار پائی۔

شیخ صدوقؒ متعدد اسناد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا... کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک کھل

اُٹھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک کی چمک مجھے نظر آئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''علی! تمہیں مبارک ہو،تمہاری شادی کے لیے اللہ نے میری کفایت فرمائی''۔میں نے عرض کیا،''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!وہ کیسے؟'' فرمایا،'' میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) آئے تھے،اُن کے پاس جنّت کا ایک خوشہ اور لونگ تھا،انہوں نے دونوں چیزیں مجھے دیں،میں نے انہیں لے کر سونگھا اور پوچھا،''جبرائیل! یہ خوشہ اور لونگ کیسا ہے؟'' اُنہوں نے کہا،''اللہ تعالیٰ نے بہشت کے ملائکہ اور ساکنینِ جنّت کو حکم دیا کہ وہ جنّت کی نہروں، پھلوں، اشجار اور محلات کو مزیّن کریں اور ہوا کو حکم دیا کہ وہ عطر و خوشبو کی لپٹیں نثار کرے اور حورُالعین کو حکم دیا کہ وہ سورۃ طٰہٰ،طٰسٓ (سورۃ نمل) اور حٰمٓ عٓسٓقٓ (سورۃ شوریٰ) کی تلاوت کریں۔پھر اللہ تعالیٰ نے ایک منادی کو حکم دیا جس نے اذنِ خدا سے یہ منادی کی کہ اے میرے ملائکہ اور میری جنّت میں رہائش پذیر مخلوق! گواہ رہو کہ میں نے فاطمہ (علیہا السلام) بنتِ مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تزویج علی بن ابی طالب (علیہ السلام) سے کر دی ہے اور یہ تزویج ان دونوں کی اور میری رضامندی سے ہوئی ہے''۔بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے جنّت کے ایک فرشتے کو جس کا نام ''راحیل'' ہے اور جو تمام ملائکہ میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے،خطبہء نکاح پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔اُس نے حکمِ الٰہی سے ایسا فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جیسا آج تک زمین و آسمان میں نہیں پڑھا گیا۔تب منادی نے حق تعالیٰ کی طرف سے ندا دی،''اے میرے ملائکہ اور میری جنّت کے باسیو!تم علی بن ابی طالب (علیہ السلام) اور میرے حبیب مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور فاطمہ بنت مُحمّدؐ (علیہا السلام) پر برکت بھیجو،اور میں بھی اُن پر برکت بھیجتا ہوں''۔(عیون اخبار الرضا جلد اوّل)

صاحبِ کتاب مجمع النورین،شیخ ابوالحسن نجفی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے کہ معراج کا مقصد دو باتیں تھیں،ایک خلافتِ علی علیہ السلام اور دوسری علی و بتول علیہما السلام کی شادی اور کہا ہے کہ احادیثِ مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

۵۔معراج کا ایک مقصد ولایتِ علی علیہ السلام اور ولایتِ آئمہء اہلبیت علیہم السلام تھا۔ شیخ ابوالحسن نجفی صاحب کی مندرجہ بالا روایت اور متعدد دیگر روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ پروردگارِ عالم نے ایک اہم ترین فریضہ یعنی ولایتِ علی علیہ السلام کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلقین فرمائی۔تفسیر برہان میں بروایتِ صفّار امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سو بیس مرتبہ معراج نصیب ہوئی اور ہر دفعہ دوسرے فرائض سے بڑھ کر خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ولایتِ علی علیہ السلام اور ولایتِ آئمہء اہلِ بیت علیہم السلام کی تلقین فرمائی۔عیاشی سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے اور معراج کے سفرنامے میں ملائکہ کے سوال وجواب میں بھی اِس اَمر کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

مزید برآں بروایتِ ابنِ بابویہ، ابنِ عباس سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا اور پھر وہاں سے سدرۃُ المنتہیٰ پر اور وہاں سے حجاب ہائے نُور کی طرف بڑھا تو خدا کی جانب سے ندا پہنچی کہ میں تیرا پروردگار ہوں پس میرے لیے خشوع کر، صرف میری عبادت کر، مجھ پر توّکل رکھ اور میری ہی ذات پر اعتماد کر۔ میں تیری عبدیّت، محبت، رسالت، نبوّت اور تیرے بھائی کی خلافت میں راضی ہوں، وہ میرے بندوں پر میری حجت اور میری مخلوق کا امام ہے۔اُسی کے ذریعے سے میرے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان ہوگی اور اُسی کی بدولت شیطان کے لشکر اور میرے لشکر میں تمیز ہوگی۔اُسی کے ذریعے سے میرا دِین قائم، حدیں محفوظ اور احکام جاری ہوں گے۔ تیری اور اُس کی نسل کے آئمہ کی برکت سے میری مخلوق پر میرا رحم وکرم ہوگا، تمہارا ''قائم'' (امامِ زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام) میری زمین کو میری تسبیح وتہلیل، تقدیس و تحمید اور تکبیر سے آباد کرے گا۔ میں اُس کے ذریعے سے اپنی زمین کو دشمنوں سے پاک کروں گا

اور اپنے دوستوں کو اُس کا وارث بناؤں گا اور اُس کی بدولت کفر کا کلمہ پست اور حق کا کلمہ بُلند کروں گا۔ اُس کے وسیلہ سے میں اپنے بندوں اور شہروں کو زندہ کروں گا۔ اُس کے لیے میں زمین کے خزانوں اور ذخیروں کو ظاہر کروں گا اور اُس کو اپنے ارادہ سے خفیہ اسرار کی خبر دوں گا اور اپنے دِین کی سربُلندی کے لیے ملائکہ سے اُس کی تائید کروں گا۔ وہ میرا برحق ولی ہے اور سچ مچ میرے بندوں کے لیے میرا مہدی ہے۔

''تفسیر برہان'' میں ''کافی'' سے منقول ہے کہ ابوبصیر سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشادِ الٰہی ہُوا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد اُمت کا والی کون ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی کہ یا اللہ! تُو ہی جانتا ہے۔ ارشادِ ربُّ العزت ہُوا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد) علی ابن ابی طالب ہی ہے جو مومنوں کا امیر، مسلمانوں کا سردار اور نورانیوں کا قائد و رہبر ہے۔ پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابوبصیر! خدا کی قسم علی علیہ السلام کی ولایت زمینی نہیں ہے، یہ آسمان سے اُتری ہے۔

''تفسیر صافی'' میں ''کشف الغمہ'' سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ خدا نے شبِ معراج آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کس لہجہ میں گفتگو فرمائی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ علی (علیہ السلام) کے لہجہ میں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ معراج پر جب خداوند متعال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اے پروردگار! میرے ساتھ تُو ہم کلام ہے یا علی؟ تو ارشاد ہُوا کہ اے احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں وہ ہوں کہ میری مثل کوئی شے نہیں، نہ مجھے کسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ چیزوں سے میری صفت ہی کی جاسکتی ہے، میں نے تجھے اپنے نُور سے پیدا کیا اور علی کو تیرے نُور سے پیدا کیا، میں تیرے دِل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں، مجھے علم ہے کہ تیرے دِل میں علی ابن ابی طالب سے زیادہ کسی کی محبت نہیں ہے پس میں نے اُسی لہجہ

میں تجھ سے گفتگو کی ہے تا کہ تیرا دِل مطمئن رہے۔

اِسی معانی کی حدیث ''ینابیع المودّۃ'' میں بھی منقول ہے۔تفسیر برہان میں حضرت ابو بریدہ سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تجھے خدا نے سات مقامات پر میرے ساتھ حاضر کیا ہے۔

پہلا مقام: شبِ معراج جب میں آسمان پر پہنچا تو جبرائیل نے مجھ سے پوچھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ آیا ہوں، اُس نے کہا کہ اللہ سے دُعا مانگیں کہ وہ اُس کو یہاں حاضر کردے۔ چنانچہ میں نے دُعا مانگی پس اچانک تیری مثال میرے ساتھ موجود تھی۔

دوسرا مقام: جب میں دوبارہ معراج پر گیا تو جبرائیل نے پوچھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بھائی کہاں ہے تو میں نے جواب دیا کہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ اُس نے کہا کہ اللہ سے دُعا مانگیں کہ وہ اُس کو لے آئے چنانچہ میں نے دُعا مانگی تو تیری مثال میرے ہمراہ تھی۔ پس آسمانوں کے پردے اُٹھا دیئے گئے تو میں نے اُس کی ساکن آبادیوں کا اور ہر فرشتہ کی قیام گاہ کا مشاہدہ کیا۔

تیسرا مقام: جب میں جِنّات کی قوم کی طرف بھیجا گیا تو جبرائیل نے اِستفسار کیا کہ آپ کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ پس جبرائیل کے کہنے پر میں نے دُعا کی پھر دیکھا تو میرے ہمراہ تُو تھا، پھر اُن کے ساتھ جس قدر گفتگو ہوتی رہی تُو سنتا رہا۔

چوتھا مقام: شبِ قدر میں تُو میرا شریک ہے اور کوئی نہیں۔

پانچواں مقام: نبوّت کے علاوہ ہر بات میں تُو میرا شریک ہے۔

چھٹا مقام: جب میں نے آسمانوں پر نبیوں کو نماز پڑھائی تو تیری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔

ساتواں مقام: احزاب کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں ہوئی۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، شبِ معراج

ہر آسمان پر فرشتے مجھے مبارکباد دیتے رہے اور جبرائیل نے ملائکہ کے ایک جمِ غفیر کے ہمراہ یہ کہا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت علی کی محبت پر جمع ہوجاتی تو خدا دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اے علی! خدا نے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا چنانچہ میں مانوس ہوگیا۔ پس حدیثِ سابق کی طرح مقامات گنوائے، جن میں پانچویں مقام پر یہ بیان فرمایا کہ جب میں اللہ سے مناجات کررہا تھا تو اُس وقت بھی تیری مثال میرے ساتھ تھی اور میں نے تیرے لیے کچھ چیزیں پروردگار سے طلب کیں اور سوائے نبوّت کے اُس نے سب قبول کیں اور فرمایا کہ نبوّت تیرا ہی خاصہ ہے اور تُو اس کا خاتم ہے اور چھٹا مقام یہ ہے کہ جب میں نے بیتُ المعمور کا طواف کیا تو تیری مثال میرے ساتھ تھی۔ ساتواں مقام حسبِ سابق بیان کیا اور اُس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خُدا نے دُنیا کی طرف نظر کی تو مجھے عالمین کے مردوں پر منتخب فرمایا پھر تجھے چُنا پھر فاطمہ (علیہا السلام) کو تمام عالمین کی عورتوں سے برگزیدہ کیا پھر حسن و حسین (علیہما السلام) کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا۔ اے علی! میں نے دیکھا ہے کہ چار مقامات پر تیرا نام میرے نام کے ساتھ مسطور و مذکور ہے اور میں اُسے پڑھ کر مانوس ہُوا ہوں۔ اور وہ مقامات یہ ہیں:

اوّل: شبِ معراج جب میں بیتُ المقدس میں پہنچا تو پتھر پر لکھا ہُوا دیکھا:

''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَیَّدْتُّہٗ بِوَزِیْرِہٖ وَنَصَرْتُّہٗ بِہٖ''

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں

جن کی تائید اُن کے وزیر کے ساتھ کی اور اُس (وزیر) کو اُن کا مددگار بنایا ہے)

میں نے پوچھا کہ اے جبرائیل میرا وزیر کون ہوگا تو وہ کہنے لگا کہ علی ابن ابی طالب (علیہ السلام)۔

دوّم: سِدرۃُ المنتہٰی پر یہی کلمات تحریر ہیں۔ (بحوالہ مجمع النورین مصنفہ شیخ ابوالحسن نجفی)۔

سوّم: جب سدرۃُ المنتہٰی سے چل کر عرش کے قریب پہنچا تو ساقِ عرش پر لکھا ہُوا پایا:

''لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا اللّٰہُ وَحْدِیْ مُحَمَّدٌ حَبِیْبِیْ وَ صَفْوَتِیْ مِنْ خَلْقِیْ اَیَّدْتُہٗ بِوَزِیْرِہٖ وَاَخِیْہِ وَنَصَرْتُہٗ بِہٖ''

(میرے سوا کوئی معبود نہیں میں اللہ اَحد ہوں مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا حبیب اور تمام مخلوق سے برگزیدہ ہے میں نے اِس کی تائید اِس کے وزیر اور بھائی کے ساتھ کی اور میں نے اُس کو اِس کا مددگار بنایا)

چہارم: میں نے جنّت میں شجرۂ طوبیٰ کو دیکھا جس کی اصل علی کے گھر میں ہے اور جنّت کے ہر محل میں اُس کی شاخیں ہیں اور اُس کی اصل سے پانی، دودھ، شراب اور شہد کی چار نہریں جاری ہیں۔

بروایتِ مجالسِ شیخ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تیرے لیے مجھے سات چیزیں عطا ہوئیں:

۱) میں پہلا شخص ہوں جو لحد سے باہر آؤں گا اور تُو میرے ہمراہ ہوگا۔

۲) تُو پہلا شخص ہے جسے میرے ساتھ (جنّت کا) لباس پہنایا جائے گا اور جو میرے ساتھ زندہ ہوگا۔

۳) تُو پہلا شخص ہے جو عرش کے دائیں جانب میرے ساتھ کھڑا ہوگا۔

۲) تُو پہلا شخص ہے جو پُل صراط پر میرے ہمراہ کھڑا ہوگا اور دوزخ سے کہے گا کہ اُس کو لے لے کہ وہ تیرا ہے اور اِس کو چھوڑ دے کہ یہ تیرا نہیں ہے۔ (یعنی دوزخیوں اور جنتیوں کا انتخاب علی علیہ السلام کے حکم سے ہوگا)۔

۵) تُو پہلا شخص ہے جو جنّت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔

۶) تُو پہلا شخص ہے جو جنّت میں جا کر عِلِّیِّیْن (جنّت کے گھر) میں میرے ساتھ سکونت پذیر ہوگا۔

۷) اور تُو پہلا شخص ہے جو رحیق مختوم سے پیے گا جس پر کستوری کی مُہر ہوگی۔

امالی شیخ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں مقامِ قاب قوسین پر پہنچا تو ارشادِ الٰہی ہُوا کہ تُو سب سے زیادہ دوست کس کو رکھتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ علی (علیہ السلام) کو تو ارشاد ہُوا کہ مُڑ کر دیکھو۔ چنانچہ میں نے مُڑ دیکھا تو میرے بائیں جانب علی (علیہ السلام) موجود تھے۔

(تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ج ۸ ص ۲۶۴)

کیا حضرت علی علیہ السلام شریکِ معراج تھے؟

اِس کا مختصر اور آسان فہم جواب ہے کہ نہیں۔ معراج پر جانا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے، اُن کے مختصات میں سے ہے اور یہ شرف سوائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کو حاصل نہیں۔

بلاشُبہ اللہ عزوجل نے جو کلام کیا وہ علی علیہ السلام ہی کے لہجے میں تھا جیسا کہ کتب میں مسطور ہے البتہ مقامِ اشتباہ وہ احادیث ہیں جن میں حضرت علی علیہ السلام کا وہاں موجود ہونا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اِس کا حل یہ ہے کہ اکثر روایات میں ''مثال'' کا لفظ موجود ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات پر بیان کی گئی روایات میں بارہ آئمہء طاہرین علیہم السلام کے مثالی اجسام کا عرش پر موجود ہونا بیان کیا گیا ہے کہ وہ فضائے نُور میں مشغولِ عبادتِ پروردگار تھے، پس حضرت علی علیہ السلام بنفسِ نفیس وہاں موجود نہیں تھے بلکہ آپ کی مثال موجود تھی۔

تفسیر برہان میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ معراج جب مجھ سے خطاب پروردگار ہُوا، ''آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ'' (رسول اُن تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو اُس کے پروردگار کی طرف سے اُس پر اتاری گئی ہیں۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۸۵) تو میں نے جواب میں کہا، ''وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○''

(اور مؤمنین بھی خدا پر، اُس کے ملائکہ پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم خدا کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے فرمانِ الٰہی سُنا اور اُس کی اطاعت کی! پروردگار ہمیں تیری مغفرت درکار ہے اور تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۸۵) پھر ارشاد ہُوا، ''اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے زمین پر نگاہِ قدرت کی اور

تجھے چُن لیا اور تیرا نام اپنے نام سے مشتق کیا، جہاں میرا ذِکر ہوگا وہاں تیرا ذِکر بھی (ساتھ ساتھ) ہوگا پس میں محمود ہوں اور تُو مُحمّدؐ ہے، پھر میں نے دوبارہ زمین پر نظرِ انتخاب کی تو علی (علیہ السّلام) کو چُنا اور اُس کا نام بھی اپنے نام سے مشتق کیا، میں اعلیٰ ہوں اور وہ علی ہے۔ اے مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے تم کو اور علی، فاطمہ، حسن، حسین اور باقی آئمہ (علیہم السّلام) جو حسین (علیہ السّلام) کی نسل سے ہونے والے ہیں، اِن سب کو اپنے نُور سے خلق کیا اور تمہاری ولایت کو میں نے تمام اہلِ ارض وسما پر پیش کیا۔ جس نے اِس کو قبول کیا وہ میرے نزدیک مومن ہے اور جس نے اِس کا انکار کیا وہ میرے نزدیک کافر ہے۔ اے مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر میرے بندوں میں سے کوئی میری عبادت کرتے کرتے نڈھال اور بوسیدہ ہو جائے لیکن وہ تمہاری ولایت کا اقرار نہ کرے تو میں اُس کو نہیں بخشوں گا جب تک کہ وہ تمہاری ولایت کا اقرار نہ کرے گا۔ اے مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا تُو اُن کو دیکھنا چاہتا ہے؟'' میں نے عرض کیا، ''ہاں پروردگار!'' پس خطاب ہُوا، ''عرش کی دائیں جانب نگاہ کرو''۔ میں نے دائیں طرف دیکھا تو علی، فاطمہ، حسن، حسین، علی بن حسین، محمد باقر بن علی، جعفر صادق بن محمد باقر، موسیٰ کاظم بن جعفر صادق، علی رضا بن موسیٰ کاظم، محمد تقی بن علی رضا، علی نقی بن محمد تقی، حسن عسکری بن علی نقی، اور مہدی بن حسن عسکری (علیہم السّلام) کو ایک فضائے نُور میں مصروفِ عبادت پایا اور حضرت مہدی (علیہ السّلام) ایک درخشاں ستارے کی طرح اُن سب کے وسط میں جلوہ افروز تھے۔ پس ارشادِ باری ہُوا، ''اے مُحمّدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ سب میری طرف سے حجّت ہوں گے اور'' وہ'' (حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السّلام) تیری (مظلوم) عترت کا بدلہ لینے والا ہوگا۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم کہ وہ میرے دوستوں کے لیے حجّتِ واجبہ اور میرے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہوگا۔'' تفسیرِ مذکور میں ہے کہ اس روایت کو بعض مخالفین نے بھی نقل کیا ہے۔ اسی تفسیر میں مروی ہے کہ ایک یہودی نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام سے دریافت کیا، ''شبِ

معراج آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلا کلام کون سا ہُوا تھا؟ آپ نے فرمایا، ''آیت: آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ.....الخ'' (رسول اُن تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو اُس کے پروردگار کی طرف سے اُس پر اتاری گئی ہیں) (سورۃ البقرہ آیت ۲۸۵) یہودی نے کہا، ''میرا مطلب یہ نہیں تھا''۔ آپ نے فرمایا، ''اس کے بعد یہ جو کہ قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے:

''وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○'' (اور مؤمنین بھی خدا پر، اُس کے ملائکہ پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم خدا کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے فرمانِ الٰہی سنا اور اُس کی اطاعت کی! پروردگار ہمیں تیری مغفرت درکار ہے۔ اور تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۸۵) یہودی کہنے لگا، ''میری مراد اِس سے بھی نہیں۔'' آپ نے فرمایا، ''پوشیدہ باتوں کو رہنے ہی دو۔'' یہودی بولا، ''اگر آپ نہیں بتا سکتے تو (اِس کا مطلب ہے کہ) آپ ''وہ'' نہیں ہیں۔'' آپ نے فرمایا، ''اگر تجھے بہرصورت پوچھنا ہی ہے تو سُن! جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے واپس تشریف لا رہے تھے اور ابھی حجابوں کی منازل میں تھے اور مقامِ جبرائیل تک نہیں پہنچے تھے کہ پیچھے سے ایک فرشتے نے صدا دی، ''یا احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہا، ''لبیک'' فرشتہ نے عرض کی، ''اللہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ سیّد وَلی کو (میرا) سلام کہیے گا''۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (اتمام حجّت کے لیے) پوچھا، ''سیّد وَلی کون ہے؟'' اُس نے کہا، ''وہ علی ابن ابی طالب ہیں''۔

یہ سُن کر یہودی بولا، ''بے شک! خدا کی قسم! میں نے اپنے والد کی کتاب میں ایسا ہی پڑھا ہے۔'' وہ یہودی حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ (تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ج ۸ ص ۲۶۸)

امکانِ معراج

علامہ حسین بخش صاحب تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک وقت تھا جب علمائے ہیئت نے خرق والتیام (پھاڑنا اور جوڑنا، یعنی معجزہ) کے مسئلہ کو آسمان پر چڑھایا ہُوا تھا۔ خدا معلوم یہ مسئلہ کب سے چلا اور اِس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کس نے اِس مفروضہ کو گھڑا اور کیوں گھڑا؟ بہرکیف بڑے زوروشور سے اِس مسئلہ نے کتبِ علمِ ہیئت میں اپنا مقام پیدا کیا اور علم وحکمت اور فلکیات کی ابحاث میں یہ مسئلہ اتنا سنگین ہوگیا کہ متاخرین آنکھیں بند کر کے متقدمین کے اس مفروضہ کو اصولِ مسلّمہ کی طرح مانتے چلے آئے۔ کسی نے اس دعویٰ کے خلاف احتجاج کیا نہ کسی کو اس کی مروّجہ ادلّہ میں قدغن کی جرأت ہوئی، پس حضرت رسالت مآب ﷺ کے امکانِ معراج کے راستہ میں یہ مسئلہ کوہِ گراں بن کر ہر دَور کے علماء اسلام کے افکار و انظار کو چیلنج کرتا رہا، چنانچہ بہت سوں کے ہاتھ سے دامنِ حق چھوٹ گیا اور وہ معراج کا انکار کر بیٹھے اور جو اقرار پر ڈٹے رہے وہ معراجِ روحانی کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے، البتہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی تھے جنہوں نے باطل کی غوغا آرائیوں پر کان دھرے بغیر آوازِ قدرت پر لبیک کہا اور ہر قسم کی موشگافیوں سے بے نیاز ہوکر صدائے وحدت کو من وعن تسلیم کرتے ہوئے عرفان وایقان کی منازل کی طرف آگے بڑھے، کیونکہ جب اللہ ہر شے پر قادر ہے تو وہ جب چاہے، جس طرح چاہے، جہاں جہاں چاہے اپنے بندے کو سیر کرا سکتا ہے۔ مخلوق ومصنوع کا کوئی فرد کسی وقت اُس کی قدرت ومشیّت کے آگے حائل نہیں ہوسکتا اور قرآن مجید میں ''اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ'' (سورۃ اسریٰ آیت ۱) کا فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ از خود نہیں گئے بلکہ اللہ آپ ﷺ کو لے گیا۔ پس جب وہ لے گیا تو اُس کے لیے سب کچھ ممکن ہے۔

سائنس کے اس دور میں جو علمِ ہیئت کے سابقہ مفروضے کے جھوٹ کی قلعی کھلی تو آسمانوں میں خرق والتیام کو محال جاننے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ایسا تب ہُوا جب اُنہوں نے دیکھا کہ ترقی یافتہ ممالک نے سائنسی آلات کے ذریعے ارضی مواد سے طاقت حاصل کر کے آسمانوں کی بُلندیوں کو سر کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا ہے اور آئے دن چاند اور دیگر سیّارات پر ڈیرہ ڈالنے اور قبضہ جمانے کی خاطر راکٹوں کا بے پناہ سلسلہ قائم ہونے کی خبریں شائع ہونے لگی ہیں جن کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ چاند کی سطح کی تصویریں اتاری جا رہی ہیں، اُس پر آبادی کے امکانات پر رائے زنی ہو رہی ہے، طاقتور حکومتیں اُس پر اپنا پرچم لہرانے کے لیے بے تاب ہیں اور وہاں تک پہنچنے کے لیے خلائی اڈوں کی تجاویز بھی زیرِ غور ہیں۔ (یہ حوالہ پرانی کتاب سے ہے، اب تو انسان نہ صرف چاند کو تسخیر کر چکا ہے بلکہ مریخ پر بھی کمند ڈال چکا ہے۔ مؤلف) ان پیش آمدہ حالات کے تحت جب کہ مسئلہ خرق والتیام ایک فرسودہ خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور مادی قوتوں سے استفادہ کرنے والوں نے جب آسمان کی تسخیر کو حرفِ ممکن ہی نہیں بلکہ قریب الوقوع قرار دیا ہے، تو وہ ذات جو مقصودِ کائنات ہو، جس نے زمین پر بیٹھے ہوئے چاند سے اپنی نبوّت کی گواہی طلب کر لی ہو اور اُس نے دو ٹکڑے ہو کر اپنے مسخّر ہونے پر مُہرِ تصدیق ثبت کی ہو اور وہ ذات جو قوّتِ رُوحانیہ میں تمام رُوحانیوں سے اشرف و اعلیٰ حیثیت کی حامل ہو، حتیٰ کہ سیّد الملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جس کے ادنیٰ غلام ہوں، اُس کے لیے آسمانی بُلندیوں کو سر کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے؟ اور پھر جب بُلانے والا اور لے جانے والا اللہ ہو تو کس کی مجال ہے کہ اِس کو ناممکن کہہ سکے؟ (تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ج ۸ ص ۲۵۵)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ○

قرآن کی گواہی

غیر مُسلم اگر امکانِ معراج پر یقین نہیں رکھتے تو نہ سہی، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن لمحہ فکریہ اُن لوگوں کا انکار ہے جو خود کو مُسلمان کہتے ہیں کیونکہ یہ انکار اُنہیں بھی اُمتِ مسلمہ سے خارج کر کے غیر مسلموں کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ اہلِ اسلام کے مختلف مسالک میں فروعی مسائل میں تو اختلاف کی گنجائش ہوسکتی ہے لیکن بنیادی مسائل میں قطعی نہیں، مثلاً تمام احادیث پر ایمان لانے میں اختلاف ہوسکتا ہے کیونکہ یہ ہم تک مختلف راویوں، وسیلوں اور واسطوں سے پہنچی ہیں لیکن قرآن پر اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، یہ فرمانِ الٰہی ہے اور اس پر ایمان واجب ہے۔ معراج کے متعلق قرآن کریم میں واضح فرمودات موجود ہیں جن کی روشنی میں کسی قسم کا انکار ممکن ہی نہیں۔

جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمانِ الٰہی ہوتا ہے:

’’سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ‘‘ (سورۃ بنی اسرائیل)

(پاک ہے وہ جو اپنے بندۂ خاص کو رات کے تھوڑے عرصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا وہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں تاکہ دکھائیں ہم اُنہیں اپنی نشانیاں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے)

اور سورۃ النجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ○ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ○ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ○ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ○ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ○ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ○ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ○ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ○ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً

أُخْرَىٰ ○ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ○ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ○ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ○ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ○

قسم ہے ستارے کی جبکہ وہ ڈوبنے لگے۔ کہ تمہارے یہ ساتھی (پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ گمراہ ہوئے ہیں اور نہ بہکے ہیں۔ اور وہ (اپنی) خواہشِ نفس سے بات نہیں کرتے۔ وہ تو بس وحی ہے جو اُن کی طرف کی جاتی ہے۔ اُن کو ایک زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔ جو بڑا صاحب قدرت (یا بڑا دانا وحکیم) ہے پھر (وہ اپنی اصلی شکل میں) کھڑا ہُوا۔ جبکہ وہ آسمان کے بُلند ترین کنارہ پر تھا۔ پھر وہ قریب ہُوا اور زیادہ قریب ہُوا۔ یہاں تک دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس اُس (اللہ) نے اپنے (خاص) بندے (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف وحی کی جو وحی چاہی۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دِل نے جھوٹ نہیں کہا جو کچھ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) آنکھ نے دیکھا۔ کیا تم لوگ اُن سے اِس بات پر جھگڑتے ہو جو کچھ اُنہوں نے دیکھا؟ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بار اور بھی اُترتے ہوئے سدرۃُ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ جہاں جنّت الماویٰ (آرام سے رہنے کا بہشت) ہے۔ جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا (وہ نور) جو چھا رہا تھا۔ نہ آنکھ چندھیائی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (سورۃ النجم آیت ۱ تا ۱۸)

اِس سورۃ مبارکہ میں بڑے واضح الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ معراج کوئی خواب وخیال پر مشتمل قصّہ نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ بنفسِ نفیس دیکھا وہی بیان فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (معاذ اللہ) کوئی جھوٹ نہیں کہتے، ہاں! تم ہی خواہ مخواہ اِس بات پر جھگڑتے ہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

واقعہءمعراج پر چند اور دلائل

تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں نے واقعہءمعراج کو اپنی اپنی ذہنی استعداد کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کی اور جب ذہنِ نارسا نے اِسے ظاہری طور ناممکن قرار دیا تو اِس کا انکار کر بیٹھے اور دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو گئے۔ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ بھی اُنہی میں سے ہوں گے جن کے دلوں، سماعتوں اور بصارتوں پر اللہ نے مُہر لگا رکھی ہے جو اُنہیں وہ عام سی نشانیاں بھی نظر نہیں آ سکیں جن کی روشنی میں واقعہءمعراج کوئی ایسا واقعہ نہیں جو اللہ کے لیے اور اُس کے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے (معاذ اللہ) ناممکن ہو۔ اُن عام سی نشانیوں میں سے چند ایک کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں، مثلاً:

۱) سورج و چاند کا طلوع ہونا اور اُن کی روشنی کا فوراً زمین پر پہنچ جانا:

ہر آنکھ مشاہدہ کرتی ہے کہ سورج اور چاند روزانہ طلوع ہوتے ہیں اور زمین سے کروڑوں میل دور ہونے کے باوجود طلوع ہوتے ہی اُن کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے۔ مائکرو سافٹ انکارٹا انسائیکلو پیڈیا کے مطابق سورج کا زمین سے اوسط فاصلہ ایک سو پچاس ملین کلومیٹر یعنی پندرہ کروڑ کلومیٹر ہے اور اُس کی روشنی صرف آٹھ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہے۔ روشنی کا یہ تیز رفتار سفر جو یقیناً خالقِ کائنات کے حُکم سے ہوتا ہے اگر ممکن ہے تو پھر وجہِ تخلیقِ کائنات یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سفرِ معراج کیونکر ناممکن ہے؟

۲) دُنیا بھر میں بے شمار اموات کا ہونا، حضرت عزرائیل علیہ السلام کا فوراً ہر جگہ پہنچ جانا اور مرنے والوں کی ارواح کا عالمِ برزخ میں چلے جانا:

دُنیا بھر میں روزانہ اَن گنت افراد لقمہءاَجل بنتے ہیں۔ تقریباً تمام مذاہب خصوصاً اہلِ کتاب کا

ایمان ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام، اللہ کے حکم سے یہ فرض انجام دیتے ہیں جس کی خاطر وہ آسمانوں سے زمین پر تشریف لاتے ہیں، بیک وقت دُنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچتے ہیں اور بے شمار نفوس کی جان قبض کر کے واپس آسمانوں پر چلے جاتے ہیں۔ مزید براں مرنے والوں کی رُوحیں بھی اِس جہان سے اگلے جہان یعنی عالمِ برزخ میں منتقل ہوجاتی ہیں۔ مرنے والے انسانوں کی ارواح اور اللہ کے ایک فرشتے کے لیے اِس جہان سے اُس جہان تک کا یہ سفر اتنی سرعت کے ساتھ اگر ممکن ہے تو بحکمِ ربّی اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے شب بھر میں زمین سے آسمان تک کا سفر کیسے ممکن نہیں؟

۳) حضرت جبرائیل علیہ السلام کا وحی لے کر آسمانوں سے زمین پر پہنچنا اور واپس جانا اور دیگر ملائکہ کا روضہء رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حاضری دینے کے لیے آسمانوں سے زمین پر پہنچنا اور واپس جانا: تمام اہلِ کتاب اِس پر متفق ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر تواتر کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے پاس زمین پر آتے رہے۔ اور تمام اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت روزانہ روضہء رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حاضری دینے کے لیے آسمانوں سے زمین پر اُترتی ہے اور پھر عصر کے بعد واپس پلٹ جاتی ہے (جذبُ القلوب)۔ پس آسمانوں سے زمین تک کا سفر ملائکہ کا معمول ہے تو پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو ملائکہ سے بھی عظیم ترین ہیں، کے سفرِ معراج پر اظہارِ تعجب کرنا بذاتِ خود باعثِ تعجب ہے۔

۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام کا ظہور: اہلِ اسلام کے تمام مکاتبِ فکر کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی آخرالزمان علیہ السلام وہ ہستیاں ہیں جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اُٹھالیا اور دوسری کو پردۂ غائب میں

منتقل کر دیا اور قیامت سے پہلے اِن کا دوبارہ ظہور ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ان میں سے ایک ہستی آسمان پر دوسری پردۂ غائب میں کیسے چلی گئی؟ وہ اِس وقت کہاں یا کس حال میں ہیں اور واپس کس طرح آئیں گی؟ سیدھا سادھا جواب تو یہی ہے کہ غائب بھی اللہ نے کیا، ہیں بھی اُسی کی مہمان اور اُنہیں واپس بھی اللہ تعالیٰ ہی بھیجے گا، جس طرح وہ چاہے، کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ پس اگر وہ اپنے ایک نبی اور ایک امام کے لیے ایسا کر سکتا ہے تو وہ جو سرورِ انبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں اور جدِّ امامِ آخر الزمان (علیہ السلام) ہیں، اُن کے لیے اگر اُس نے آسمانوں کی سیر کا اہتمام فرمایا تو اِس میں پریشانی کیوں ہے؟

۵) بذریعہ سیٹلائٹ، ٹیلی فون اور ٹیلی ویژن کی نشریات اور انٹرنیٹ وغیرہ: انسان کے بنائے ہوئے سیٹلائٹ سسٹم (جدید خلائی مواصلاتی نظام) کے ذریعے ہم روزانہ اپنے فون پر گفتگو کرتے ہیں اور دُنیا کے کسی دور دراز گوشے میں ہونے والی کاروائی کو اپنے کمرۂ خواب میں بذریعہ ٹیلی ویژن یا انٹرنیٹ براہِ راست دیکھتے ہیں۔ سات سمندر پار کسی اسٹیڈیم میں کھیل ہو رہا ہوتا ہے اور ہم اپنے ٹی وی پر براہِ راست اُس سے محظوظ ہو رہے ہوتے ہیں۔ ایک مُلک میں فوجی کاروائی ہو رہی ہوتی ہے اور اس کا براہِ راست نظارہ کاروائی کرنے والوں کے حکمران اپنے دفاتر میں بیٹھے کر رہے ہوتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مریخ پر ناسا کی خلائی گاڑی اُتر رہی ہوتی ہے اور پوری دُنیا میں لوگ اپنے اپنے ٹی وی پر اُس گاڑی کو مریخ پر اُترتا ہوا براہِ راست دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ مریخ پر اُترنے والی خلائی گاڑی کا ''منظر'' کیا کوئی وجود نہیں رکھتا؟ جی ہاں ''منظر'' وجود رکھتا ہے تو نظر آتا ہے، وہ وجود بھلے کسی بھی شکل میں ہو یا کسی بھی مادے سے بنا ہو۔ پس وہ منظر مریخ سے زمین تک کا کروڑوں میل کا سفر سیکنڈوں میں طے کر کے زمین پر بسنے والے اربوں لوگوں میں سے ہر ایک کے گھر میں پہنچتا ہے۔ اب ''منظر'' کے اس سفر کی کاروائی کو ذرا دوسرے زاویے

سے دیکھیں تو یوں ہے کہ کروڑوں میل سفر طے کر کے مریخ پر پہنچنے والی خلائی گاڑی مریخ پر پہنچ کر مریخ کا بھی جائزہ لے رہی ہے اور وہاں سے زمین پر موجود ہر گھر میں بھی جھانک رہی ہے۔ پس اگر بنی نوع انسان کی بنائی ہوئی ایک مشین کے لیے یہ سب ممکن ہے تو بنی نوع انسان کے رسولِ معظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ایسے کسی امکان پر کوئی تردّد نہیں ہونا چاہیے کہ جنہیں خالقِ مطلق نے خود اپنا مہمان بنانے کے لیے سب انتظام کیا ہو۔

معراج اور صلوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆ روایت ہے کہ شبِ معراج نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوتھے آسمان پر ایک فرشتے سے ملاقات ہوئی۔ فرشتہ نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے دو رکعت نماز ادا کی ہے جس میں بیس ہزار سال کا عرصہ لگا ہے۔ خدا کے حکم سے پانچ ہزار سال قیام، پانچ ہزار سال رکوع، پانچ ہزار سال تشہد اور پانچ ہزار سال سجود کی حالت میں رہا ہوں۔ میں اِس نماز کا ثواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کرتا ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں تیری اطاعت اور نماز کا محتاج نہیں ہوں''۔ فرشتے نے کہا، ''پھر میں اِسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو ہدیہ کرتا ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میری اُمت کو بھی تیری نماز کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی قسم! میری اُمت کا کوئی گنہگار بھی ایک مرتبہ درُود بھیجے گا اُس کا ثواب تیری بیس ہزار سالہ عبادت سے بڑھ کر ہے''۔ (عدۃ الداعی ص ۱۲۰)

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے پانچویں آسمان پر سنہری بالوں والا ایک فرشتہ دیکھا جو تہلیل و تقدیس (لا الہ الا اللہ اور سُبحان اللہ کہنا) میں مصروف تھا، میں نے سلام کیا تو اُس نے جواب دیا اور کہا کہ میں اُن خوش بخت فرشتوں میں سے ہوں جو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰات بھیجتے رہتے ہیں۔ (درُود وسلام کی برکتیں، عربۃ الاحمدیہ ص ۱۴۳)

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج آسمان پر ایک فرشتے کو دیکھا جس کے ہزار ہاتھ تھے اور ہر ہاتھ کی ہزار انگلیاں تھیں جن سے وہ بارش کے قطرات کا حساب کرتا تھا۔ وہ فرشتہ روزِ ازل سے برسنے والے بارش کے تمام قطرات کا وقت اور مقامِ نزول کے ساتھ مکمل حساب رکھتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس فرشتے سے فرمایا، ''وہ ذات کتنی علیم وخبیر ہوگی جس نے تم جیسے فرشتے کو خلق کیا ہے جو قطراتِ باراں کو وقت کے ساتھ شمار کرتا ہے''۔ فرشتے نے جواب دیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حساب کتاب کے لیے ایسے ہاتھوں اور انگلیوں کے باوجود میں ابھی تک ایک چیز کا حساب کرنے سے قاصر ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا، ''کس چیز کا؟'' فرشتے نے عرض کیا، ''جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کا ایک گروہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ مبارک سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دُرود بھیجتا ہے تو میں اُس دُرود کے ثواب کا حساب نہیں کرسکتا''۔ (مستدرک الوسائل، منازل الآخرہ ص ۷۴)

☆ روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانوں کی سیر کررہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کا ارادہ فرمایا۔ جبرائیل علیہ السلام کو ارشادِ الٰہی ہُوا کہ جنّت میں جاؤ اور پیغمبرِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے حوضِ کوثر سے پانی لے آؤ۔ رضوانِ جنّت دو ایسے برتنوں میں آبِ کوثر لے کر حاضر ہوئے جو یاقوت سے بنے ہوئے تھے اور جنہیں زمرد کے ایسے طشت میں رکھا گیا تھا جس کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ ایک ایک گوہر سے مزیّن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا، نُور کا بنا ہُوا لباس زیب تن کیا اور نُور کا وہ عمامہ سر پر رکھا جسے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے سات ہزار سال پہلے بنایا گیا تھا۔ چالیس ہزار فرشتے اُس عمامہ کے اردگرد تعظیماً کھڑے ہوتے اور تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے۔ وہ ہر تسبیح کے بعد مُحمّدؐ وآلِ مُحمّدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دُرود بھیجتے تھے۔ جب جبرائیل علیہ السلام وہ عمامہ لے کر آئے تو وہ چالیس ہزار فرشتے بھی اُن کے ہمراہ آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شرفیاب ہوئے، اُس عمامہ پر چالیس ہزار نقش ونگار تھے اور ہر نقش پر یہ چار کلمات لکھے ہوئے تھے، ''مُحمّدؐ رُسول اللہ، مُحمّدؐ نبی اللہ، مُحمّدؐ خلیل اللہ، مُحمّدؐ حبیب اللہ'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ (عرجۃ الاحمدیہ ص ۹۲)

☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو جنّت میں چند فرشتوں کو فارغ بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فراغت کا سبب دریافت فرمایا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم منتظر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی اُمتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰات بھیجے تو ہم اُس کے لیے محل تعمیر کریں۔ (درُود وسلام کی برکتیں ص ۵۲)

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے جبرائیل (علیہ السلام) کو میرے سامنے جنّت کے محل پیش کرنے کا حکم دیا۔ پھر میں نے ایسے محل دیکھے جو سونے چاندی اور مُشک وعنبر سے بنے ہوئے تھے۔ اُن میں سے کچھ تو بڑے عالیشان تھے جبکہ کچھ ایسے نہ تھے۔ میں نے جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ یہ محل عالیشان کیوں نہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا یہ محل اُن نمازیوں کے ہیں جو نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل علیہم السلام پر درُود نہیں بھیجتے۔ پس اگر وہ درُود بھیجیں تو اُن کے لیے عالیشان محل تعمیر کیے جاتے ہیں اور اگر وہ درُود نہ بھیجیں تو اُن کے قصر بغیر شان وشوکت کے اِسی شکل میں ہوتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اِن محلات والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰات نہ بھیجی تھی''۔ (تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام ص ۳۶۵، مستدرک الوسائل ج ۵ ص ۱۹)

☆ روایت ہے کہ ایک دن حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آسمان سے زمین پر آرہا تھا کہ جلے ہوئے پروں والے ایک فرشتے کو زمین پر آہ وزاری کرتے دیکھا۔ اِس سے قبل اُس فرشتے کو آسمان پر ایسا مقام حاصل تھا کہ وہ نُور کے ایک تخت پر بیٹھتا تھا اور ستر ہزار فرشتے اُس کی خدمت میں صف بستہ کھڑے رہتے تھے۔ میں نے اُس کی اِس حالت کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگا کہ شبِ معراج جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو میں اپنے تخت پر بیٹھا ہُوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم اُس طرح نہ کر سکا جیسا کہ کرنے کا حق تھا۔ لہٰذا میں اِس سزا کا مستوجب ٹھہرا اور عرش سے فرش پر آرہا۔ پھر مجھ سے کہنے لگا کہ اے جبرائیل! تُو پروردگار کے حضور میری شفاعت کرتا کہ مجھے معافی مِل سکے۔ میں نے

بارگاہِ ربُ العزت میں فریاد کی تو اِرشاد ہُوا کہ اِسے کہہ دو کہ اگر بخشش چاہتے ہو تو میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر دُرود بھیجو، چنانچہ جب اُس نے دُرود بھیجا تو اپنی پہلی حالت پر لوٹا دیا گیا۔

(انوار المواھب ص ۳۰، معارج النبوۃ ص ۳۱۷، آبِ کوثر ص ۱۸۱)

☆ایک روایت کے مطابق شبِ معراج حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ اپنی اُمت کو میرا سلام کہہ دیجیے گا۔ اِس سلام کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُرودِ ابراہیمی کی صورت میں اُن پر سلام بھیجا۔ (کتاب: صلوا علیہ وآلہ ص ۱۶۱)

دُرودِ ابراہیمی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

ترجمہ: اے اللہ دُرود بھیج محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل (علیہم السلام) پر

جس طرح تُو نے دُرود بھیجا ابراہیم (علیہ السلام) پر اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل (علیہم السلام) پر

بے شک تُو تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے۔

اے اللہ برکت دے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل (علیہم السلام) کو

جس طرح تُو نے برکت دی ابراہیم (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل (علیہم السلام) کو

بے شک تُو تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے۔

ولادتِ حضرت سیّدۃُ النساء فاطمۃُ الزہرا علیہا السلام

مصومہ، مظلومہ، طیّبہ، طاہرہ، صدیقہ، اُم الآئمہ، سیّدۃُ النساء حضرت فاطمۃُ الزہرا علیہا السلام کی ولادتِ باسعادت، معراجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سنہ ۵ بعثت میں، بتاریخ ۲۰ جمادی الثانی، بروز جمعہ، مکّہ معظّمہ میں ہوئی۔ آپ علیہا السلام کا سالِ ولادت عامُ الفیل کے حساب سے سنہ ۴۶ اور عیسوی سال کے حساب سے سنہ ۶۱۴ء ۶۱۵ء تھا۔ آپ علیہا السلام کی ولادت کے وقت جنّت سے حضرت آسیہ بنتِ مزاحم، حضرت مریم بنتِ عمران، حضرت صفورا بنتِ شعیب، حضرت کلثوم ہمشیرۂ موسیٰ علیہ السلام اور حوروں کا آنا کتابوں سے ثابت ہے۔ جناب خدیجہ کبریٰ علیہا السلام کا بیان ہے کہ میں نے اپنے قبیلہ کی مرضی کے خلاف سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کی تھی اس لیے میری قوم نے مجھ سے مُقاطعہ کر رکھا تھا۔ میں نے ولادت کے وقت حسبِ دستور اُنہیں اطلاع دی، اُن میں سے کوئی نہ آیا مگر اللہ کی رَحمت شاملِ حال ہُوئی، حوروں اور پاک بیبیوں نے قابلہ اور دایہ کا کام انجام دیا، بچی پیدا ہوئی اور جناب رَحمۃً لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر بقعۂ نُور بن گیا۔ (چودہ ستارے، تاریخ خمیس)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیّدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام دُنیا میں تشریف لائیں تو اُن کے نُور سے بیابانوں، صحراؤں، پہاڑوں اور زمینوں کی ہر شے روشن ہوگئی۔ فرشتے زمین پر نازل ہوئے، اُنہوں نے مشرق سے مغرب تک اپنے پر پھیلا دیئے، خیمے اور قیمتی پردے لگا دیئے اور آسمانی سائبانوں سے اُن پر سایہ کر دیا جبکہ اہل مکہ کو اُن کے نُور نے مدہوش کر دیا۔ اُس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کے کمرے میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ اے خدیجہ! اِس بات کا بالکل غم نہ کرو کہ اہلِ مکہ کی عورتوں نے آپ سے قطع تعلُّق کر لیا اور اِس مشکل وقت میں آپ کی مدد کے لیے نہیں آئیں کیونکہ آج خوبصورت بہشتی عورتیں آپ کے پاس آئیں گی، اُن کی آنکھیں بلوریں ہوں گی، چہرے شاد ہوں گے، اُنہوں نے دِل نشیں عطر لگایا ہوگا، اُن کے آگے آگے ایسا نُور چمکے گا اور ایسی معطر نسیم چلے گی جو تمام اہلِ مکّہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

پس اِسی دوران وہ خواتین نازل ہوئیں اور اُنہوں نے حضرت خدیجہ (علیہا السلام) پر درود وسلام بھیجا اور ولادت کے وقت اُن کی بہترین طریقے سے مدد کی۔ اُنہوں نے مولود کو اُس طشت میں غسل دیا جو وہ بہشت سے اپنے ہمراہ لائی تھیں، بہشتی تولیے سے خشک کیا اور خوشبو سے معطر کیا، پھر کپڑے میں لپیٹ کر اُن کی مہربان ماں کی گود میں دے دیا۔

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ اُنہوں نے آبِ کوثر سے مولود کو غسل دیا، پھر دو سفید کپڑے نکالے جو دودھ سے زیادہ سفید اور مُشک وعنبر سے زیادہ معطر تھے۔ ایک کپڑے میں سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کو لپیٹا اور دوسرے کو آپ کے سر پر اسکاف کی طرح باندھا، پھر آپ علیہا السلام سے گفتگو کرنے کی خواہش کی، آپ علیہا السلام نے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی اور فرمایا: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ اَبِیْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ وَ اَنَّ بَعْلِیْ سَیِّدُ الْاَوْصِیَاءِ وَ وَلَدَیَّ سَادَةُ الْاَسْبَاطِ'' یعنی میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میرے پدر بزرگوار محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور میرے شوہر نامدار علی (علیہ السلام) اوصیاء کے سردار اور میرے دونوں بیٹے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نواسے ہیں۔ پھر اپنا رُخِ انور اُن خواتین کی طرف کیا، اُن پر سلام بھیجا اور ہر ایک کو اُس کے نام سے بُلایا۔ اُن بہشتی خواتین نے مسکراتے ہوئے آپ (علیہا السلام) کی طرف دیکھا اور آپ (علیہا السلام) کو اُٹھا کر حضرت خدیجہ (علیہا السلام) کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہا، ''اے خدیجہ (علیہا السلام)! اِس مولود کو لیجیے کہ یہ پاک و پاکیزہ اور مبارک ہے اور اِس کی نسل آپ کے لیے مبارک اور بابرکت ہے''۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے آپ کو گود میں لیا اور شیرِ مطہر سے سیراب کیا۔

سیّدۂ دوعالم (علیہا السلام) کی ولادت باسعادت کے وقت حورُالعین اور اہلِ آسمان نے ایک دوسرے کو خوشخبری سنائی اور مبارک باد دی، آسمان میں ایسا نُور چمکا کہ فرشتوں نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔

(الثاقب فی المناقب، مناقب اہل بیت، ترجمہ: اَلقَطرَةُ مِن بِحَارِ مَنَاقِبِ النَّبِی وَالعِترَة/ آیت اللہ سیّد احمد مستنبط ۴ ص ۲۴)

بیعتِ عقبہ اولیٰ سنہ ۱۲ بِعثت

بیعتِ عقبہ اولیٰ سے ایک سال پہلے یعنی سنہ ۱۱ بِعثت میں قبیلہ خزرج کے چھ آدمی، نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور مشرف بہ اسلام ہو کر کے واپس مدینہ طیبہ چلے گئے تھے۔ اُن میں سے پانچ آدمی دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اُن کے ہمراہ مدینہ طیبّہ کے سات اور لوگ بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور حضور ﷺ کی حمایت کا عہد کیا۔ اِس عہد کو بیعتِ عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت مکانِ عقبہ میں ہوئی جو مکّہ سے تھوڑے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ میں شامل بارہ افراد کے نام:

ابوامامہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، معاذ بن حرث، ذکوان بن عبد قیس، خالد، عباد بن صامت، عباس بن عبادہ، ابوالہیثم اور عویم بن ساعدہ۔

بیعت عقبہ اولیٰ کے نِکات:

حضور ﷺ نے مندرجہ ذیل سات نکات پر بیعت لی۔

۱) خدا کا کوئی شریک نہ بناؤ۔

۲) نبی ﷺ کی اطاعت کرو۔

۳) اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

۴) زنا نہ کرو۔

۵) کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ۔

۶) غیبت اور چغلی نہ کرو۔

۷) چوری نہ کرو۔

جب لوگ بیعت کر کے جانے لگے تو حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو اُن کے ساتھ بھیجا اور قرآن کی تعلیم دینے اور اسلام کے اطوار سکھانے پر مامور فرمایا۔ حضرت مصعب بن عمیر ایک امیر گھرانے کے لاڈلے بیٹے تھے، جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تو آگے پیچھے غلام ہُوا کرتے اور بدن پر قیمتی پوشاک ہوتی تھی مگر اسلام قبول کرنے کے بعد یہ عالم تھا کہ جب آپ مدینہ میں دینِ حق کی منادی کرتے تو کاندھے پر کیکر کے کانٹوں سے اٹکایا ہُوا کمبل کا ایک ٹکڑا ہوتا۔ (چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی، تاریخ ابوالفداء، کتاب: رحمۃ للعالمین/ﷺ قاضی محمد سلیمان)

اس بیعت کے نِکات توجہ طلب ہیں۔ دینِ اسلام اُس وقت ابتدائی دور سے گذر رہا تھا اور رسولِ معظم ﷺ نے دورِ جاہلیت کے اندھیروں میں لپٹی ہوئی ایک گمراہ قوم کی اصلاح کر کے اُسے ایمان کے راستوں پر گامزن کرنا تھا۔ ایسے میں آپ ﷺ کا سات نکاتی ایجنڈا اپنی جگہ ایک مکمل آئین اور ضابطہء حیات تھا۔ شرک و بت پرستی کرنے والی قوم کو آپ ﷺ نے ادراکِ توحید دیا اور اپنی اطاعت کا پابند کر کے دینِ مبین کے مضبوط قلعے میں محفوظ کر لیا۔ اُس دور میں نومولود بیٹیوں کا قتل، بدکاری، تہمت زنی، غیبت اور چوری جیسے گناہ عام تھے اور یہ ایسے گناہ تھے جن کے بطن سے دیگر تمام برائیاں جنم لیتی تھیں۔ آپ ﷺ نے شجرِ گناہ کی اِن جڑوں کو کاٹنے کا حکم دے کر ذلت و گمراہی کے تمام راستے بند کر دیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی حَبِیْبِكَ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ ○

بیعتِ عقبہ ثانیہ سنہ ۱۳ بعثت

اِس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد ہونے والی دوسری بیعت تھی۔ اس کو بیعتِ عقبہ کبریٰ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں بیعت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی اور یہ بیعت بھی چونکہ مکانِ عقبہ پر ہوئی اس لیے اس کو بیعتِ عقبہ کہا جاتا ہے۔ بعض مؤرّخین نے اِس کو بیعتِ عقبہ ثالثہ بھی لکھا ہے۔ اس حساب سے ہم بیعتِ عقبہ اولیٰ کو جو سنہ ۱۲ بعثت میں ہوئی، بیعتِ عقبہ ثانیہ کہیں گے اور قبیلہ بنوخزرج کے چھ افراد کے سنہ ۱۱ بعثت میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر منیٰ میں عقبہ کے قریب قبولِ اسلام کو بیعتِ عقبہ اولیٰ کہیں گے۔

حضرت مصعب بن عمیر کا قیام مدینہ منورہ میں اسعد بن زرارہ کے گھر تھا۔ مصعب وہاں ''المقری'' یعنی ''پڑھانے والا'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔ مصعب اور اسعد کی کوششوں سے مدینہ کے دو قبائل، بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر مسلمان ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ جس روز اسید ایمان لائے اُن کی دعوت پر اُن کے قبیلہ بنی عبدالاشہل کے تمام مرد غروبِ آفتاب تک مسلمان ہو گئے۔ مصعب کی تعلیم کے نتیجے میں اگلے سال یعنی ۱۳ بعثت کو ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں یثرب کے قافلے میں شامل ہو کر مکّہ آئے۔ اُن کو یثرب کے مسلمانوں نے اس لیے بھیجا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دیں۔ طبری میں ہے کہ یہ لوگ رات کے وقت پہنچے اور رسول اللہ ﷺ بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ تشریف لے آئے۔ حضرت عباسؓ نے اُن لوگوں سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ قریشِ مکّہ محمّد ﷺ کے جانی دشمن ہیں اس لیے تم اِن سے کوئی عہد وقرار کرنے سے پہلے خوب سوچ بچار کر لو۔ یہ ایک نازک اور مشکل کام ہے اور

محمدؐ سے عہد و پیمان کرنا سرخ و سیاہ لڑائیوں کو دعوت دینا ہے لہٰذا جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو ورنہ بہتر ہے کہ کچھ نہ کرو۔ اُن لوگوں نے حضرت عباسؓ کو کوئی جواب دینے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کچھ ارشاد فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اللہ کا پیغام سنایا جسے سُن کر اُن کے دِل منور ہو گئے اور وہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے شہر میں تشریف لائیں اور وہیں رہیں تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہو سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم دینِ حق کی اشاعت میں میرا ساتھ دو گے؟ اور جب میں تمہارے شہر جا کر رہوں تو کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی طرح کرو گے؟ اُنہوں نے پوچھا کہ ہمیں اِس کا صِلہ کیا مِلے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جنّت''۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہماری تسلّی کے لیے فرما دیجیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں چھوڑ تو نہ دیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اطہر سے اِس جملے کا ادا ہونا تھا کہ عاشقانِ صداقت عجب سُرور و نشاط کے عالم میں بیعت کرنے لگے۔ اُن میں براء بن معرور نے اُس شب سب سے پہلے بیعت کی تھی۔ ایک شیطان نے پہاڑ کی چوٹی سے یہ منظر دیکھا تو چیخ کر اہلِ مکّہ کو کہنے لگا، ''لوگو! آؤ۔ دیکھو کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے ساتھی تم سے لڑنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم اِس آواز کی پرواہ نہ کرو۔ حضرت عباس بن عبادہ نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت دیں تو ہم کل ہی مکّہ والوں کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔

(کتاب: رحمۃً لِّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ہجرتِ مدینہ

حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

قریش کی سازشیں اور ظلم وستم ناقابلِ برداشت ہونے لگا تو سنہ ۱۴ بعثت بمطابق ۶۲۲ عیسوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مسلمان خفیہ طور پر مدینہ طیّبہ چلے گئے۔

''مجمع الفضائل'' میں ہے کہ سب مسلمان ہجرت کر گئے یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت ابوبکر کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ مدینہ طیّبہ میں اسلام زور پکڑ رہا تھا، قریش کو خبر ہوئی تو وہ ایک کاری ضرب لگانے کی منصوبہ بندی کرنے کے لیے قصی بن کلاب کے گھر ''دارالندوہ'' میں جمع ہوئے۔ ایک کافر بولا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قید کر دیں، دوسرے نے کہا کہ یہیں قتل کر دیا جائے تاکہ اُن کے ساتھ اُن کا دِین بھی ختم ہو جائے۔ کسی نے رائے دی کہ جلاوطن کر دیا جائے۔

پس سورۃ انفعال میں ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

''وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ''

یعنی اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اُس وقت کو یاد کیجیے جب کفار آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں خفیہ طور پر منصوبہ بنا رہے تھے کہ یا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قید کر دیں یا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیں یا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نکال دیں۔ وہ بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی اُن کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تعالیٰ مکاروں کو بہترین سزا دینے والا ہے۔ (آیت نمبر ۳۰ سورۃ انفعال)

ابوجہل نے مشورہ دیا کہ پانچوں قبیلوں کے لوگ مِل کر بیک وقت قاتلانہ حملہ کریں تاکہ کسی ایک

پر قتل کا الزام نہ آئے اور بنی ہاشم ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے میں عاجز رہ جائیں شیخ نجدی نے تمام آراء کو کمزور قرار دیا اور ابوجہل کے مشورے کو پسند کیا۔ باقی لوگ بھی اُس بدبخت کی رائے پر متفق ہو گئے چنانچہ سب نے مِل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ وہ یکم ربیع الاوّل سنہ ۱۴ بعثت اور جمعرات کا دِن تھا۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی سے مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہُوا۔ حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے کہ وہ حکم اِس آیتِ کریمہ میں ہے: وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ○

(اور یوں کہیے: پروردگار! تُو مجھے (ہر مرحلہ میں) سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ نکال اور اپنے ہاں سے مجھے ایک قوت عطا فرما جو مددگار ثابت ہو۔ آیت نمبر ۸۰ سورۃ الاسراء)

ایک روایت کے مطابق جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر حُکمِ الٰہی سنایا،

"اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکَ بِالْھِجْرَۃِ"

(اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہجرت کا حکم فرماتا ہے)

''مجمع الفصائل'' میں ہے کہ جبرائیل امین نازل ہوئے اور کہا کہ آج رات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں نہ سوئیں جہاں سویا کرتے ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا، ''خدا نے وحی کی ہے کہ میں رات کو ہجرت کر کے غارِ ثور کی طرف جاؤں اور آپ کو اپنی جگہ پر سلا جاؤں تا کہ دشمنوں کو آپ پر میرا گمان ہو''۔ حضرت علی علیہ السلام نے پوچھا، ''حضور! کیا میرے سونے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بچ جائے گی؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہاں''۔

یہ سُن کر حضرت علی علیہ السلام مسکرائے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ (بروایتے اسلام میں سب سے پہلا سجدۂ شکر یہی تھا جو حضرت علی علیہ السلام نے ادا کیا) سجدہ سے سر اُٹھا کر عرض کیا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میری آنکھیں، میرے کان اور میرا دِل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطمینان سے تشریف لے جایئے''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے علی! تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ اور آگاہ رہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کا امتحان دِین میں اُن کے ایمان و منازل کی مناسبت سے لیتا ہے۔ خدا نے تیرا اور میرا امتحان اس طرح لیا ہے جس طرح ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) کا لیا تھا، پس صبر کرو، صبر سے خدا کی رَحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہوتی ہے''۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو اپنے سینے سے لگایا اور روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل دیے۔ مروی ہے کہ اُس وقت قریش کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رَحمت کدے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور کاروائی کے لیے رات گہری ہونے کے انتظار میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے ہوئے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرما رہے تھے:

وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ○

(اور ہم نے ایک دیوار اُن کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک دیوار اُن کے پیچھے کھڑی کر دی ہے (اس طرح) ہم نے اُنہیں ڈھانپ دیا ہے پس وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے۔ سورۃ یٰسین آیت ۹)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مُشتِ خاک کفار کے سروں پر پھینکی اور گذرتے چلے گئے۔ قدرت نے اُس خاک کے ذریعے کافروں کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے سامنے سے گذرے لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہ سکے۔

مؤرّخین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علی علیہ السلام کو پیچھے چھوڑ کر جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کفارِ قریش کی کچھ امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں جنہیں لوٹانا تھا۔ واضح ہو کہ باوجود تمام تر کینہ و عداوت کے، بنو قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''صادق'' اور ''امین''، یعنی سچا اور امانتدار کہا

کرتے تھے اور اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھا کرتے تھے۔

''مدارج النبوّت'' میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق و محبت میں اپنی جان کو فدا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہونے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔

اہلِ سِیَر فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیت مبارکہ، ''وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَاللهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ'' (اور انسانوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال دیتے ہیں اور اللہ (ایسے جاں نثار) بندوں پر بہت شفیق و مہربان ہے۔ آیت نمبر ۲۰۷ سورۃ البقرہ) اِسی ضمن میں نازل ہوئی ہے۔

مولانا شبلی نعمانی صاحب لکھتے ہیں، ''یہ سخت خطرے کا موقع تھا، جناب علی علیہ السلام کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بسترِ خواب، قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتحِ خیبر کے لیے قتل گاہ، فرشِ گُل تھا''۔ (سیرۃ النبی و محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

پس دشمن خانہء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ توڑ کر گھر میں داخل ہوئے تو بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علی علیہ السلام کو سوتا ہُوا پایا۔ پوچھا کہ مُحمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہاں ہیں؟ علی علیہ السلام نے جواب دیا کہ جہاں ہیں خدا کی اَمان میں ہیں۔

''طبری'' میں ہے کہ علی علیہ السلام تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور سب بھاگ گئے۔

''احیاء العلوم غزالی'' کے مطابق علی علیہ السلام کی حفاظت کے لیے خدا نے جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) کو بھیج دیا تھا اور یہ دونوں مقرب فرشتے ساری رات علی علیہ السلام کی خواب گاہ کا پہرہ دیتے رہے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کا فرمانا ہے کہ شبِ ہجرت مجھے جیسی نیند آئی، ایسی ساری عمر نہ آئی۔

(چودہ ستارے، مدارج النبوّت، مجمع الفضائل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ ثور میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے نکلے اور حضرت ابوبکر کے ساتھ سب سے پہلے اُن کے گھر پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر کے لیے سواری درکار تھی، صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر ابنِ ابی قحافہ سے قیمتاً ایک اُونٹ خریدا۔ ''مدارج النبوّت'' میں ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس دو اُونٹ تھے جو اُنہوں نے چار سو درہم میں خریدے تھے، اُن میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید لیا جس کی قیمت نو سو درہم طے پائی۔ اُس اُونٹنی کا نام ''قصویٰ'' تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر صبح سے کچھ دیر پہلے بتاریخ ۲ ربیع الاوّل بروز جمعہ غارِ ثور میں پہنچے۔ یہ غار مکّہ سے مدینہ کی طرف اڑھائی تین میل جنوب میں واقع ہے۔ جبلِ ثور کی چوٹی تقریباً ایک میل بُلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر غار میں داخل ہوئے تو اللہ کے حُکم سے اُس کے دہانے پر مکڑی نے جالا بنایا، کبوتر نے انڈا دیا، ببول کا ایک درخت اُگ آیا اور غار میں داخلے کے نشان ناپید ہو گئے۔

دشمن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعاقب میں وہاں پہنچے تو متذبذب ہو گئے۔ دماغ کہتا کہ وہ یہیں غار کے اندر موجود ہیں لیکن آثار ایسے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر محمدؐ اِس غار میں داخل ہوتے تو کبوتر کا انڈا ٹوٹ جاتا، مکڑی کا جالا بھی درہم برہم ہو جاتا اور یہ درخت تو اِس جگہ مدت سے اُگا ہُوا ہے، بھلا کوئی کیسے اندر جا سکتا ہے؟

''عجائبُ القصص'' اور ''مواہب الادینہ'' میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انڈہ دینے والے کبوتر کے اُس جوڑے کو خانہ کعبہ پر آ کر بسنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حرمِ مکّہ کے کبوتر اُسی جوڑے کی نسل سے ہیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا و برکت سے قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ

رہیں گے۔ واضح رہے کہ حرم مکہ میں شکار کرنا شرعاً بھی ممنوع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بروز اتوار، ۴ ربیع الاوّل تک غارِ ثور میں رہے۔ اِس دوران حضرت علی علیہ السلام اشیاءِ خورد ونوش پہنچاتے رہے۔ چوتھے روز یعنی ۵ ربیع الاوّل بروز سوموار عبداللہ ابن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی آ پہنچے۔ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گرفتاری یا قتل پر سو ۱۰۰ اُونٹوں کا انعام مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ سراقہ ابنِ مالک انعام کے لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تلاش کرتا ہوا غار تک جا پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس وقت روانگی کے لیے غار سے باہر تشریف لا چکے تھے۔ سراقہ قریب پہنچا تو اُس کا گھوڑا زانوؤں تک زمین میں دھنس گیا۔ وہ سخت گھبرایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معافی کا خواستگار ہُوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے معاف فرما دیا۔ پس زمین نے اُس کے گھوڑے کو آزاد کر دیا اور وہ جان بچا کر بھاگ گیا، واپس پہنچا تو کافروں سے کہا کہ میں نے بہت تلاش کیا مگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا سراغ نہیں ملا۔

اُسی روز یعنی ۵ ربیع الاوّل بروز سوموار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے تینوں ساتھیوں کے ہمراہ معمول کا راستہ چھوڑ کر بحیرۂ قلزم کے ساتھ ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

(چودہ ستارے/نجم الحسن کراروی، مدارج النبوّت)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ

صَلٰوۃً دَآئِمَۃً بِدَوَامِ خَلْقِ اللهِ ○

خیمہ اُمِ معبد عاتکہ میں روشنی

غارِ ثور سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے، راستے میں حضور ﷺ نے ایک بوڑھی عورت اُمِ معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمہ کو رونق بخشی۔ وہ خاتون وہاں سے گذرنے والے مسافروں کی تواضع کیا کرتی تھی۔ حضور ﷺ نے اُس سے کھجوریں، دُودھ اور گوشت طلب فرمایا۔ اُس نے کہا کہ قحط سالی اور تنگدستی کی وجہ سے میرے پاس کچھ بھی نہیں اور اگر کچھ ہوتا تو ضرور حاضر کرتی۔ اُس وقت اُس کے خیمے میں ایک نہایت نحیف و ناتواں بکری موجود تھی جو کمزوری و ناتوانی کے سبب ریوڑ کے ساتھ چراگاہ جانے سے رہ گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ وہ کہنے لگی کہ یہ اتنی لاغر ہے کہ اِس میں دُودھ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اِس کا دُودھ دوھ لوں؟ اُمِ معبد نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں اگر آپ (ﷺ) کو اِس میں دُودھ نظر آتا ہے تو ضرور دوھ لیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے بکری کے ایک پاؤں کو دوسرے سے مِلایا، اپنے دستِ مبارک کو اُس کے تھنوں پر پھیرا اور بِسْمِ اللہ کہہ کر فرمایا، ''اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھَا فِیْ شَاتِھَا'' یعنی اے اللہ اس بکری میں برکت دے، تو اُس کے تھن دُودھ سے اتنے بھر گئے کہ اُس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اُمِ معبد سے دُودھ کے لیے برتن طلب فرمایا اور دودھ دوہنا شروع کیا۔ برتن دودھ سے بھر گیا۔ آپ ﷺ نے تمام خیمہ والوں کو وہ دُودھ پلایا اور اُن کے خوب سیر ہو جانے کے بعد اپنے ساتھیوں کو پلایا اور آخر میں خود نوش فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ دُودھ دوہنا شروع کیا تو خیمہ میں موجود تمام برتن بھر گئے۔ پھر آپ ﷺ نے بکری کو چھوڑ دیا۔ ارباب سِیَر کہتے ہیں کہ وہ بکری اٹھارہ سال تک زندہ رہی اور صبح و شام اسی طرح دُودھ دیتی رہی۔ اُمِ معبد کا شوہر جس کا نام اکتم بن حوان تھا، چراگاہ سے لوٹا

تو دُودھ سے بھرے ہوئے برتن دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بیوی سے پوچھا کہ اتنا دُودھ کہاں سے آیا؟ اُمِ معبد نے کہا کہ ہمارے پاس ایک نہایت خوش اخلاق وخوش رو اور برکت والا شخص آیا تھا جس کی وجہ سے یہ دُودھ آیا، اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حُلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے کہا:

''پاکیزہ رُو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خُو۔ نہ تو ندنکلی ہوئی نہ سر کے بال جھڑے ہوئے، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ وفراخ، بال سیاہ، لمبے، گھنے اور گھنگریالے، آواز میں بھاری پن، بُلند گردن، روشن مَردُمک (آنکھ کی پتلی)، سرمگیں چشم، باریک و پیوستہ اَبرو، خاموش اور باوقار گویا دِل بستگی لیے ہوئے، دُور سے دیکھنے میں دیدہ زیب ودلفریب، قریب سے نہایت شیریں وکمال حسین، شیریں کلام، کلام کی وبیشی سے معرّا، واضح الفاظ، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، میانہ قد کہ کوتاہی سے چھوٹے نظر نہیں آتے، نہ طویل کہ آنکھ کو بُرا لگے یعنی دیدہ زیب پودے کی تروتازہ شاخ کی طرح خوبصورت نظر آنے والا قد، ساتھی اور رفیق ایسے کہ ہر وقت اُس کے حضور پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو چُپ چاپ سنتے ہیں، جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں۔ ایسا مخدوم جس کی اطاعت کی جائے، نہ کم سخن نہ فضول گو۔''

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حُلیہ مبارک بیان کرنے کے بعد اُس نے تمام واقعہ اپنے شوہر کے گوش گذار کیا۔ وہ عورتِ عاقلہ، فصیح وملیح زبان وبیاں رکھتی تھی اُس کے کلام نے شوہر کو متاثر کیا اور وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم! یہ وہی ہیں جن کی تلاش میں قریش سرگرداں ہیں اور جن کا شہرہ سارے جہان میں پھیلا ہُوا ہے۔ کاش میں اُس وقت موجود ہوتا جب وہ یہاں تشریف لائے تھے تو اُن کی خدمت کی سعادت حاصل کرتا۔ میں تمنا کرتا ہوں کہ اُن کے ساتھ مِل جاؤں اور اُن کی جماعت میں شامل ہوجاؤں اور ہمیشہ اُن کی خدمت کرتا رہوں۔

منقول ہے کہ اس کے بعد دونوں میاں بیوی نے ہجرت کی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(مدارج النبوّت، کتاب: رحمۃٌ للعالمین/ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قاضی محمد سلیمان، چودہ ستارے، حیات القلوب ج ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیہ مبارک

اُمِ معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی ایک ضعیف لیکن عاقلہ اور فصیح وبلیغ زبان وبیاں رکھنے والی خاتون تھیں۔ ایک مختصر ملاقات میں اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حُلیہ مبارک اور شخصیت کو ملاحظہ کر کے جو تفصیل اپنے شوہر سے بیان کی وہ تقریباً وہی ہے جو اہلِ بیت اطہار علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضوان اللہ کی مختلف روایات میں ملتی ہے۔ ہم یہاں پر چند روایات پیش کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ ان روایات میں استعمال کی گئی تشبیہات راویان نے محض سمجھانے کے لیے بیان کی ہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ نہ کسی کی مثل ہے اور نہ ہی کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طویل قامت تھے نہ پستہ قد، بلکہ متوسط قامت تھے (واضع رہے کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عربوں کا اوسط قد بھی ایک قدآور پاکستانی کے قد کے برابر تھا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فربہ تھے نہ دُبلے پتلے۔ بال گھونگریالے تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ قدرے بل کھائے ہوئے تھے۔ چہرۂ مبارک گول سا اور رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ آنکھیں سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں۔ جوڑ مضبوط تھے۔ بدن پر بال نہیں تھے، صرف بالوں کی ایک لکیر تھی جو سینے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں پُرگوشت تھے۔ جب چلنے کے لیے قدم اُٹھاتے تو یوں لگتا جیسے بُلندی سے نیچے اُتر رہے ہوں۔ کسی کی طرف دیکھتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے (صرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنے یا گردن گھما کر دیکھنے میں عموماً غرور کا عنصر پایا جاتا ہے جب کہ پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہونے کا مطلب ہے کہ دیکھنے والا پوری طرح متوجہ ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوّت تھی۔ (کتاب پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترمذی، مشکوٰۃ، باب اسماء النبی وصفاتہ)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے ہی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور میں (چودھویں

کے چاند کی طرح) تدویر (گولائی) تھی۔ جلدِ اقدس اور بشرۂ مبارکہ انتہائی ملائم اور رقیق ونفیس تھا۔ رنگ سفید تھا جس پر سرخی جھلکتی تھی جیسے چاندی پر سونے کا پانی چڑھا ہو یعنی بظاہر سرخی مائل تھا مگر بغور دیکھنے سے جسمِ پُرنور سے انوار پھوٹتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ ریشِ مبارک عظیم اور مقدار میں بڑی معلوم ہوتی تھی۔ گردن صفائی اور سفیدی کے لحاظ سے چاندی کے کوزہ کی مانند تھی۔ کاندھوں اور گردن کی درمیانی جگہ یعنی شانے فربہ تھے۔ باکرامت انگلیاں ہتھیلیوں کی جانب سے موٹی اور طویل تھیں۔ مقدس ہتھیلیاں پُرگوشت تھیں۔ کفِ دست اور پاؤں ضخیم تھے۔ اعضاء مبارکہ اور ہڈیوں کے منتہا ضخیم وعظیم تھے (جو کہ خداداد قوت وطاقت کے مظہر تھے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ انتہائی بُلند قامت تھے اور نہ کوتاہ قد بلکہ درمیانہ قدِ رعنا تھا یعنی موزوں قامتِ زیبا۔ بدنِ مبارک بالوں سے خالی تھا، صرف سینہء اقدس اور ناف کے درمیان بال تھے۔ پسینہ کے قطرات چمک دمک میں موتیوں کی مانند تھے اور خوشبو ومہک کے لحاظ سے کستوری کی طرح۔

(ترمذی، ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / عبدالرحمٰن ابن جوزی ص ۴۶۶)

حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سرِ اقدس عظیم تھا۔ گیسو درمیانے گھنگریالے تھے، کنگھی کرنے سے الگ الگ اور سیدھے ہوجاتے ورنہ اکٹھے ہوجاتے مگر کانوں سے نیچے نہیں آتے تھے۔ بالوں کی مقدار نہایت مناسب تھی یعنی کم نہ زیادہ۔ چہرۂ مبارک چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ جبینِ اقدس کشادہ تھی۔ ابرو طویل اور باریک بالوں والے تھے، باہم مِلے ہوئے نہ تھے مگر دُور سے دیکھیں تو لگتا تھا کہ مِلے ہوئے ہیں، دونوں کے درمیان میں ایک رگِ مبارک تھی۔ چشمِ مطہر کی پتلیاں بہت سیاہ اور پلکیں دراز تھیں۔ مقدس رخسار پچکے ہوئے نہ تھے بلکہ پُرگوشت تھے اور چہرۂ انور کو چودھویں کے چاند کی مانند گول ظاہر کرتے تھے۔ ناک بُلند اور درمیان سے ذرا خمیدہ معلوم ہوتی تھی جس کی بُلندی درحقیقت نہ تھی بلکہ کمال درجہ کی

موزونیت تھی جو محض جلوۂ نُور کی وجہ سے بادی النظر میں بُلندی کا تاثر پیدا کرتی تھی۔ گردن مبارک دراز معلوم ہوتی اور اس میں چاندی کی مانند صفائی اور سفیدی تھی۔ ریشِ مطہر گھنی تھی۔ سینہء اقدس چوڑا تھا نیز سینہ اور شکمِ مبارک متوازی تھے۔ جسدِ رحمت چمکدار اور شفاف اور بالوں سے خالی تھا البتہ سینہء انور کے اُوپر والے حصّہ، کلائیوں اور کاندھوں پر بال تھے، سینہء اطہر سے ناف تک بالوں کا ایک باریک سا خط تھا۔ مقدس ہتھیلیاں کشادہ اور فراخ تھیں۔ پاؤں مبارک کے نچلی جانب ذرا سا خم تھا، زیادہ پُر گوشت بھی نہ تھے، تر و تازہ ایسے کہ معلوم ہوتا ابھی ان سے پانی بہہ کر الگ ہُوا ہے۔ جسدِ مطہر میں کمال اعتدال تھا یعنی بالکل دبلا پتلا تھا اور نہ بہت بھاری۔ عمر مبارک کے آخری حصّہ میں بھی بدنِ اقدس میں ڈھیلا پن اور اِستر خاءِ لحم (گوشت کا ڈھیلا ہو کر لٹک جانا) پیدا نہیں ہُوا تھا۔ آپ عام درمیانہ قد والے لوگوں سے دراز قامت اور لمبے لوگوں کی نسبت درمیانہ قامت تھے۔

ایک اور حدیثِ معتبر میں جناب امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرِ مبارک بڑا تھا۔ سر کے بال نہ بہت گھنگریالے تھے نہ بالکل سیدھے۔ اکثر اوقات کان کی لو سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ جب کبھی زیادہ لمبے ہو جاتے تو بیچ میں سے مانگ نکال لیا کرتے تھے۔ چشمِ اقدس سے عظمت اور سینہء اطہر سے ہیبت نمایاں تھی۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح چہرۂ مبارک سے نُور درخشاں تھا۔ ابرو باریک کمان کی طرح کھنچے ہوئے تھے اور باہم مِلے ہوئے نہ تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ مِلے ہوئے تھے۔ ایک رگ پیشانی کے درمیان تھی جو غصہ کے وقت پھول جاتی اور اُبھر آتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک منوّر، کشیدہ، باریک اور درمیان سے اُٹھی ہوئی تھی۔ دہنِ اقدس بالکل چھوٹا نہ تھا۔ دانت سفید براق، نازک اور کشادہ تھے۔ ریشِ مبارک گھنی تھی جس کے بال برابر تھے، ادھر اُدھر نکلے ہوئے نہ تھے۔ گردن صفائی،

درخشندگی اور استقامت میں صیقل کی ہوئی چاندی کی طرح لگتی تھی۔ نہایت نرم بال سینہ سے ناف تک اُگے ہوئے تھے جیسے بالوں کا ایک باریک سیاہ چمکدار خط۔ ایک روایت کے مطابق سینہ اور شکم بالوں سے خالی تھے مگر ہاتھوں اور شانوں پر بال تھے۔ کمر سے اُوپر کچھ بُلندی تھی جس سے بُلند معلوم ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کے تمام اعضاء نہایت مناسب اور قوی تھے اور سینہ اور پیٹ ایک دوسرے کے برابر تھے۔ دونوں شانوں کے درمیان کشادگی تھی۔ تمام جوڑوں کے سرے مضبوط اور ٹھوس تھے جو شجاعت وقوت کی علامت ہوتے ہیں اور عرب میں قابلِ تعریف سمجھے جاتے ہیں۔ بدن مبارک سفید نورانی تھا، مثل چاندی کے جس پر صیقل کیا ہُوا ہو۔ کلائیاں چوڑی اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔ ہاتھ پاؤں مضبوط تھے۔ یہ صفات مردوں کے لیے پسندیدہ اور طاقت وشجاعت کی علامتیں سمجھی جاتی ہیں۔ اُنگلیاں لمبی، بازو اور پنڈلیاں صاف وکشیدہ تھیں۔ پیروں کے تلوے برابر نہ تھے بلکہ درمیان سے خالی تھے۔ (یعنی تلوے کچھ حد تک محرابی تھے)۔ (حیات القلوب ص ۲۰۶ ج ۲)

بروایتے ہند بن ابی ہالہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد تھے لیکن دُور سے چھوٹے نظر نہیں آتے تھے اور نہ اتنے طویل قامت تھے کہ آنکھ کو بُرا لگے۔ چہرہ پاکیزہ اور کشادہ تھا جس پر چاند کی سی چمک تھی۔ رنگت سفید اور چمکدار۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر بڑا مگر اعتدال ومناسبت کے ساتھ تھا۔ مانگ درمیان سے نکلی ہوئی۔ پیشانی کشادہ۔ ابرو خمیدہ، باریک اور گنجان اور دونوں کے درمیان میں ایک رگ کا اُبھار جو غصہ آنے پر نمایاں ہوجاتی تھی۔ پتلیاں سیاہ۔ دیکھنے کا انداز حیادارانہ اور نظریں نیچی تھیں۔ ناک بُلندی مائل، اس پر نورانی چمک جس کی وجہ سے ابتدائی نظر میں بڑی معلوم ہوتی تھی۔ رخسار ہموار اور ہلکے، نیچے

کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہُوا تھا۔ دہن بہ اعتدال فراخ۔ ریش مبارک بھرپور اور گنجان بال۔ گردن پتلی، لمبی جیسے نہایت خوبصورتی سے تراشی گئی ہو۔ گردن کی رنگت چاندی جیسی اُجلی اور خوشنما۔ بدن پر بال زیادہ نہ تھے، سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی۔ سینہ چوڑا۔ سینہ اور پیٹ ہموار۔ کندھوں، بازوؤں اور سینے کے بالائی حصّے پر تھوڑے سے بال تھے۔ اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط۔ کلائیاں دراز۔ ہتھیلیاں فراخ۔ انگلیاں ایک حد تک لمبی۔ ہتھیلیاں اور پاؤں پُر گوشت۔ تلوے قدرے گہرے۔ پاؤں ایسے چکنے کہ اُن پر پانی نہ ٹھہرے۔ رفتار باوقار۔ چلتے تو یوں محسوس ہوتا کہ بُلندی سے اُتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف توجہ کرتے تو پورے جسم کے ساتھ اُس کی طرف متوجہ ہوتے۔ آسمان کی بجائے زمین پر زیادہ نگاہ رکھا کرتے تھے اور ہر ملنے والے پر سلام میں پہل کرتے''۔ (عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ا شیخ الصدوقؒ)

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام اپنے والد ماجد سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آئینہ دیکھتے تو فرماتے کہ حمد وثنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے میرے خَلق یعنی ہیئت وصورت اور قدوقامت کو اور میرے خُلق یعنی سرشت اور عادات وخصائل کو حَسین بنایا ہے''۔ (کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ البیہقی: شعب الایمان، درمشکوٰۃ، باب الرفق والحیاء وحسن الخُلق)

حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث کیا وہ خوبصورت اور اُس کی آواز حسین تھی یہاں تک کہ تمہارے نبی کو بھی حسین صورت اور حسین آواز دے کر مبعوث فرمایا۔ (پیغمبر اعظم وآخر، ابنِ سعد)

حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت مسعود بن عفرا سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت کریں۔ انہوں نے کہا، ''بیٹا! اگر تُو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا تو تجھے یوں لگتا جیسے آفتاب نکلا ہُوا ہو''۔ (کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دارمی درمشکوٰۃ)

حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی آنکھیں سرخی مائل سفید تھیں یعنی سفیدی میں باریک سرخ دھاریاں تھیں۔ جب میں اُن کی طرف دیکھتا تو سوچتا کہ آپ ﷺ نے سُرمہ لگا رکھا ہے حالانکہ وہ قدرتی دھاریاں تھیں نہ کہ سُرمہ کی۔ آپ ﷺ کی مبارک پنڈلیاں قدموں کی طرف سے انتہائی موزوں انداز میں پتلی تھیں اور زیادہ موٹی نہ تھیں۔

''مسلم'' میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی مبارک ایڑیاں زیادہ بھاری اور پُر گوشت نہیں تھیں بلکہ خفیف اللحم اور ذرا پتلی تھیں۔ (مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا، میں کبھی آپ ﷺ کی طرف دیکھتا کبھی چاند کی طرف۔ آپ ﷺ اُس وقت سرخ لباس پہنے ہوئے تھے۔ میرے نزدیک آپ ﷺ چاند سے زیادہ حسین لگ رہے تھے۔

(پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ترمذی، دارمی، در مشکوٰۃ)

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا رُخِ انور کھل اُٹھتا اور یوں لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ (پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

ورقہ بن نوفل سے جو اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے چچازاد بھائی تھے، روایت ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ چاند سا، پیشانی روشن اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ آپ ﷺ کی باتیں شہد و شکر سے زیادہ شیریں تھیں۔ جب چلتے تو یوں لگتا جیسے چودھویں کا چاند متحرک ہو اور ابرِ رحمت برس رہا ہو۔ آپ ﷺ مجسم حُسن اور عالی نسب تھے۔ آپ ﷺ حُسنِ سیرت میں دُنیا بھر میں بہترین اور اخلاقِ حسنہ کا پیکر تھے۔ جب چلتے تو آپ ﷺ کے لٹکے ہوئے بالوں سے سیاہی ٹپکتی، آپ ﷺ کے رخسار گلاب کی کلی سے زیادہ شاداب اور آپ ﷺ کی خوشبو خالص مُشک سے زیادہ معطر تھی۔ (پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، خطباتِ نبوی ﷺ دائرۃ المعارف، لاہور/مولوی محمد عبداللہ)

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تقریباً ۲۴ برس کی عمر میں کاروانِ تجارت کے ساتھ شام جا رہے تھے۔ اہلِ مکہ قافلے کو الوداع کہنے کے لیے جمع تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے فی البدیہہ اشعار کہے جن کا مطلب کچھ یُوں ہے:

اے آفتاب اور بدر منیر کو اپنے جمال سے شرمندہ کرنے والے!

تُو جب مسکراتا ہے تو برق سی لہرا جاتی ہے

ہم نے تجھ سے بہت سے معجزات دیکھے ہیں

اے سردار! تیرا ذکر بیماروں کو شفا دیتا ہے

(پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ، خطباتِ نبوی ﷺ / مولوی محمد عبداللہ)

حضرت انس سے روایت ہے کہ حبیبِ خدا ﷺ سب لوگوں سے زیادہ حسین، جاذب نظر اور دلکش تھے۔ آپ ﷺ کی رنگت نہ بالکل گندم گوں تھی اور نہ بالکل سفید ہی، اس میں بہت آب وتاب اور چمک و دمک تھی۔ بال درمیانے گھنگریالے تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ ہی انتہائی سخت۔ دستِ مبارک سب لوگوں سے زیادہ ملائم تھے۔ میں نے ہر قسم کے ریشم دیکھے بھالے ہیں مگر جو لطافت ونفاست اور نرمی وملائمت حبیب پاک ﷺ کی ہتھیلی میں تھی وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں دس سال گذارے، میں نے کئی طرح کے عطر سونگھے اور اُن کی خوشبوؤں کو محسوس کیا ہے مگر نبی اکرم ﷺ کے جسمِ اطہر سے پھوٹنے والی خوشبو اور مہک اُن تمام سے بڑھ کر تھی گویا کہ دُنیا کے مُشک وعنبر کو اس کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں دی جاسکتی۔ آپ ﷺ میانہ قامت تھے یعنی نہ انتہائی طویل اور نہ پستہ قامت ہی۔

حضرت انس ہی سے یوں بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے رنگ میں لطافت و چمک تھی۔ آپ ﷺ کے پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح تھے۔ جب آپ ﷺ چلتے تو آگے کی طرف

جُھکے ہوئے سے لگتے۔ میں نے دیبا و ریشم کو بھی آپ ﷺ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا، اور کوئی مُشک و عنبر ایسا نہیں سونگھا جس کی خوشبو نبی کریم ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو۔

(بخاری، مسلم، در مشکوٰۃ)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کی قامتِ زیبا کا اعجاز تھا کہ آپ اگر کسی طویل آدمی کے ساتھ مِل کر چلتے تو اُس سے بُلند نظر آتے اور بسا اوقات دو بُلند قامت آدمیوں کے درمیان چلتے تو آپ اُن دونوں سے دراز قامت معلوم ہوتے۔ جب آپ اُن سے الگ ہوتے تو میانہ قامت دکھائی دیتے۔ پسینہ ءمبارک چہرۂ انور پر یوں معلوم ہوتا جیسے لؤ لؤ آبدار ہو اور خوشبو کے لحاظ سے وہ خالص کستوری سے زیادہ پاکیزہ اور مہک والا ہوتا۔ گیسوِ مبارکہ کانوں اور کندھوں کے درمیان آتے تھے۔

براء بن عازب سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ سب سے زیادہ حسین و جمیل صرف آپ ﷺ کو ہی کو پایا۔ (بخاری و مسلم)

ابو اسحٰق سے مروی ہے کہ حضرت براء سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اکرم ﷺ کا چہرۂ مبارک (چمک دمک کی نسبت سے) تلوار کی مانند تھا؟ تو اُنہوں نے کہا نہیں بلکہ وہ چودھویں کے چاند کی طرح تھا۔ یعنی تلوار کی چمک سیاہی مائل ہوتی ہے جبکہ سرورِ کائنات ﷺ کے چہرۂ اقدس کی چمک میں سیاہی کا میلان ذرا سا بھی نہیں تھا۔ نیز تلوار کی تشبیہ میں چہرۂ انور کی طولانی کا گمان پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ چودھویں کے چاند کی طرح گول تھا۔ (بخاری)

حضرت عبداللہؓ ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔ جب آپ ﷺ چراغ کے ساتھ کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ کا نُور چراغ کی روشنی پر غالب آجاتا اور جب آپ ﷺ سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی چمک دمک

اورنورانیت سورج کی ضیا پر غالب آجاتی۔آپ ﷺ اپنے بال مبارک کبھی بغیر مانگ نکالے پیچھے ہٹادیتے اور کبھی مانگ نکال لیتے۔(ترجمہ:الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ/عبدالرحمٰن ابن جوزی)

عبدالرحمن بن مالک بن حشم نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ اُنہیں اُن کے بھائی سراقہ نے بتایا کہ میں نے حبیبِ خدا ﷺ کو قریب سے دیکھا جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کی طرف جارہے تھے۔آپ ﷺ اُونٹنی پر سوار تھے اور پاؤں مبارک رکاب میں تھے۔آپ ﷺ کی پنڈلیاں (سفیدی اور چمک دمک کی وجہ سے) یوں معلوم ہورہی تھیں جیسے کھجور کا خوشہ اپنے پردہ سے ابھی ابھی باہر نکلا ہو۔(ترجمہ:الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ/عبدالرحمٰن ابن جوزی ص۴۶۶)

روایات میں ہے کہ آپ ﷺ کا دہن مبارک قدرے چوڑا مگر انتہائی مناسب تھا، دانت مبارک بالکل مِلے ہوئے نہ تھے بلکہ اُن کے درمیان میں معمولی سا فاصلہ تھا۔بوقتِ تبسم ہونٹ مبارک دانتوں سے جُدا ہوتے تو دندانِ مبارکہ کی صفائی،سفیدی اور چمک اولوں کی طرح معلوم ہوتی۔آپ ﷺ کے دندانِ مقدسہ کا مسوڑھوں اور جبڑوں کے اندر جڑاؤ انتہائی حسین انداز میں تھا اور ترتیب میں کمال حُسن محسوس ہوتا تھا گویا کہ صدف میں چھپے آبدار موتی۔

(ترجمہ:الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ/عبدالرحمٰن ابن جوزی ص۴۶۶)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ وصال کے وقت آپ ﷺ کے سر اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔(جامع ترمذی ج۲ حدیث نمبر۳۳۹۹)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

(حصّہ اوّل تمام شد)